دیوانِ غالبؔ مع شرح

مرزا غالبؔ کی زندگی، ان کی نظم و نثر پر تبصرہ اور اشعارِ غالبؔ کی تشریح

مصنف: ایس ایل گومر (ایم اے)
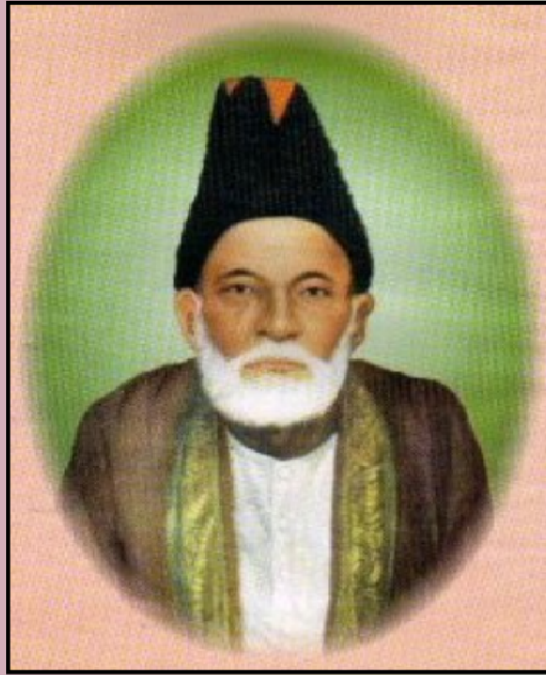
کرشنا بک ڈپو، انبالہ شہر

نوٹ فرمالیں کہ!

اس کتاب کا فی الحال ایک ہی ایڈیشن میسر ہے۔ صفحہ 67 پہ مقدمہ ختم ہوتا ہے پھر اصل شرح صفحہ 17 سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی شروع کے 16 صفحات غائب ہیں۔ پڑھنے والے تمام احباب سے گزارش ہے کہ اگر کسی کے پاس اس کا کوئی ایڈیشن ہو اور وہ مکمل ہو تو اس کی مدد سے اس میں ترمیم کر کے مطلوبہ صفحات شامل کر دیں یا مجھے مطلع فرمائیں۔

رابطہ نمبرز

+92 303 5054101
+92 311 5929589

بلبل کو بھی معلوم ہیں انداز چمن کے
کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو

دیوانِ غالب

(مع شرح)

اور

زندگی پر مکمل تنقید و تبصرہ

از

ایس۔ ایل۔ گومر۔ ایم۔ اے۔

پانچ روپیہ

ملنے کا پتہ:-
کرشنا بک ڈپو انبالہ شہر

مرزا غالبؔ

کی

زندگی اور اُن کی نظم و نثر پر تبصرہ

سوال :- اردو شاعری میں مرزا غالب کی ابتدائی روش پر تبصرہ کریں۔
نمونے کے طور پر کچھ اشعار بھی لکھیں۔

جواب :-

غالب کی ابتدائی روش

مرزا نے گل رعنا کے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں نے اول اردو زبان میں شعر کہنا شروع کیا تھا۔ جس روش پر مرزا نے ابتداء میں چلنا شروع کیا تھا۔ اس کا اندازہ اس حکایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ خود مرزا کی زبانی سنا گیا ہے۔ کہ میر تقی نے جو مرزا کے ہم وطن تھے۔ ان کے لڑکپن کے اشعار سن کر یہ کہا تھا۔ کہ اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا۔ اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا۔ ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔

مرزا کے ابتدائی اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ تو طبیعت کی مناسبت سے اور زیادہ تر ملا عبدالصمد کی تعلیم کے سبب فارسیت کا رنگ ابتدا ہی میں مرزا کے بول چال اور ان کی قوت متخیلہ پر چڑھ گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس اکثر ذکی الطبع لڑکے ابتداء میں سیدھے سادے اشعار کی بہ نسبت مشکل اور پیچیدہ اشعار کو جو بغیر غور و فکر کے آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ زیادہ شوق سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ مرزا نے لڑکپن میں بیدل کا کلام دیکھا تھا۔ چنانچہ جو روش مرزا بیدل نے فارسی زبان میں اختراع کی تھی۔ اسی روش پر مرزا غالب نے اردو میں چلنا اختیار کیا تھا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں ؎

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا ۔۔۔ اسد اللہ خاں قیامت ہے

یہاں نمونے کے طور پر مرزا کے ابتدائی کلام میں سے چند اشعار لکھے جاتے ہیں ۔

کرے گر فکرِ تعمیرِ خرابی ہائے دل گردوں ؎ نہ نکلے خشت مثلِ استخواں بیروں قالب سے

رکھا غفلت نے دور افتادۂ ذوقِ فنا ورنہ ؎ اشارت فہم کو ہر ناخنِ بریدہ ابرو تھا

ساتھ جنبش کے بیک برخاستن طے ہو گیا ۔۔۔ گویا صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا

مذکورہ بالا شعروں میں قطع نظر اس کے کہ طرزِ بیان اردو بول چال کے خلاف ہے۔ خیالات میں بھی کوئی لطافت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ شعر مرزا کے ان سطری [illegible] اور نظری غزلوں میں سے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے دیوانِ ریختہ کی انتخاب کرتے وقت اس میں سے نکال ڈالی تھیں۔ مگر اب بھی ان کے دیوان میں ایک تہائی کے قریب بہت سے اشعار ایسے پائے جاتے ہیں۔ جن پر اردو زبان کا اطلاق مشکل سے ہو سکتا ہے۔ جیسے ذیل کے اشعار جو اب دیوان میں موجود ہیں ۔

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا ۔۔۔ تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط ۔۔۔ تو ہو اور آپ بصد رنگِ گلستاں ہونا

شب خمارِ چشمِ ساقی رستخیز اندازہ تھا ۔۔۔ تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

ان اشعار کو جہل کہو یا بے معنی، مگر اس میں شک نہیں کہ مرزا نے وہ نہایت جانکاہی اور جگر کاوی سے سرانجام کئے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد یہ اشعار ان کی نظر میں کھٹکے ہوں گے۔ مگر چونکہ دیوان چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے ان اشعار کا نکالنا فضول سمجھا۔

ایسے ہی اشعار کی وجہ سے مرزا کی نسبت کہا گیا تھا ؎

کلامِ میر سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے ۔۔۔ مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

مرزا غالب کے حق میں جو پیشگوئی میر تقی نے کی تھی۔ اس کی دونوں شقیں ان کے حق میں پوری ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ مرزا اول اول ایسے رستے پر پڑ گئے تھے۔ کہ اگر استقامتِ طبع اور سلامتِ ذہن اور بعض صحیح المذاق دوستوں کی روک ٹوک اور نکتہ چین ہمعصروں کی خردہ گیری اور طعن و تعریض سدِ راہ نہ ہوتی تو وہ شدہ شدہ منزلِ مقصود سے بہت دُور جا پڑتے۔

مرزا نے اس قسم کی نکتہ چینیوں پہ اردو اور فارسی دیوان میں جابجا اشارہ کیا ہے ؎

نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا ۔۔۔ گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے ✤ خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے ✤ مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

چونکہ مرزا کی طبیعت فطرتاً نہایت سلیم واقع ہوئی تھی۔ اس لئے نکتہ چینیوں کی تعریضوں سے وہ بہت متنبہ ہوتے تھے۔ اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت ادھر

آتی جاتی تھی۔ اس کے سوا جب مولوی فضل حق سے مرزا کی راہ و رسم بہت بڑھ گئی۔ اور مرزا ان کو اپنا خالص و مخلص دوست اور خیر خواہ سمجھنے لگے۔ تو انہوں نے اس قسم کے اشعار پر بہت روک ٹوک کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ انہی کی تحریک سے مرزا نے اپنے اُردو کلام میں سے جو اُس وقت موجود تھا۔ دو تہائی کے قریب نکال ڈالا۔ اور اس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔

مرزا نے ریختہ میں جو روش ابتدا میں اختیار کی تھی ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح مقبولِ خاص و عام نہیں ہو سکتی تھی۔ لوگ عموماً میرؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، جراتؔ اور انشاءؔ وغیرہ کا سیدھا سادا اور صاف کلام سننے کے عادی تھے ـــــــ جو محاورے روزمرہ کی بول چال اور بات چیت میں برتے جاتے تھے۔ انہی کو جب اہلِ زبان وزن کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھتے تھے۔ تو ان کو زیادہ لذت آتی تھی۔ اور زیادہ لطف حاصل ہوتا تھا۔ شعر کی بڑی خوبی یہی سمجھی جاتی تھی۔ کہ ادھر قائل کے منہ سے نکلا۔ اور ادھر سامع کے دل میں اُتر گیا۔ مگر مرزا کے ابتدائی ریختے میں یہ بات بالکل نہ تھی۔ جیسے خیالات اجنبی تھے۔ ویسی ہی زبان غیر مانوس تھی۔ اکثر اشعار ایسے ہوتے تھے۔ کہ اگر ان میں ایک لفظ بدل دیا جائے۔ تو سارا شعر فارسی زبان کا ہو جائے۔ بعض اسلوبِ بیان خاص مرزا کے مخترعات میں سے تھے۔ جو ان سے پہلے نہ اُردو میں دیکھے گئے نہ فارسی میں۔

مرزا کے ابتدائی کلام کو مہمل و بےمعنی کہو یا اس کو اُردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس سے اُن کی جدت پسندی اور غیر معمولی اُپج کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے۔ اور یہی ان کی ٹیڑھی ترچھی چالیں اُن کی بلند فطرتی اور غیر معمولی قابلیت و استعداد پر شہادت دیتی ہیں۔ معمولی استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے۔ کہ جس پگ ڈنڈی پر اگلی بھیڑوں کا گلہ چلتا جاتا ہے۔ اسی پر آنکھیں بند

کر کے گلّے کے پیچھے پیچھے ہولیں - اور لیک کے ادھر ادھر آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھیں - جو ہنر یا
پیشہ اختیار کریں - اس میں اگلوں کی چال ڈھال سے سرِ مُو تجاوز نہ کریں - اور
ان کے نقشِ قدم پر قدم رکھتے جائیں -

برخلاف اس کے جن کی طبیعت میں جدت اور غیر معمولی اُپج کا مادہ ہوتا ہے
وہ اپنے میں ایک ایسی چیز پاتے ہیں - جو اگلوں کی پیروی پر اُن کو مجبور نہیں ہونے دیتی
ان کو قوم کی شاہراہ کے سوا بہت سی راہیں ہر طرف کھلی نظر آتی ہیں - یہ ممکن ہے
کہ جو طریق غیر مسلوک وہ اختیار کریں - وہ منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہو -
مگر یہ ممکن نہیں - کہ جب تک وہ دائیں بائیں چل پھر کر طبیعت کی جولانیاں نہ دیکھ
لیں - اور تھک کر چور نہ ہو جائیں - عام راہگیروں کی طرح آنکھیں بند کر کے شارع
عام پر پڑ جائیں - مرزا کی طبیعت اس قسم کی واقع ہوئی تھی - کہ وہ عام روش
پر چلنے سے ہمیشہ ناک چڑھاتے تھے -

بہر حال مرزا ایک مدت کے بعد اپنی بے راہ روی سے خبردار ہوئے اور
استقامتِ طبع اور سلامتیٔ ذہن نے ان کو راہِ راست پر ڈالے بغیر نہ چھوڑا - گو
ان کا ابتدائی کلام جس کو وہ حد سے زیادہ جگر کاوی اور دماغ سوزی سے سرانجام
کرتے تھے - مقبول نہ ہوا - مگر چونکہ قوتِ متخیلہ سے بہت زیادہ کام لیا گیا تھا -
اس لئے اس میں ایک غیر معمولی بلند پروازی پیدا ہو گئی تھی - جب قدرتِ ممیزہ
نے اس کی باگ اپنے قبضے میں لی - تو اس نے وہ جوہر نکالے جو کسی کے وہم و گمان میں
بھی نہ تھے ÷

یادگارِ غالب

—————— (حالی) ——————

سوال:۔ میر تقی میر سے لے کر حالی اور امیر مینائی تک کی تاریخ شعر میں مرزا غالب کا مقام ایک غیر معمولی امتیاز کا حامل ہے۔ اس رائے پر بحث کیجیے۔

جواب:۔

اُردو شاعری میں غالب کا مقام

شمس العلماء مولانا حالی لکھتے ہیں:۔

اپنے زمانے کے خیالات کے موافق مرزا اردو شاعری کو داخلِ کمالات نہیں سمجھتے تھے۔ ایک فارسی قطعہ میں کہتے ہیں ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ — بگذر از مجموعۂ اُردو کہ بے رنگِ من است

راست می گویم من و از راست سر نتواں کشید — ہرچہ در گفتار فخرِ تست آں ننگِ من است

مگر چونکہ مرزا کے معاصرین اکثر نکتہ سنج اور نکتہ شناس تھے۔ اس لئے وہ ریختہ کے سرانجام کرنے میں بھی اپنی پُوری توجہ اور ہمت صرف کرتے تھے۔ اور دونوں زبانوں میں اپنی برتری اور فوقیت قائم رکھنے کی برابر فکر رکھتے تھے۔

مرزا کے اُردو کلام میں غزل کے سوا کوئی صنف شمار کے قابل نہیں ہے۔ مرزا کی موجودہ غزلیات گو بمقابلہ بعض شعراء کے تعداد میں کیسی ہی قلیل ہوں۔ لیکن جس قدر منتخب اور برگزیدہ اشعار مرزا کی غزلیات میں موجود ہیں۔ وہ تعداد میں کسی بڑے سے بڑے دیوان کے انتخابی اشعار سے کم نہیں ہیں۔ اور جس قدر بلند اور عالی خیالات مرزا کے ریختہ میں نکلیں گے۔ اسی قدر کسی ریختہ کے کلام میں نکلنے کی توقع نہیں ہے؟

میر و سودا اور ان کے مقلدین نے اپنی غزل کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے - کہ جو عاشقانہ مضامین صدیوں اور قرنوں سے اول فارسی اور اس کے بعد اردو غزل میں بندھتے چلے آتے ہیں - وہی مضامین بہ تبدیل الفاظ اور بتغیر اسالیب بیان عامۂ اہلِ زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ میں ادا کئے جائیں - چنانچہ میر سے لیکر ذوق تک جتنے مشہور غزل گو مرزا کے سوا اہلِ زبان میں گذرے ہیں - ان کی غزل میں ایسے مضامین بہت ہی کم نکلیں گے - جو اس محدود دائرے سے خارج ہوں - ان کی بڑی کوشش یہ ہوتی تھی - کہ جو مضمون پہلے متعدد طور پر بندھ چکا ہے - وہی مضمون ایسے بلیغ اسلوب میں ادا کیا جائے - کہ تمام اگلی بندشوں سے سبقت لے جائے - برخلاف اس کے مرزا نے اپنی غزل کی عمارت دوسری بنیاد پر قائم کی ہے - ان کی غزل میں زیادہ تر ایسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں - جن کو اور شعرا کی فکر نے بالکل مس نہیں کیا - اور معمولی مضامین ایسے طریقے میں ادا کئے گئے ہیں کہ سب سے نرالے ہیں اور ان میں ایسی نزاکتیں رکھی گئی ہیں - جن سے اکثر اساتذہ کا کلام خالی معلوم ہوتا ہے ؛

خلاصہ یہ ہے کہ اور لوگوں نے اول سے آخر تک قوم کی شاہراہ سے سرمو انحراف نہیں کیا - مرزا نے اول شاہراہ کا رخ چھوڑ کر دوسرے رخ چلنا اختیار کیا - اور جب راہ کی مشکلات نے مجبور کیا - تو ان کو بھی آخر اسی رخ پر چلنا پڑا - مگر جس لیک پر قافلہ جا رہا تھا - اس کے سوا ایک اور لیک اسی کے متوازی اپنے لئے نکالی - اور جس چال پر اور لوگ چل رہے تھے - اس چال کو چھوڑ کر دوسری چال اختیار کی - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں - کہ جب میر و سودا اور ان کے مقلدین کے کلام میں ایک ہی قسم کے خیالات اور مضامین دیکھتے دیکھتے جی اکتا جاتا ہے - اور اس کے بعد مرزا کے دیوان پر نظر ڈالتے ہیں - تو اس میں ہم کو

ایک دُوسرا عالم دکھائی دیتا ہے۔ اور جس طرح کہ ایک خشکی کا سیاح سمندر کے سفر میں، یا ایک میدان کا رہنے والا پہاڑ پر جا کر ایک بالکل نئی اور نرالی کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی طرح مرزا کے دیوان میں ایک اور ہی سماں نظر آتا ہے۔ یہاں ہم چند شعر مرزا کے دیوان سے ایسے نقل کرتے ہیں۔ جن سے ان کے خیالات کا اچھوتا پن ثابت ہوتا ہے ؎

۱۔ بسکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا ۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

دعویٰ یہ ہے کہ دُنیا میں آسان سے آسان کام بھی دُشوار ہے اور دلیل یہ ہے۔ کہ آدمی جو کہ عین انسان ہے۔ اس کا بھی انسان بننا مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال نہیں ہے۔ بلکہ شاعرانہ استدلال ہے۔ جس سے بہتر ایک شاعر استدلال نہیں کر سکتا۔

؎ ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا ۔ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا؟

یہ بھی جہاں تک کہ معلوم ہے، ایک نیا خیال ہے۔ اور نیا خیال ہی نہیں۔ بلکہ فیکٹ (حقیقت) ہے۔

؎ نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

بالکل نئی طرح سے نیستی کو ہستی پر ترجیح دی ہے۔ اور ایک عجیب توجیہ سے عدم محض ہونے کی تمنا کی ہے۔

؎ نہ توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

بالکل نیا اچھوتا اور باریک خیال ہے۔ اور نہایت صفائی اور عمدگی سے اس کو ادا کیا گیا ہے۔

؎ لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ ۔ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

لاگ دشمنی اور لگاؤ محبت۔ یہ مضمون عجب نہیں کہ کسی اور نے بھی باندھا ہو مگر ہم نے آجتک نہیں دیکھا۔ اگر کسی نے باندھا بھی ہوگا۔ تو اس خوبی اور لطافت سے ہرگز نہ باندھا ہوگا۔ قطع نظر خیال کی عمدگی اور ندرت کے لاگ اور لگاؤ ایسے دو لفظ بہم پہنچائے ہیں۔ جن کا ماخذ متحد اور معنی متضاد ہیں۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے۔ جس نے خیال کی خوبی کو چہار چند کر دیا ہے۔

؎ آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

شعر میں نئی طرح کی شوخی ہے۔ جو بالکل اچھوتی ہے۔

؎ مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

اس میں گو بظاہر خدا کا شکر ہے۔ مگر فی الحقیقت سراسر اہلِ وطن کی شکایت ہے جس کو ایک عجیب پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔

؎ ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

مصرعِ ثانی میں ایک بالکل نئی مثال پیش کی گئی ہے۔ اور اس سے بہتر اس مضمون کے لئے مثال نہیں ہو سکتی۔

؎ نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

عشق حقیقی ہو یا مجازی، اس کے زخم کی گہرائی اس سے بہتر کسی اسلوب میں بیان نہیں ہو سکتی۔

ع رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہوگئیں
یہ خیال بالکل اچھوتا ہے۔ اور نرا خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے۔ اور ایسی خوبی سے بیان ہوا ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔
ع ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
ایک فیکٹ کے بیان میں ایسے مناسب محاورات کا دستیاب ہو جانا عجیب اتفاق ہے۔
ع دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
کسی کے حسنِ بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہوسکتی۔
ع اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے
جامِ جم پہ جامِ سفال کو کس خوبی سے ترجیح دی ہے۔ کہ اس کی کچھ تعریف نہیں ہوسکتی۔ اور بالکل نیا خیال ہے۔ جو کہیں نظر سے نہیں گذرا۔
ع منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید ناامیدی اس کی دیکھا چاہیئے
نااُمیدی کی غایت اس سے بڑھ کر اور ایسی خوبی سے شاید ہی کسی نے بیان کی ہو
غالب کے کلام میں ایسے دو تین درجن اشعار ملیں گے۔ جو جدتِ مضامین اور طرفگیٔ خیالات کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ اسلوبِ بیان کی جدت بھی کچھ کم جاذبِ نظر نہیں۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں۔ جو غالب کو اردو شاعری میں ایک نہایت ممتاز مقام پہ متمکن کرتی ہیں ؏

———○———

سوال: جدتِ مضامین اور طرفگیٔ خیالات کے علاوہ مرزا غالب کے کلام میں کیا خاص خوبیاں ہیں، مثالوں سے واضح کیجئے۔

جواب

غالب کے کلام کی خاص خوبیاں

مضامین کی جدت اور خیالات کی طرفگی غالب کے کلام کا خاص جوہر ہیں لیکن مرزا کی شاعری کی خاص خوبیاں یہیں تک محدود نہیں۔ ان کے یہاں اور بھی چند خصوصیتیں ایسی ہیں۔ جو اور ریختہ گویوں کے کلام میں شاذ و نادر پائی جاتی ہیں۔

جہاں تک ہو سکتا ہے۔ مرزا عام اور مبتذل تشبیہوں کو استعمال نہیں کرتے بلکہ تقریباً ہمیشہ نئی نئی تشبیہیں ایجاد کرتے ہیں۔ خیالات کی جدت ان کو جدید تشبیہیں پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان میں ندرت اور طرفگی کے ساتھ ساتھ سنجیدگی اور لطافت بھی بدرجۂ اتم ہے۔ ایک جگہ سورج کو، اس لحاظ سے کہ حسنِ معشوق کے مقابلہ میں اس کو ناقص الخلقت قرار دیا ہے۔ ماہِ نخشب کے ساتھ تشبیہ دی ہے ؎

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

ایک شعر میں انسان کی زندگی کو شمع سے تشبیہ دی ہے ؎

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

تشبیہوں کے علاوہ مضامین، محاورات اور تراکیب، غرض ہر ایک بات

میں مرزا ابتذال سے بہت بچتے تھے۔

مرزا نے استعارہ وکنایہ وتمثیل سے، جو کہ لٹریچر کی جان اور شاعری کا ایمان ہے۔ پورا فائدہ اٹھایا ہے ؎

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

ایک اور مثال ملاحظہ ہو ؎

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

دوست کو رخصت کرتے وقت جو ندرتِ کیفیت گذری تھی۔ اور جو اس کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یاد آتی ہے اس میں جو کبھی کبھی کچھ وقفہ ہو جاتا ہے۔ اس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا۔ ایسے بلیغ شعر اردو زبان میں کم دیکھے گئے ہیں۔ جو حالت فی الواقع ایسے موقع پر گذرتی ہے۔ ان دو مصرعوں میں اس کی تصویر کھینچ دی ہے۔ جس سے بہتر کسی اسلوب بیان میں یہ مضمون ادا نہیں ہو سکتا۔

استعارے اور تمثیل کے زور سے مرزا سیدھے سادے خیالات میں ندرت اور طرفگی پیدا کر دیتے ہیں۔

غالب کی نظم ونثر اپنی سنجیدگی اور متانت کے لحاظ سے اردو ادب میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ لیکن اس سنجیدگی اور متانت کے باوجود ان کے یہاں ایک لطیف شوخی وظرافت جلوہ گر ہے۔ مزے کی بات یہ ہے۔ کہ مرزا کی شوخی وظرافت ہجو یا فحش وہزلیات سے سراسر پاک ہے ؎

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

نمونے کے طور پہ دو شعر اور دیئے جاتے ہیں ؎

بوسہ نہیں، نہ دیجئے دشنام ہی سہی ۔ آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں ۔ یہ سوء ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

چوتھی خصوصیت مرزا کی طرزِ ادا میں ایک خاص چیز ہے۔ جو اوروں کے ہاں بہت کم دیکھی گئی ہے۔ اور جس کو مرزا اور دیگر ریختہ گویوں کے کلام میں مابہ الامتیاز کہا جا سکتا ہے۔ ان کے اکثر اشعار کا بیان ایسا پہلو دار واقع ہوا ہے۔ کہ بادی النظر میں اس سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہیں۔ مگر غور کرنے کے بعد اس میں ایک دوسرے معنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے وہ لوگ جو ظاہری معنوں پر قناعت کر لیتے ہیں۔ لطف نہیں اٹھا سکتے۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ ظاہری اور لطیف معانی کا فرق معلوم کرنے کے لیے شرحِ غالب کی طرف رجوع کیجئے ؎

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے ؟ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق ؟ ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز ؟ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ ۔ جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے ۔ دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

غالب کے کلام کی سب سے ممتاز خوبی ہے مضامین و اسالیب کی وسعت، نفاست
اور لطافت۔ نئی طرز کی معنی آفرینیوں میں یہ خوبی جابجا جھلک رہی ہے۔ مثال کے
طور پر چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:-

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

کرنے لگا ہے باغ میں تو بے حجابیاں آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کئے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی

یہ سب متاخرانہ نزاکتیں ہیں۔ جو دلی سے لے کر میر، سودا اور درد تک کے
کلام میں نہ تھیں۔ اور اگر تھیں تو صرف اس قدر جیسے آٹے میں نمک۔ غالب کے یہاں
روز مرہ کی نشست اور صفائی بیان سے بڑھ کر نئی نئی تعجب انگیز اور لطیف
و پاکیزہ اختراعات کا زور شور ہے۔ چنانچہ مرزا اپنے ایک دوست کو لکھتے ہیں۔ "بھائی!
شاعری معنی آفرینی ہے۔ قافیہ پیمائی نہیں"۔

شاعر کا کمال یہ ہے کہ اس کا کلام لوگوں کی زبان پر چڑھ جائے۔ اور لوگ
روزمرہ کی بات چیت میں اس سے چٹخارے لیں۔ اس لحاظ سے مرزا غالب کو

ایک بے مثال درجہ نصیب ہے۔ اہلِ علم اور اربابِ ذوق کا تو خیر ذکر ہی نہیں۔ معمولی استعداد کے لوگ بھی غالب کے بہت سے اشعار کو بحث و دلائل کا تکیہ بناتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ ان اشعار میں زندگی کا فلسفہ کچھ ایسے انداز میں کمالِ سادگی و سلاست سے بیان کیا گیا ہے کہ اردو ادب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ذیل میں اسی قبیل کے دو چار شعر نقل کئے جاتے ہیں:-

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا　　　یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ　　　ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ　　　پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اگر اردو زبان کا کوئی شاعر ہر مذاق کے لوگوں کے لئے تسکین و مسرت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ تو وہ مرزا غالب ہے۔

سوال:۔ ذوق نازک خیالی اور معنی آفرینی میں خواہ غالب سے کم ہوں۔ مگر سادگی، صفائی اور مترنم الفاظ کے لحاظ سے غالب سے بہت آگے ہیں۔ اور قصیدے میں تو کوئی ان کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔" اس رائے کی روشنی میں غالب اور ذوق کا موازنہ کیجئے۔

جواب

غالب اور ذوق کا موازنہ

حضرت جوش ملسیانی اس باب میں رقمطراز ہیں:۔

نثر میں ذوق کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ اور غالب کی نثر نگاری کو تابات کی صورت میں بہت امتیازی حیثیت کی ہے۔ اسی طرح غالب کے قصیدے اردو زبان میں بہت قلیل اور برائے نام ہیں۔ نیز پیچیدہ بیانی اور فارسیت کی وجہ سے ان کی حیثیت اور بھی کم ہو گئی ہے۔ ذوق قصیدہ گوئی میں اردو زبان کا خاقانی ہے۔ اس صنف میں سودا۔ انشاؔ اور ذوق ہی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ رباعیات قطعات اور مثنویات دونوں مشاہیر نے بہت کم کہی ہیں۔ اس لئے ان ہمعصر استادوں کی شاعرانہ قابلیت کا موازنہ غزل اور صرف غزل میں ہو سکتا ہے۔ آج کل غالب پرستی کا زور دورہ ہے۔ مگر یہ بڑی بے انصافی ہے کہ سب کے حقوق چھین کر ایک شخص کو دے دیئے جائیں۔ اور جانبداری کی انتہا یہاں تک پہنچ جائے کہ واقعات سے آنکھیں بند کر کے مرزا کو حکیم، فلاسفر، قوم پرست یا محب وطن بھی ثابت کیا جائے اور اس کے دیوان کو دیوان حافظ کی طرح

غالنامہ بھی مان لیا جائے۔

ذوقؔ پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ وہ جذبات نگاری جانتا ہی نہیں۔ حالانکہ یہ بات حقیقت کے بالکل ہی خلاف ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر　　　جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

نہ مارا تو نے پورا ہاتھ قاتل　　　ستم میں بھی تجھے پورا نہ پایا

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں　　　سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روزِ حشر
مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پہ تاک کر مارا تو کیا مارا

ہر شاعر کا میدانِ طبیعت اور میدانِ سخن گوئی ہمیشہ مختلف ہوتا ہے۔ مرزا غالبؔ سیدھی بات کو بھدے اور سلیس انداز میں بیان کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ مگر ذوقؔ کی طبیعت سادگی اور سلاست کی دلدادہ تھی۔ وہ معنوی تکلف سے دور رہتے تھے۔ اس لئے موازنہ کرنے والے اگر دونوں کو ایک ہی ترازو میں تولنا چاہیں اور ایک ہی روش کو معیار ٹھہرائیں۔ تو صحیح تبصرہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ انہیں یہ خیال رکھنا لازم ہوگا۔ کہ ان شعراء کا میدانِ طبع اور میدانِ سخن گوئی کیا ہے۔

غزل گوئی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم طرح غزلیات کی ضرورت ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ سوائے ایک غزل کے ایک ہی زمین کی غزلیات دونوں کے دیوانوں میں موجود نہیں۔ وہ زمین جس میں دونوں کی غزلیات اہلِ نظر کے سامنے ہیں، یہ ہے۔ ع

بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

اگرچہ مرزا نے اس غزل کو قصیدہ گوئی پر ختم کیا ہے اور آخر کے پانچ چھ شعر غزل کی تعریف سے خارج ہیں۔ مگر اس کے باوجود بعض اشعار ذوق کی غزل کے ہم توپہ بھی ہیں ؎

غالب:۔ نویدِ امن ہے بیدادِ دوست جاں کے لئے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے

ذوق:۔ ہیں ثبات بلندی میں عزوشاں کے لئے
کہ ساقط اوج کے لیتی ہے آسماں کے لئے

مرزا کے مطلع میں معنی آفرینی تو بہت ہے۔ مگر مضمون نیچرل نہیں۔ ذوق کا مضمون اخلاقی اور انتہاہی حیثیت کا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں جو دلیل پیش کی ہے۔ اس میں بھی حقیقت کی ترجمانی قابلِ داد ہے۔

غالب:۔ وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے

ذوق:۔ اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس
بہشت ہے ہمیں آرامِ جاوداں کے لئے

مرزا کا مضمون شوخی اور بےباکی ہے۔ اور اسی کو اس شعر کی روح کہنا چاہئے۔ مگر ذوق نے ایک حقیقت ظاہر کرنے کی کوشش میں معنی آفرینی کی داد دی ہے

اور مسکی یہ کوشش کامیاب ہے۔ بیان کی بے تکلفی دونوں کے ہاں برابر ہے

غالب :۔ فلک نہ دور رکھ اس سے کہ ایک میں ہی نہیں

دراز دستیٔ قاتل کے امتحاں کے لئے

ذوق :۔ وہ مول لیتے ہیں جس پہ کھوئی نئی تلوار

لگا لے پہلے مجھی پہ ہیں امتحاں کے لئے

ذوق نے یہ قافیہ اس بے تکلفی سے باندھا ہے۔ کہ گویا سامنے کا مضمون تھا

نزاکتِ خیال کو معیار قرار دیا جائے۔ تو غالب کا شعر قابلِ ترجیح ہے۔ اور تصنع یا آمد

کی بجائے بے تکلفی کو پسند کیا جائے تو ذوق کا شعر خوب ہے۔

غالب :۔ مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر

کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کیلئے

ذوق :۔ صبا جو آئی خس و خار گلستاں کے لئے

قفس میں کیونکہ نہ پھڑکے دل آشیاں کے لئے

اگر ذوق کے شعر میں یہ لطف ہے۔ کہ اس نے مصرعِ اوّل کی ردیف کو فعل

کی صورت میں استعمال کیا (یعنی صبا جب گلستاں کے خس و خار لئے ہوئے "آئی") اور

دونوں ردیفوں میں تنوع پیدا کر دیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ مرزا کا شعر لفظاً و

معناً بہت نو تبت رکھتا ہے۔ اور تمثیل نے اس شعر میں جو خوبی پیدا کر دی ہے۔ وہ

محتاجِ توصیف نہیں۔

باقی اشعار ہم قافیہ نہیں ہیں۔ مرزا کی غزل میں یہ شعر بہت ہی لاجواب

ہے سے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئی

اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

اب ذوق کی غزل کے اشعار دیکھئے ؎

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے — عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لئے

زورِ بیان کے علاوہ راستی کے لئے عصا اور سیف ان دونوں لفظوں کی
تلاشِ جدّتِ توصیف سے بالا تر ہے

؎ الٰہی کان میں کیا اس صنم نے پھونک دیا
کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کیلئے

اس شعر میں محاورے کی بندش وجدانی کیفیت رکھتی ہے۔ اور اس میں جو معنوی
تضاد کا لطف ہے۔ اس کی داد کہاں تک دی جائے۔

؎ جو پاس مہر و محبت کہیں یہاں بکتا
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کے لئے

لفظ مہرباں میں جو طنز ہے وہ لطف سے خالی نہیں۔

؎ بیانِ دردِ محبت جو ہو تو کیونکر ہو — زباں دل کے لئے ہے نہ دل زباں کیلئے

یہ شعر اُردو شاعری اور حضرت ذوق دونوں کے لئے فخر و مباہات کا سرمایہ
ہے۔ اسی پُر لطف مضمون ذیل کے شعر میں خوب بندھا ہے ؎

ترے جلووں کے آگے ہمتِ شرحِ بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

تصوّف، فلسفہ عشق و محبت اور رندانہ شوخی یہ تینوں مضامین ایسے ہیں
جو غالب کو بمقابلہ ذوق امتیازی حیثیت دیتے ہیں۔ ان مضامین میں غالب کے ہاں
معنی آفرینی، نزاکتِ خیال اور جدّت طرازی کی ایک نئی دنیا آباد ہے۔ اگرچہ اس
قسم کے مضامین ذوق کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ مگر ان کی فراوانی اور بلند پایگی
مرزا کا خاص حصہ ہے۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ ان میں فارسیت پیچیدہ بیانی

اور تکلف پسندی بھی جا بجا پائی جاتی ہے۔

اخلاقیات، زبان کی صفائی، بیان کی سادگی و سلاست اور محاورہ بندی میں ذوق کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ محاورہ بندی میں تو اس کا مد مقابل کوئی بھی نہیں۔

مرزا کے کلام میں درد و غم اور سوز و گداز کا عنصر غالب ہے۔ مگر ذوق رنج اور مسرت دونوں سے لطف اٹھاتا ہے۔

مثلاً مرزا کا یہ شعر ؎

حیراں ہوں، دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں ٭ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

اور ذوق کا یہ مشہور شعر ؎

دل وہ ہے اس مزاج کا پروردگار دے ٭ جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

خاص طور پر قابل غور ہیں۔

زبان کی صفائی کا اندازہ کرنے کے لئے ایک ہی مضمون کے دو شعر کافی ہیں ؎

غالب: ؎ بارِ محنتِ مزدور سے ہے خم

اے خانماں خراب! نہ احساں اٹھائیے

ذوق: ؎ نہ پکڑیں دامن الطاف گرداب بلا بھی ہم

کہ بہتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا

چونکہ مرزا کے کلام میں درد اور سوز و گداز کا عنصر بہت زیادہ ہے اس لئے تاثیر کلام بھی مرزا ہی کے اشعار میں زیادہ ہے۔ خیالات کی بلند پروازی اور جدت طرازی میں بھی غالب امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔ جذبات نگاری میں دونوں برابر ہیں۔ شعر کی استادانہ بندش کے لحاظ سے دونوں مستند حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض

وقت دونوں کا خیال ایک نقطے پہ پہنچ جاتا ہے۔ اور اسے بیان کرنے کے انداز میں زبان کی خوبی کا فرق رہ جاتا ہے یا تکلف اور بے تکلفی کا ؎

غالبؔ: سبزۂ باغ پر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے

سایۂ شاخِ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

ذوقؔ: سایۂ سروِ چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے

سانپ سا پانی میں اے سروِ خراماں چھوڑ کر

دونوں نے سائے کو سانپ سے تشبیہ دی ہے۔ مگر غالبؔ نے اڑتا سانپ کہہ کر تکلف بھی پیدا کر دیا ہے۔ ذوقؔ نے سروِ چمن کے عکس کو سانپ قرار دے کر حقیقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور ردیف "چھوڑ کر" میں جو زبان کا لطف ہے اس کا تو کہنا ہی کیا ہے!

آخر میں دو شعر، جن میں دونوں نے زبان کی خوبی کا خاص خیال رکھا ہے۔ اور مضمون بھی ان میں ملتا جلتا ہے۔ خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں ؎

غالبؔ: ہوائے گر بتراہِ امراً الضعاف محشر میں نہ ہو

آج تک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

ذوقؔ: اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

زبان کی صفائی، بیان کی بے تکلفی دونوں شعروں میں قابلِ داد ہے۔ دونوں شعر اپنی جگہ باقی ہیں۔ مگر اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ ذوقؔ کا یہ مطلع بالکل تیر و نشتر ہے۔ مرزا غالب بھی یہ مطلع سن کر مبہوت ہو گئے تھے۔ اور اس کے کیف میں شطرنج بھی چند منٹ کے لئے ملتوی کر دی تھی۔

سوال: متاخرین میں نئی طرز کی معنی آفرینیاں، رنگینیاں اور نزاکتیں مومن کے ہاں غالب سے کم نہیں۔ اس رائے کے حق میں ثبوت پیش کرتے ہوئے غالب اور مومن کی شاعری کا موازنہ کیجیے۔

جواب:

غالب اور مومن کا موازنہ

مولینا حالی لکھتے ہیں:-

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مرزا غالب نے سب سے پہلے نئی طرز اختیار کی تھی۔ کیونکہ جس طرح کیمسٹری کے مدون ہونے اور علم کے درجے پر پہنچنے سے پہلے اس کے متفرق اصول مشرقی ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مرزا سے پہلے بھی بعض شعراء کے کلام میں اس نئی طرز کی کہیں کہیں جھلک سی نظر آجاتی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اول مرزا نے اور انہی کی تقلید سے مومن، شیفتہ، تسکین، سالک، عارف داغ وغیرہ ہم نے اس طرز کو نسبتاً زیادہ رواج دیا خصوصاً مومن خاں مرحوم اس خصوصیت میں مرزا سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ متاخرین کے اس خاص گروہ نے قدماء کے سیدھے سادے خیالات اور معمولی اسلوبوں میں قسم قسم کی نزاکتیں اور لفظی و معنوی تصرفات کر کے ان میں ندرت اور طرفگی پیدا کی ہے۔ مثلاً میر تقی کا شعر ہے:-

میری تغیر رنگ پر مت جا ۔۔۔ اتفاقات ہیں زمانے کے

اسی تغیر رنگ کو مومن خاں نے اس طرح باندھا ہے:-

میری تغیرِ رنگ کو مت دیکھ ۔۔۔ تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

لفظوں کے ہیر پھیر سے رنگینی پیدا کرنے کی دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں ؀

دوستی اس صنم آفتِ ایماں سے کرے ۔۔۔ مومن، ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا؟

کیا سُنا تے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل ۔۔۔ تم سے بیرحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

اگر نہ ہاتھ میں اس دلربا کے دل دیتے ۔۔۔ تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم

جناب جوش ملسیانی فرماتے ہیں :۔

غالب اور مومن دونوں مشاہیر کا موازنہ صرف غزل میں ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مومن نے قصیدے بھی کہے ہیں۔ مثنویاں بھی کہی ہیں جن میں ایک نظم "انقلاب زمانہ" بہت ہی گرانقدر اور نہایت ہی بلند پایہ ہے۔ اس کے چند شعر یہ ہیں ؀

یاد آیام عشرتِ فانی ۔۔۔ نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں ۔۔۔ کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

نکتہ سنجوں سے جی میں ہے پوچھوں ۔۔۔ کہ میں شہری ہوں یا بیابانی

نہ رہا کچھ نشانِ آبِ رواں ۔۔۔ خاک سارے جہاں میں چھانی

برخلاف اس کے مرزا غالب نے اُردو میں غزل کے سوا اور کسی صنف میں بہت ہی کم کہا ہے۔ قصائد صرف تین چار ہیں۔ ان میں بھی فارسیت اور پیچیدہ بیانی کافی ہے۔ البتہ ایک قصیدہ جس کا پہلا مصرع یہ ہے ؏

ہاں مہِ نو، سنیں ہم اس کا نام

بہت صاف اور سلیس اور فصیح و بلیغ ہے۔ چند قطعات اور چند رباعیات بھی ہیں۔ مگر زیادہ تر توجہ غزل ہی کی طرف مبذول رہی ہے۔ اس لئے موازنہ کا میدان یہی ہے۔

جہاں تک تصوف، فلسفۂ عشق و محبت اور رندانہ شوخی کا تعلق ہے۔ مرزا غالب کو بمقابلۂ مومن فوقیت حاصل ہے۔ تصوف کے مضامین مومن نے بھی کہے ہیں اور خوب کہے ہیں۔ مثلاً ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

یہ وہ شعر ہے کہ مرزا غالب اس ایک شعر کو مومن سے لے کر اپنا پورا دیوان اس کے معاوضے میں مومن کے سپرد کرنے کو آمادہ تھے۔ مگر باوجود اس کے مرزا غالب کے کلام میں ان مضامین کی فراوانی ہے۔ اور یہ تینوں مرزا کی خاص شاعری کا میدان ہیں۔

تغزل یعنی معاملہ بندی، زبان کی صفائی، بیان کی بے تکلفی کے متعلق اوپر لکھے ہوئے چاروں شعر بطور مثال کافی ہیں۔ دوسرے عنوانوں کے تحت جو شعر لکھے جائیں گے ان میں بھی یہ خوبی جابجا نظر آئے گی۔ معاملہ بندی کی مثالیں مرزا غالب کے کلام میں بہت قلیل ہیں۔ مگر مومن کے ہاں اس مضمون کی بہت فراوانی ہے۔ مثلاً مومن کی اس غزل کا ہر شعر تغزل کی جان اور جذباتی شاعری کا ایمان ہے ؎

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھا پیشتر، وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ بیان شوق کا برملا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تغزل کا یہ رنگ مرزا غالب کے ہاں ناپید ہے۔ مگر مومن نے ان میں جذبات کا دریا بہا دیا ہے۔ چند اور مثالیں اس قسم کی جذباتی شاعری کے متعلق ملاحظہ ہوں ۔

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب تک آ گئی ۔ حال پہنچایاں تک اور تم نہ آئے یاں تلک

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا ۔ لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

کبھی کی پھر گئیں آنکھیں فرشتے بھی نظر آئے ۔ تمہارا منہ چھپانا دیکھئے کیا کیا دکھاتا ہے

ان اشعار میں زبان اور محاورے کا لطف وجدانی کیفیت رکھتا ہے۔ مومن کی ہر ایک غزل میں یہ رنگ موجود ہے۔

زبان کی صفائی اور سلاست بیان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ شعر پڑھتے ہی دل میں اتر جاتا ہے۔ تاثیر کلام بھی سحر کا اثر رکھتی ہے۔ غالب کے آخری عمر کے کلام میں تو بیان کی یہ صفائی اور زبان کی یہ سلاست موجود ہے۔ مگر بہ حیثیت مجموعی یہ وصف ان کے دیوان میں نہیں۔

محاورہ بندی میں مومن کا کمال دیکھنا ہو تو یہ اشعار دیکھئے ۔

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے ۔ یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرفِ غلط — لیکن اُٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے
شمع کے چہرہ کا محفل میں جو مذکور ہوا — دل جلے بیٹھے تھے جو آنکھ چُرا کے اُٹھے

نہ کچھ پیری چلی بادِ صبا کی — بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

اب تک گیا نہ باغ میں تو بہرِ انتظار — سُن ہو گئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم

محاورہ بندی میں یہ گرم گفتاری، یہ فراوانی اور پھر بے تکلفی کی خوبی غالب کے ہاں بہت کم ہے۔ رنج و غم، دردِ محبت اور سوز و گداز کی ترجمانی دونوں کا مشترکہ میدان ہے۔ اور اس میدان میں دونوں ہم دوش نظر آتے ہیں۔ مثلاً غالب نے دردِ محبت کا مضمون یوں لکھا ہے ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے

مومن کہتا ہے ؎

مریضِ عشق پہ رحمت خدا کی — مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کعبے کی زیارت کے متعلق غالب نے یہ شعر کہا ہے ؎

کعبے کس مُنہ سے جاؤ گے غالب — شرم تم کو مگر نہیں آتی

مومن اسی مضمون کو اس طرح کہتا ہے ؎

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

شوقِ شہادت میں غالب نے کہا ہے ؎

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں — تُو ہی جب خنجر آزما نہ ہُوا

مومن نے بھی یہی مضمون اس طرح کہا ہے ؎

اوندھا ہوا آجا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر　　　کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر باندھ کر

محاکات (واقعہ نگاری) میں بھی دونوں کی قدرت بیانیہ قابلِ داد ہے۔ مثلاً

غالب کہتا ہے ؎

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر　کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

مومن کہتا ہے اور خوب کہتا ہے ؎

دیکھو بکھر بس ہو گیا جائیں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر

وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر

رشک کے مضامین غالب نے بہت تکلف سے کہے ہیں۔ مثلاً ؎

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں　　　ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے　　　میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

مومن نے یہ مضمون اس قسم کے تکلفات کو چھوڑ کر کہا ہے۔ اور خوب کہا ہے ؎

نوید اے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اسے ہم نے

ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہہ سہہ کر

تخیل کی بلند پروازی میں بھی مومن غالب سے کم نہیں۔ بعض جگہ تو اُن سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ مثلاً ؎

ہے ایک خلق کا خون سر پہ اشکِ خوں کے مرے

سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی!

ایسے اشعار جنہیں سحرِ حلال کہا جائے۔ غالب کے کلام کی طرح مومن کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً

غالب :-

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

سنبھلنے دے مجھے اے نا امیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

مومن :-

صبا نے اس کے کوچے سے اُڑا کر ؛ خدا جانے ہماری خاک کیا کی !

زندگانی کے ہمیں لالے پڑے ؛ ہائے کس بے درد کے پالے پڑے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ میدانِ غزل میں غالب اور مومن دونوں کی شہسواری قابلِ داد ہے۔ فلسفیانہ شاعری اور تصوف اور رندانہ شوخی مرزا غالب کا سرمایۂ کمال ہے۔ تغزل اور زبان کی صلاحیت اور محاورہ بندی اور بے تکلفی میں مومن کا کمال فوقیت رکھتا ہے۔ معنی آفرینی، نزاکتِ خیال، محاکات، رشک، درد محبت سوز و گداز اور تاثیر کلام میں دونوں برابر ہیں ؛

سوال :۔ اردو زبان کے محسنِ اعظم مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مرزا غالب نہ ہوتے۔ تو حالی اور اقبال بھی نہ ہوتے۔ اس بیان کی روشنی میں غالب کا اثر دوسرے شعراء پر وضاحت سے بیان کیجئے۔

جواب :۔

غالب کا اثر اردو شاعری پر

رشید احمد صاحب صدیقی کے ایک مقالے پر تنقید فرماتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں :۔

صدیقی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ غالب کی شاعری ایک حد تک صرف ہائے و ہو اور نائو نوش کی ترجمان ہے۔ یہ رائے ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلی ہے۔ جس نے اردو ادب کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ خود بھی ادیب ہے اور یونیورسٹی میں اردو کا پروفیسر ہے۔ اور اس لئے نہایت حیرت انگیز ہے۔

ناپسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ مرزا کی شاعری میں کوئی نیا پیغام نہیں ملتا کیا شکسپیر کی شاعری میں، جو سرتاج شعرائے عالم ہے۔ کوئی پیغام ملتا ہے؟ ایک نہیں۔ کئی کئی۔ یہی حال مرزا کی شاعری کا ہے۔ کیا کچھ کم ہے۔ کہ مرزا غالب نے اردو شاعری کو پستی سے نکال کر کہیں کا کہیں پہنچا دیا؟ غزل میں عام ردیف اور قید سے آزاد ہو کر نیا رنگ پیدا کیا۔ خیالات کی جدت، تخیل کی بلندی اور بیان کا لطف جو مرزا کے یہاں پایا جاتا ہے۔ وہ اردو کے کسی شاعر میں نظر نہیں آتا۔ میں ایسے کئی صاحبوں کو جانتا ہوں۔ جنہوں نے مرزا کے مختصر دیوان

میں وہ پیغام ملے ہیں۔ جو کسی دوسرے کے کلام میں کیا مذہب و اخلاق کی کتابوں میں
بھی نہیں ملے۔ اور ان پر مرزا کے کلام کا خاص اثر ہوا۔

میری ذاتی رائے ہے کہ اگر مرزا غالبؔ ہوتے۔ تو حالیؔ اور اقبالؔ بھی نہ
ہوتے۔ مرزا غالبؔ کا اثر شاعری پر عجیب و غریب ہوا ہے اور رہے گا۔ کیا بغیر
کسی پیغام کے یہ ممکن ہے ؟

یہی صدیقی صاحب غالبؔ کی نسبت ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔

غالبؔ کی گرفت مجھ پر اس لئے نہیں ہے کہ وہ بڑے شاعر تھے۔ بڑے
شاعر تو اور بھی ہیں۔ میں تو ان سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ اسلئے کہ وہ ایک عہد تھے
ایک مزاج۔ ایک علامت یا ایک عالم تھے۔ اور اس کے باوجود ہمارے آپ ہی
جیسے تھے۔ مجھ سے اگر پوچھا جائے۔ کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت نے کیا دیا۔ تو میں
بے تکلف یہ تین نام لوں گا۔ غالبؔ، اردو، اور تاج محل۔ یہ ہندوستان کی
تہذیبی پیداوار ہیں۔

غالبؔ نے غزل کو تہذیبی درجہ دیا۔ جس سے ہمارے اچھے سے اچھے شاعر
کو مفر نہیں۔ غزل اب اتنی صنفِ کلام نہ رہی جتنی وہ اردو کی تاثیر اور تقدیر
بن گئی ہے۔ غالبؔ نے نظم اور نثر دونوں کو دلیری بھی دی۔ اور دلبری بھی۔ غزل
کی تقدیر غالبؔ ہی نے متعین کی۔ اور اس کو ایسی فضا دی جہاں اردو کے تمام
ممکنات شعر و شاعری کو برگ و بار لانے کے سامان اور سہولتیں فراہم ہیں۔

آلِ احمد سرور لکھتے ہیں :۔

غالبؔ کی شاعری میں انسان اور ادب پہلی دفعہ بے سہارے کے اپنی
عظمت کے بل بوتے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ انہیں کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں ۔
اس لئے غالبؔ کا مطالعہ ہمارے اندر ایک وسعتِ نظر پیدا کرتا ہے ۔ وہ ہمیں

خمارِ رسوم و قیود سے آشنا کرتا ہے۔ انسانی شخصیت کی پُرپیچ راہوں میں روشنی دکھاتا ہے۔ ماضی پرستی سے روکتا ہے۔ انفرادیت سکھاتا ہے۔ زندگی کی تکلیفوں پر کڑھنے اور کراہنے کے بجائے ایک حوصلہ عطا کرتا ہے۔

مرزا غالب کے فلسفیانہ خیالات کی مقبولیت اور تاثیر نے بہت سے شعراء کو غالب ہی کے رنگ میں شعر کہنے پر مجبور کر دیا۔ اس میں صرف دہلی اسکول کے شاعر ہی شامل نہیں۔ بلکہ لکھنؤ اسکول نے بھی غالب کے کلام کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنالیا۔ قدیم طرز کی شاعری اپنی روایتی مقبولیت کھونے لگی۔ اور عوام میں ذہنی شعور اور تعلیم نے ترقی کی۔ تو مرزا کے اثر کا ہر طرف غالب آجانا یقینی تھا۔ بہتر قسم کی پیروی کرنے والوں میں جہاں حالی اور اقبال کا نام خاص ذکر کے قابل ہے وہاں اکبر الہ آبادی۔ یاس یگانہ اور اثر لکھنوی وغیرہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دورِ حاضرہ کے اکثر برگزیدہ شعراء غالب کی روش پر چلنے میں فخر کرتے ہیں۔ پامال، فرسودہ، عامیانہ، عریاں اور رکیک قسم کے مضامین کا اُردو غزل کو خیرباد کہہ جانا بہت حد تک غالب ہی کے کلام کا اثر ہے۔ غزل کے مضامین کا تنگ ظرفی سے نکل کر وسعتوں کی سرزمین میں قدم رکھنا غالب ہی کی وسیع النظری کا کرشمہ ہے۔

مرزا کی مقبولیت کا انحصار در حقیقت ایسے کلام پر ہے۔ جو ابتدائی پیچیدہ بیانی اور فارسیت سے پاک ہے۔ اس چیز کا اخذ بھی بعد کے شعراء پر نمایاں ہے چنانچہ مرزا کی پیروی کرنیوالوں میں کامیابی اور مقبولیت انہی شعراء کو نصیب ہوئی ہے۔ جو زبان کی صفائی اور بیان کی سلاست کے گُر کو سمجھ گئے ہیں۔ بخلاف اس کے جو شاعر اسی پرانی روش پر چلتے ہوئے ندرتِ خیال اور دقتِ بیان پر زور صرف کرتے رہے۔ وقت کے بدلے ہوئے مذاق اور رجحان نے ان کو

مقبولیت سے سرسبز مردم رکھا۔

مولانا حالی کے کلام پہ مرزا غالب کا کہاں تک اثر تھا۔ اور وہ غالب کے مقام کو کس احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے ۔ اس کا اندازہ ذیل کے دو چار اشعار سے بآسانی تمام ہو سکتا ہے ؎

مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب ۔۔۔ کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں؟
پست مضمون ہے نوحۂ استاد ۔۔۔ کس طرح آسماں پہ پہنچائیں؟
لیک کچھ کچھ سمجھ کو آئے ہیں ۔۔۔ اہلِ میت جنازہ ٹھہرائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم ۔۔۔ لوگ جو چاہیں ان کو ٹھہرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے ۔۔۔ ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت؟
خاک کو آسماں سے کیا نسبت؟

غالب کے مرغِ تخیل کی رسائی کہاں تک تھی۔ اس کو دیکھ دیکھ کر ڈاکٹر اقبال بھی حیران تھے۔ انہوں نے صرف حیران رہنے پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اپنی تخیل اور قوتِ بیان سے بھی وہی کام نکالے۔ جو غالب کا طغرائے امتیاز ہیں۔ غالب کو ایک قومی شاعر تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ان کی خودداری۔ جلوہیت۔ غیرت۔ استغنا اور بلند نظری نے حالی اور اقبال کی قومی شاعری کو ایک نہایت قیمتی سرمائے سے مالا مال کر دیا۔ غالب کے دردمند دل کی کیفیت حالی اور اقبال کے یہاں اکثر مقامات پر جھلک رہی ہے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کا جو اثر غالب پر ہوا۔ وہی اثر قومی تنزل کے سبب حالی اور اقبال پہ زیادہ نمایاں انداز میں نظر آتا ہے۔ غالب کے وقتوں میں تو گیسوئے اردو منت پذیر شانہ تھا ہی۔ حالی اور اقبال نے اپنے وقت میں بھی اس حقیقت کو محسوس کیا اور جی بھر کر اردو کی گیسو آرائی کی

سوال:۔ غالبؔ فقط غم و محبت ہی کے رازدار تھے۔ ان کا میدان شاعری نہایت وسیع ہے۔ اس رائے کی وضاحت کیجئے۔ اور ثبوت میں مثالیں بھی دیجئے۔

جواب:۔

غالبؔ کے مضامینِ شاعری

فلسفۂ عشق و محبت، تصوف اور رندانہ شوخی غالبؔ کی شاعری کے خاص میدان ہیں۔ اس قسم کے مضامین کی فراوانی اور ان کا حکیمانہ انداز مرزا کے کلام کا خاص جوہر ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں۔ کہ غالبؔ انسان کی باقی کیفیتوں سے آشنا نہیں تھے یا ان کی شاعری انہی مضامین تک محدود تھی۔ مرزا کی غزل میں وہ تمام عناصر کم و بیش پائے جاتے ہیں۔ جو غزل گوئی کے دائرے میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً معاملہ بندی، زہد و تقویٰ کی تضحیک، رندی، راز و نیاز شکایتِ زمانہ، اخلاق، خودداری، سوز و گداز، دردِ محبت، رشک، یاس و حرماں، حسرت و ارماں، آہ و فغاں، رقابت، صبر انتظار وغیرہ۔

رجائیت یعنی اُمید کے مضامین مرزا کے کلام میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزا کو قسامِ ازل نے ایک انتہائی دردمند دل دیا تھا۔ وہ زندگی کی اکثر مسرتوں اور نعمتوں سے محروم رہے۔ ان کی عمر کا آخری حصّہ تو خاص طور پر مصیبت اور تنگ حالی میں بسر ہوا۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ رنج و غم نے غالبؔ کو زندگی سے سراسر بیزار کر دیا تھا۔ یا

ان کے مزاج میں چڑچڑا پن آگیا تھا۔ بخلاف اس کے رنج و غم نے غالب کے دل میں انسانی ہمدردی کا ایک طوفان بند کر دیا۔ ان کا کلام انسانی ہمدردی کے جوہر سے لبریز ہے۔ صرف یہی نہیں۔ قدرت نے مرزا کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی شوخی بحد وافر ودیعت کی تھی۔ اس شوخی کے چھل بل ان کے اشعار اور خطوط میں جا بجا نظر آتے ہیں۔

اب ہم مرزا کے بڑے بڑے مضامینِ شاعری کی مثالیں مختلف عنوانوں کے تحت پیش کرتے ہیں۔

فلسفۂ عشق و محبّت:۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا ÷ اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم ÷ میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ ÷ عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے ÷ انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے؟

تصوّف:-

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں !

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستیٔ اشیاء مرے آگے

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا
یہ مسائلِ تصوّف یہ ترا بیان، غالبؔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا !

سُنا ہے کہ جس وقت یہ غزل مرزا نے بادشاہ کو سنائی۔ تو بادشاہ نے مقطع سُن کر کہا "بھئی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے" مرزا نے کہا "حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ میں اپنی ولایت پہ مغرور نہ ہو جاؤں"۔

خواہ کچھ بھی ہو۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مرزا نے اپنے اکثر اشعار میں تصوّف کے نہایت پیچیدہ اور دقیق مسائل بڑی خوبصورتی سے ادا کئے ہیں۔ یہ وصف ان کو اردو کے بیشتر شاعروں کی عام سطح سے بہت اونچا

لے جاتا ہے۔

رندانہ شوخی:-

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

واعظ، نہ تم پیو، نہ کسی کو پلا سکو — کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے — پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

پی جس قدر ملے شب مہتاب میں شراب — اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار — رکھ دیجیے پیمانۂ صہبا مرے آگے

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں؟ — گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا؟

معاملہ بندی (تغزل)

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا — پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی — بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟ — تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

اخلاق :-

بسکہ مشکل ہے کسی کام کا آساں ہونا — آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے — آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا — جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا — یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

سوز و گداز :-

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ — رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر — ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائیگا

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر؟ — پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف — آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یاس و حرماں:-

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ — کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ — ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا — اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا — وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ — ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

خودداری:-

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور — رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

درد منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم — اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

محاکات (واقعہ نگاری)

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر — کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں، دیکھیے، تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے — کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رَو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

رشک:-

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے :: میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف — عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں — ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

سوال :- کہتے ہیں کہ غالب کی ظرافت لطیف اور نظر فریب تھی - آپ کا مطالعہ اس نظریے کی کہاں تک تائید کرتا ہے؟

جواب :-

غالب کی ظرافت اور شوخی

مولٰنا حالی غالب کے کلام کی خصوصیات بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

تیسری خصوصیت کیا ریختہ میں اور کیا فارسی میں، کیا نظم میں اور کیا نثر میں باوجود سنجیدگی و متانت کے شوخی و ظرافت ہے - مرزا سے پہلے ریختہ گو شعرا میں دو شخص شوخی و ظرافت میں بہت مشہور گذرے ہیں - ایک سودا دوسرے انشاء مگر دونوں کی تمام شوخی و خوش طبعی، ہجو گوئی یا فحش و ہزل میں صرف ہوئی بخلاف مرزا غالب کے کہ انہوں نے ہجو یا فحش و ہزل سے کبھی زبانِ قلم کو آلودہ نہیں کیا -

مرزا غالب کی شوخی و ظرافت میں دلآزاری و چھچھورپن نام کو بھی نہیں - ہر جگہ لطافت ہی لطافت ہے - بعض اوقات تو معمولی استعداد کا آدمی کسی قدر غور و فکر کے بغیر سمجھ ہی نہیں سکتا - کہ مرزا کیا شگوفہ چھوڑ گئے -

شوخی و ظرافت کا وصف مرزا کے کلام تک ہی محدود نہیں - ان کی ساری زندگی اس وصف سے معمور ہے ہم تک سینکڑوں واقعات ایسے پہنچے ہیں - کہ مرزا کی طبعی شوخی پر دلالت کرتے ہیں - وہ شدید رنج و غم کے عالم میں بھی ہنس دیتے ہیں - ان کے آنسوؤں میں بھی ایک دلکش تبسم جھلکتا ہے - یہاں ہم ان کے کلام سے ضروری انتخاب پر اکتفا کرتے ہیں -

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر؟
بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر!

بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

کل کے لئے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ ؛ جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

کہاں میخانے کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ ؛ پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آئی ؛ اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

مرزا کے کلام میں لطیف اور نظر فریب شوخی و ظرافت کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مرزا کی شوخیٔ طبع نے ان کے کلام اور ان کی زندگی کو ایک فرحت بخش گلزار بنا رکھا ہے۔ ایسا گلزار جہاں ہر وقت بہار ہی بہار کی جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں۔

اوپر بیان کی گئی بعض مثالوں سے ایک اور چیز آپ پر روشن ہو جائیگی۔ وہ یہ کہ مرزا کی شوخی میں لطافت کے ساتھ ساتھ بے باکی بھی کچھ کم نہیں۔ اس بیباکی کو مرزا کی مذہبی آزادروی اور آزاد خیالی نے چار چاند لگا رکھے ہیں۔ غالب ظرافت کے پردے میں نہایت لطیف باتیں کہہ جاتے ہیں۔ بات سے بات پیدا کرنا کوئی ان سے پوچھے۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر شوخی و ظرافت کی بنیاد کسی خاص مقصد پر رکھی جائے۔ تو بات کی تاثیر اور رنگینی میں نمایاں فرق آجاتا ہے۔ مرزا کے یہاں ایسا معاملہ نہیں۔ اوّل تو ان کی شوخی و ظرافت کو خاص مقاصد نے داغدار ہی نہیں کیا۔ اور اگر کہیں کوئی مقصد درمیان میں ٹپک بھی پڑا ہے تو مرزا کی جادو بیانی نے اسے لطافت پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔

سوال :۔ کیا وجہ ہے۔ کہ غالب کے کلام کو اس کی زندگی میں زیادہ پسند نہیں کیا گیا۔ مگر جوں جوں وقت گذرتا جارہا ہے۔ اس کی مقبولیت بڑھتی ہی جارہی ہے؟

جواب :۔

غالب، شاعرِ مستقبل

مرزا غالب کا بہت سا کلام عام آدمیوں کے فہم سے بالاتر ہے۔ ان کی پیچیدہ بیانی اور نازک خیالی نے اکثر اشعار کو ہنسی مذاق کا سامان بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ مولینا آزردہ اور ذوق کے سے معاصرین کے علاوہ ان کے اپنے شاگرد بھی کئی مرتبہ مرزا کی ژولیدہ بیانی کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ اس کا ثبوت آپ کو خود مرزا کے کلام سے ملتا ہے ؎

اگر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

غالب کا ایک بہت دلکش شعر ہے ؎

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

مولانا آزردہ نے یہ شعر سنا تو بے اختیار داد دینے پر مجبور ہو گئے۔ مگر یہ کہہ کر داد میں بے داد کا رنگ بھر دیا کہ اس میں مرزا کی کیا خصوصیت ہے یہ تو خاص ہماری طرز کا شعر ہے۔

غالب نے اردو ادب کو ایسے ایسے جواہر پاروں سے مالا مال کیا ہے کہ ابھی ایک مدت تک ان کی آب و تاب میں کمی نہیں آسکے گی۔ لیکن ان کا اصل میدان فارسی تھا۔ اردو شاعری کی نسبت ان کے کلام میں اظہارِ تعلی کی کمی نہیں لیکن انہیں صحیح فخر اپنی فارسی شاعری پر ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ذوق سے یوں خطاب کرتے ہیں ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ　　بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است
راست می گویم ولے از راست سر نتواں کشید　　ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

یعنی میری رنگینیٔ طبع کا جوہر فارسی میں کھلتا ہے۔ تجھے اردو شاعری پہ ناز ہے۔ لیکن میں اردو میں شعر کہنے کو اپنے لئے باعثِ شرم جانتا ہوں۔

فارسیت اور پیچیدہ بیانی نے مرزا کے بعض اشعار کو بہت حد تک مہمل بنا دیا تھا۔ بعض اشعار ایسے تھے کہ ان میں معنی کھینا تا کوہ کندن و کاہ برآوردن والا معاملہ تھا۔ وقت کی رفتار نے ان اشعار کو قریب قریب ہمیشہ کے لئے پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اب عوام کے سامنے زیادہ تر ایسے اشعار آنے لگے ہیں۔ جو دقیق اور نازک خیالات کے لحاظ سے بے مثل ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ زبان کی الجھنوں سے پاک ہیں۔ یہ اشعار سحرِ حلال کا حکم رکھتے ہیں۔ اور ایک عالم کی توجہ اپنی طرف کھینچنے لگے ہیں۔

حضرت غالب اس حد تک جدت طراز واقع ہوئے تھے۔ کہ ان کے معاصرین کے لئے یکایک ان کی نئی طرز پر فریفتہ ہو جانا آسان نہیں تھا۔ اسی وجہ سے

کچھ نقادوں کا خیال ہے - کہ غالب درحقیقت بیسویں صدی کا شاعر تھا - مرزا
کو اس بات کا پورا پورا احساس تھا - چنانچہ وہ اپنے آپ کو اپنے ماحول میں ایک اجنبی
محسوس کرتے تھے ع

غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد

ایک اور جگہ صاف صاف کہتے ہیں ع

شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن

مرزا کے خیالات فلسفیانہ تھے - ان کے رموز فلسفیانہ تھے - یہاں تک کہ
اندازِ بیان بھی فلسفیانہ تھا - ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی اشاعت سے اس قسم کے
خیالات و رموز اور اندازِ بیان کے دلدادگان کی تعداد کا بڑھتے جانا قدرتی امر
ہے - مثال کے طور پر ذیل کے اشعار کو جس قدر اس روشنی کے زمانے میں پسند کیا جا
سکتا ہے آج سے سو پچاس سال پہلے اسی قدر پسند نہیں کیا جا سکتا تھا ؎

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی — چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے — چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس — از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

اب تو خیر سائنس دانوں نے ثابت کر دیا ہے - کہ سورج کی گرمی روز بروز گھٹتی
جا رہی ہے - لیکن غالب کے وقتوں میں لوگ اس حقیقت سے سراسر ناآشنا تھے -
ایسی حالت میں ان کے اس شعر کو کون پسند کرتا ؎

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام — مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ باد یاں

اس قسم کے مضامین اور خیالات نے غالب سے یہ حقیقت افروز بات کہلوائی تھی۔ ع

ہیں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں!

غالب ایک خوش نوا بلبل تھا۔ لیکن اس بلبل کا چمن ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ اب ہم اپنے وقت میں دیکھ رہے ہیں۔ کہ چاروں طرف اس بلبل خوش نوا کا چمن کھل رہا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں۔ غالب کا کلام ایک لازوال نعمت ہے۔ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے۔ اس کی قدر اور بڑھتی جاتی ہے۔ جبتک اردو زبان زندہ ہے۔ اس کے زندہ رہنے میں کلام نہیں۔ بلکہ اگر یہ نہ بھی رہے۔ تو بھی یہ کلام زندہ رہیگا۔ کیونکہ اس کا کمال محض الفاظ اور زبان پر منحصر نہیں۔ بلکہ ان قیود سے بالا و برتر ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ اور آئندہ سیکڑوں لکھی جائیں گی۔ اور فاضل شارح اس کے کلام کے سائے میں اپنی جدت اور ذہانت کے موقعے ڈھونڈینگے۔ اور بقائے نام کا وثیقہ سمجھینگے ؎

عشق و محبت کے پامال اور فرسودہ مضامین جو اردو شاعری کے آغاز سے پہلے شعراء کے لئے سرمایۂ حیات کا کام دے رہے تھے۔ غالب کے یہاں ان کا قحط ہے ایسے مضامین کی جگہ نئے نئے لطیف اور فلسفیانہ خیالات نے لے لی ہے۔ غالب کے وقتوں میں اس جدت کو بدعت سمجھا جا سکتا تھا۔ لیکن مذاق کی بہتری نے اس جدت کو اب سامانِ نازش و افتخار بنا دیا ہے۔ معمولی شد بد کے لوگ بھی مرزا کو جذبات نگار اور ترجمانِ حقیقت تسلیم کرنے لگے ہیں۔ کئی اصحاب ایسے بھی دیکھے گئے ہیں۔ جو غالب کے دیوان کو ایک مقدس کتاب سمجھتے ہیں۔ سلاست اور سادگی پر جان دینے والوں کے لئے بھی غالب کے یہاں کافی مواد مل جاتا ہے۔

سوال ۵:۔ غالب کے اکثر اشعار میں ان کی زندگی اور زندگی کے واقعات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مثالوں سے واضح کیجیے۔

جواب ۵:

کلامِ غالب میں واقعاتِ زندگی کی جھلک

اردو اور فارسی زبان کی شاعری میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ شاعر ایک عام اور مقبول روش پر چلتا ہوا اس بات سے لاپروا ہو جاتا ہے کہ اس کے اشعار اس کی اپنی زندگی اور اپنے عقائد و خیالات کے مطابق کہے جاتے ہیں یا ان کے خلاف۔ مثال کے طور پر ہمارے شعرا میں ایسے اصحاب کی کمی نہیں جو شراب کو بھول کر بھی ہاتھ نہیں لگاتے۔ لیکن مے و شراب اور خراب نوشی کے متعلق دفتروں کے دفتر اگلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ان شعرا کی تعداد بھی نامعقول حد تک کثیر ہے جو دن رات نازونعم کے ہنگاموں میں چور رہتے ہیں۔ لیکن شعر کہتے وقت مزدور کے دکھڑوں کے سوا انہیں اور کوئی مضمون سوجھتا ہی نہیں۔

شاعروں کا اپنے حالاتِ زندگی کے خلاف شعر کہنا ایک بہت عام بات ہے۔ دوسری عجیب چیز اس باب میں یہ ہے کہ اکثر شعرا اپنے کلام میں بسا اوقات قطعاً متضاد باتیں کہہ جاتے ہیں۔ غزل میں تو یہ چیز ایک مستقل بیماری کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ غزل میں تسلسل ضروری نہیں۔ مختلف خیالات نظم کرتے وقت مضمون کا اختلاف کبھی کبھی تضاد کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً ایک شعر میں محبوب سے

وصل کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ تو دوسرے شعر میں اپنی خودداری کی دھمکی دیکر ترک تعلقات کی تہدید اٹھا دی جاتی ہے۔ ایک بیت میں اپنے کئے پر پشیمانی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تو دوسری بیت میں ساری تکلیف کا باعث چرخ ناہنجار کو قرار دیا جاتا ہے ؎

ان حقائق کی روشنی میں کسی شاعر کے کلام سے اس کے سوانح حیات کا ترتیب دینا آسان کام نہیں بلکہ ایسی کوشش عام طور پر مضحکہ خیز باتوں پہ ختم ہوتی ہے۔

کچھ عرصہ ہوا پنڈت ہری چند اختر ایم۔ اے نے اپنے لاجواب انداز میں ثابت کیا تھا کہ اکثر مقالہ نگار کسی شاعر کے کلام سے اس کی زندگی کے واقعات مرتب کرنے فقط نہایت عجیب اور نامعقول غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

موصوف نے ایک انتہائی لطیف، رنگین اور پُر مطلب مثال کے طور پہ غالب کے کلام سے اس کی زندگی کے حالات پہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ ایک بار بچپن کے دنوں میں حضرت غالب اپنے ہمجولیوں کے ساتھ گلی کے موڑ پر کھیل رہے تھے اتفاق سے اُدھر مجنوں صاحب نکلے۔ اب کیا تھا۔ بچوں نے دہائی مچا دی لگے مجنوں پہ آوازے کسنے۔ کسی نے غریب کی ٹانگ پکڑ لی۔ کسی نے اس کے کپڑے کو پھاڑ دیا۔ کوئی اس کو گالیاں بکنے لگا۔ اور کوئی اس پہ پتھر پھینکنے لگا۔ غالب سے بھی نہ رہا گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک بڑا سا پتھر اٹھایا۔ اور مختلف زاویوں سے مجنوں کے سر کو نشانہ بنانے کی سوچنے لگا۔ لیکن قدرت نے غالب کو ایک حساس طبیعت اور دور اندیش دل عطا کیا تھا۔ اس لئے اس نے وہ پتھر واپس زمین پہ رکھ دیا۔ مجنوں کے سر پہ نہ مارا۔ اس واقعہ کا ثبوت خود غالب کے اس شعر سے ملتا ہے ؎

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

علی ابن ابی عباس

غرض اس قبیل کے اشعار سے شاعر کی زندگی یا اس کے عقیدوں کا کھوج لگانا صرف یہی سے بے کار ہے۔ تخیل کے کرشموں کو عقائد و خیالات کی نسبت معنی خیز اشارے خیال کرنا وہم اور حقیقت کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔

اس بحث کے باوجود ماننا پڑے گا کہ کسی شاعر کے کلام میلان سے اس کی زندگی کے متعلق کچھ نہ کچھ پتہ چل ہی جاتا ہے۔ بعض اشعار تو صاف بتا دیتے ہیں۔ کہ ہم صحیح زندگی کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کے شعر کو دیکھئے:-

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ شاعر کسی بیکار تخیل سے کام نہیں لے رہا۔ ہو سکتا ہے کہ سو پشت کی بجائے ۹ پشت یا دو پشت زیادہ صحیح ہو۔ لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہ غالبؔ کے آباد اجداد بھیڑ بکریاں پالتے ہوں اور اس نے انہیں خواہ مخواہ لشکری بنا دیا ہو۔

ایک شاعر کی زندگی جس ماحول میں بسر ہوتی ہے۔ اس کا اثر کسی حد تک اس کے کلام پر ضرور پڑتا ہے چنانچہ کلام میں زندگی کی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور نظر آ جاتی ہے۔ قرائن سے صحیح قیاس آرائی میں کافی مدد ملتی ہے۔ مثلاً اگر کسی شاعر کے یہاں یاس و حرماں اور رنج و غم کے مضامین کی بھرمار ہے۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کی زندگی عیش و نشاط اور خوشگوار واقعات سے ایک حد تک محروم رہی ہے۔ اسی طرح اگر کلام میں جا بجا طبیعت کی شوخی اور بیباکی پائی جائے۔ تو ضروری ہے۔ کہ زندگی کے واقعات بھی اسی شوخی اور بیباکی سے

اثر پذیر ہوتے رہے ہوں گے۔ مرزا غالب کی شوخ نگاری اس نظریے کی تائید کرتی ہے۔

مرزا کا مشہور شعر ہے ؎

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم ؛ الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

اس سے ان کی غیرت اور خوددار طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ واقعہ یاد آجاتا ہے۔ کہ جب غالب نے خاطر خواہ استقبال نہ ہونے کے باعث ملازمت کا خیال ترک کر دیا۔

ہم غالب کے بڑے بڑے مضامین شاعری کے تحت ایک مضمون میں بہت سی مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ ان مثالوں سے غالب کے عقائد کی نسبت بہت کچھ واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے فلسفۂ عشق و محبت، رندی، شوخی، ظرافت، درد و یاس اور بلند نظری کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان مثالوں کو غور سے دیکھو تو غالب کی زندگی سرسری طور پر نظروں کے سامنے پھر جائے گی۔

مرزا فرماتے ہیں ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ؛ ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن، اسدؔ ؛ سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا!

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر ؛ دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

ان اشعار کو غالب کی زندگی کا آئینہ کہا جا سکتا ہے۔ ان کے کلام میں آپ کو ایسے سینکڑوں شعر ملیں گے۔ جو ان کی بابت بہت اہم باتوں کا پتہ

لیتے ہیں۔ ہمعصروں کی طعن و تعریض کے جواب میں مرزا نے جو کچھ کہا ہے۔ اس سے ان کے تحمل، بردباری، متانت، بیباکی اور علمی وسعتوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایسے اشعار جو موت کی آرزو اور تنگ حالی کے مضامین پر دار و مدار رکھتے ہیں۔ مرزا کے عام مصائب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مرزا کو شطرنج کھیلنے کا بڑا شوق تھا۔ ذیل کا مصرع اس شوق پر دلالت کرتا ہے ؎

ایڑی ہی دے کے ہم نے بچایا ہے کشت کو

مرزا کے کلام میں بیجا خوشامد اور ہجو و فحش کا کال ہے۔ اس سے بھی ان کے عادات و خصائل سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

یک بار مرزا قمار بازی کے الزام میں دھر لیے گئے تھے انہیں تین ماہ تک جیل کی ہوا کھانی پڑی تھی ممکن ہے کہ یہی دردناک واقعہ ذیل کے اشعار کا باعث بنا ہو ؎

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں ؛ ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا؟

احبابِ چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے ؛ زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

غالب کو ایک بار پنشن کی بحالی کے لئے کوشش کرنے کے سلسلہ میں کلکتہ بھی جانا پڑا۔ لیکن ناکام واپس آئے۔ اسی سفر میں انہیں بنارس اور لکھنؤ دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔ اس کا ذکر ذیل کے شعروں میں دیکھئے ؎

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ؛ ہوسِ سیر و تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو
مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر ؛ عزمِ شہرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو
لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب ؛ جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

مرزا کے قطعات اور قصائد وغیرہ کو دیکھیں۔ تو وہاں ان کی زندگی کہیں

زیادہ جھلکتی ہوئی ملیگی۔ اگرچہ غزلوں میں بھی شاعر اپنی حقیقت کو چھپا نہیں سکتا۔ تاہم قطعات، رباعیات، مثنویات، قصائد اور دیگر اصنافِ سخن میں یہ حقیقت عام طور پہ اور بھی روشن اور واضح ہوجاتی ہے۔ مرزا کے قطعات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حکمرانِ وقت سے ان کے تعلقات کیسے تھے۔ آموں سے رغبت۔ بیسنی روٹی کا شوق اور ایسی ہی بیسیوں باتوں کا پتہ مرزا کے متفرق اشعار سے چل جاتا ہے۔ ان کے مشہور سہرے اور معذرت کے اشعار میں بھی کئی حقیقتوں کا پرتو نظر آتا ہے۔

غالب کے خطوط تو خاص طور پہ اس کی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ اس بحث کے لئے اگلا مضمون دیکھئے۔

غالب کی اُردو نثر

غالب کی اُردو نثر کو اردوئے معلیٰ کہا جاتا ہے۔ اس کی تقلید آج تک کسی سے نہیں ہو سکی۔ اردوئے معلیٰ کے متعلق آپ سے کئی قسم کے سوالات دریافت کئے جا سکتے ہیں مثلاً

ا۔ ثابت کیجئے کہ مرزا غالب کے خطوط سے انکی سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے۔

ب۔ مرزا غالب کی نثر عجب نرالی ہے۔ اس کی خصوصیات بیان کریں۔

ج۔ غالب کے خطوط سے ظاہر ہے کہ ظرافت اس کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ مثالیں دیجئے۔

د۔ غالب کی حیثیت اُردو نثر نگار ہونے میں کیا ہے؟

اس قسم کے متعدد سوالوں کا جواب آپ کو ذیل کے مضمون میں مل جائے گا۔ جو مولینا حالی کی لاجواب تصنیف یادگارِ غالب سے منتخب کیا گیا ہے۔

اردوئے معلیٰ

مرزا کی اردو نثر میں زیادہ تر خطوط و رقعات ہیں۔ چند تقریظیں[1] اور دیباچے ہیں۔ اور تین مختصر رسالے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز ان کے خطوط ہیں۔ جن میں سے زیادہ تر اردوئے معلیٰ میں اور اس سے کم عود ہندی میں جمع کر کے چھپوائے گئے ہیں۔ مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔ نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا۔ اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری تقلید ہو سکی۔ انہوں نے القاب و آداب کا پرانا اور فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتیں، جن کو متوسلین نے لوازم نامہ نگاری میں سے قرار دے رکھا تھا۔ مگر در حقیقت فضول اور دور از کار تھیں، سب اڑا دیں۔ وہ خط کو کبھی میاں، کبھی برخوردار، کبھی بھائی صاحب، کبھی مہاراج، کبھی کسی اور مناسب لفظ سے آغاز کرتے ہیں۔ اس کے بعد مطلب لکھتے ہیں۔ اور اکثر بغیر اس قسم کے الفاظ کے سرے ہی سے مدعا لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔

ادائے مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے۔ جیسے دو آدمی بالمشافہ[2] بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً ان کو یہ لکھنا تھا کہ محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گزرا۔ میں نے پوچھا کہ لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ اس نے کہا۔ ابھی نہیں ہوئیں۔ میں نے پوچھا، کیا آج نہ جائیں گی؟ اس نے کہا۔ آج ضرور

---

[1] تقریظ، کسی تحریر پر رائے دینا۔

[2] آمنے سامنے

جائیں گی سواری تیار ہو رہی ہے"۔ اس مطلب کو انھوں نے اس طرح ادا کیا ہے "محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ یعنی محمد علی بیگ۔ لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں۔ حضرت ابھی نہیں۔ کیا آج نہ جائیں گی؟ آج ضرور جائیں گی۔ تیاری ہو رہی ہے"

بعض جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے اس کو غائب فرض کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ مرزا کے اندازِ بیان سے واقف نہیں۔ وہ اس کو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً میر مہدی کو لکھتے ہیں "میر مہدی! جیتے رہو۔ آفرین! صد ہزار آفرین۔ اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ نکالا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا ہے۔ سنو۔ دلّی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطے میں گئی ہے۔ یہ طرزِ عبارت خاص میری دولت تھی۔ سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا۔ مگر میں نے اس کو بحل کیا۔ اللہ برکت دے"۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں ایک ظالم سے مراد خود میر مہدی مجروح ہیں۔

مرزا کی طرزِ تحریر کی جو خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ اس کی پیروی نہ کر سکیں۔ مگر وہ چیز جس نے ان کے مکاتبات کو ناول (NOVEL) اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔ وہ شوخیٔ تحریر ہے جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی۔ جیسے ستار کے تار میں سُر بھرے ہوتے ہیں۔ اور قوتِ متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلّاق ہے۔ اس کو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوتِ پرواز کو طائر کے ساتھ۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرزا خط لکھنے کے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے۔ کہ مکتوب الیہ اس کو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبہ کا مکتوب الیہ ہوتا تھا۔ اسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیاں

کرتے تھے۔ مثلاً نواب امیر الدین احمد خاں کو جو اب رئیس لوہارو ہیں۔ ان کے بچپن کے زمانے میں ان کے رقعے کا جواب جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا اس طرح لکھتے ہیں: "اے مردم چشم جہاں بین غالب! پہلے لفظ غالب کے معنی سمجھ لو۔ یعنی چشم جہاں بین غالب کی پتلی۔ چشم جہاں بین تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین احمد خاں بہادر، اور پتلی تم۔ میاں تمہارے دادا تو نواب امین الدین خاں بہادر ہیں۔ میں تو صرف تمہارا دلدادہ ہوں"۔

ایک دوست کو رمضان میں خط لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں "دھوپ بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں۔ مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا کبھی حقہ پی لیا۔ کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا کھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب فہم رکھتے ہیں۔ میں تو روزہ بہلاتا ہوں۔ اور یہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے"۔

ایک خط میں برسات کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دیوان خانے کا حال محل سرائے سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ فقدانِ راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہو گئی ہے۔ ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے"۔

ایک دفعہ کثرتِ اخراجات سے تنگ آ کر بعض ضروری خرچ بند کر دیئے تھے۔ یہاں تک کہ شراب پینا بھی چھوڑ دیا ہے۔ نواب علاؤ الدین خاں نے اپنے والد کے اشارے سے اس کا سبب دریافت کیا ہے۔ اور مولوی حمزہ خاں کی طرف سے بطور نصیحت کے مرزا صاحب کو یہ شعر لکھا ہے ؎

"چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو" الخ

اس کا جواب اس طرح لکھتے ہیں: "بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں ہے کہ ادھر متھرا داس سے قرض لیا۔ ادھر درباری مل کو جا مارا۔ ادھر

خوب چند چین سکھ کی کوٹھی جا لوٹی۔ ہر ایک کے پاس تمسک مہری موجود۔ شہد لگاؤ اور چاٹو۔ نہ مول نہ سود۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل بھیا کے سر۔ باایں ہمہ کبھی خان نے کچھ دیدیا۔ کبھی الور سے کچھ دلوا دیا۔ کبھی ماں نے کچھ آگرے سے بھیجدیا۔ اب میں اور باسٹھ روپے آٹھ آنے کلکٹری کے، سو روپے رامپور کے، قرض دینے والا ایک میرا مختار کار، وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے مول میں قسط اس کو دینی پڑے۔ انکم ٹیکس جدا۔ چوکیدار جدا۔ سود جدا، مول جدا، بی بی جدا، بچے جدا، شاگرد پیشہ جدا۔ آمد وہی ایک سو باسٹھ، تنگ آگیا۔ گزارا مشکل ہوگیا۔ روزمرہ کا کام بند رہنے لگا۔ سوچا کہ کیا کروں کہاں سے گنجائش نکالوں؟ قہر درویش بجان درویش۔ صبح کی تبرید متروک، چاشت کا گوشت آدھا، رات کی شراب و گلاب موقوف۔ بیس بائیس روپیہ مہینہ بچا۔ روزمرہ کا خرچ چلا۔ یاروں نے پوچھا۔ تبرید و شراب کب تک نہ پیو گے؟ کہا گیا۔ کہ جب تک وہ نہ پلائیں گے۔ پوچھا کہ نہ پیو گے۔ تو کس طرح جیو گے؟ جواب دیا۔ کہ جس طرح وہ جلائیں گے۔ بارے مہینہ پورا نہیں گزرا تھا کہ رامپور سے علاوہ وجہ مقرری کے اور روپیہ آگیا۔ قرض مقسط ادا ہوگیا۔ متفرق رہا خیر رہو۔ صبح کی تبرید۔ رات کی شراب جاری ہوگئی۔ گوشت بھی پورا آنے لگا۔ چونکہ بھائی نے وجہ موقوفی اور بحالی پوچھی تھی۔ ان کو یہ عبارت پڑھا دینا۔ اور حمزہ خاں کو بعد سلام دعا کہنا "

ایک خط میں تعلقات خانہ داری کی اس طرح شکایت کرتے ہیں:۔ "سنو! عالم دو ہیں۔ ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں۔ لیکن یوں بھی ہوا ہے۔ کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیجکر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں

رجب ۱۲۱۲ه میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا (یعنی پیدا ہوا) تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ساتویں رجب ۱۲۲۵ه کو میرے واسطے حکم دوام حبس (یعنی نکاح) صادر ہوا۔ ایک بیڑی[1] میرے پاؤں میں ڈال دی۔ اور دِلّی شہر کو زنداں مقرر کیا۔ اور مجھے اس زنداں میں ڈال دیا۔ فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایانِ کار مجھے کلکتے سے پکڑ لائے۔ اور پھر اسی مجلس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا۔ کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو ہتھکڑیاں[2] اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخم دار۔ مشقتِ مقرری اور مشکل ہو گئی۔ طاقت یک قلم زائل ہو گئی۔ بے حیا ہوں۔ سال گذشتہ بیڑی کو زاویہ زنداں میں چھوڑ مع دونوں ہتھکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ۔ مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا۔ کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا۔ کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں گا کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی دیکھئے کہ کب صادر ہو! ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اس ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بعد نجات سیدھا عالمِ ارواح کو چلا جاؤں گا۔

ایک خط مرزا حاتم علی بیگ مہر کو ان کی محبوبہ چنا جان کی تعزیت میں لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ:—

آپ کا غم افزا نامہ پہنچا۔ یوسف علی خاں عزیز کو پڑھوا دیا۔ اُنہوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا۔ یعنی اس کی اطاعت اور

---

[1] بیڑی سے مراد اہلیہ اور ہتھکڑیوں سے مراد حسین علی خاں اور باقر علی خاں ہیں جن کو مرزا نے ان کے والد زین العابدین خاں کی وفات کے بعد خود فرزند معنوی کی طرح پرورش کیا۔

تمہاری اس سے محبت، سخت ملال ہوا۔ سنو صاحب! شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں، یہ تین آدمی تین فن میں سرِ دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے، کہ فردوسی ہو جائے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے، کہ مجنوں کی ہمطرحی نصیب ہو۔ لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی۔ تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اس سے بڑھ کر ہوئے۔ کہ لیلیٰ اپنے گھر میں، اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں۔ جس پہ مرتے ہیں۔ اس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عمر بھر میں میں نے بھی ایک کو مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے۔ اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخمِ مرگِ دوست کھائے ہوئے ہیں۔ مغفرت کرے۔ چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ باآنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے بیگانۂ محض ہو گیا ہوں لیکن کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گذرتی ہوگی۔ صبر کرو اور ہنگامۂ عشقِ مجازی چھوڑ دو۔

ایک اور خط مرزا صاحب موصوف کو اسی چنیا جان کی تعزیت میں اس طرح لکھا ہے "مرزا صاحب! ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالمِ رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشدِ کامل نے یہ نصیحت کی تھی۔ کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں، ہم مانعِ فسق و فجور نہیں، پیو، کھاؤ، مزے اڑاؤ۔ مگر یہ یاد رہے۔ کہ مصری کی مکھی بنو۔ شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک افشانی کہاں کی مرثیہ خوانی؟ آزادی کا شکر بجا لاؤ۔ غم نہ کھاؤ۔ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چنیا جان نہ سہی منیا جان سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں۔ کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر ملا۔ اور ایک حور ملی۔ اقامت جاودانی

ہے۔ اور اس ایک نیک بخت کیا لطف زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائے گی۔ طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی وہ زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ۔ چشم بددور، وہی ایک حور۔ بھائی ہوش میں آؤ۔ کہیں اور دل لگاؤ۔"

الغرض مرزا کے خطوط و رقعات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے جن میں اس قسم کی ظرافت اور ہنسی کی باتیں مندرج نہ ہوں۔ یہاں تک کہ رنج و افسردگی کا بیان بھی اس قسم کی چھیڑ سے خالی نہیں ہوتا۔

منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہیں: "بھائی صاحب! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا۔ یعنی منگل کے دن ۱۸ ربیع الاول کو شام کے وقت میری پھوپھی کہ میں نے بچپن سے آج تک اس کو ماں سمجھا تھا اور وہ بھی مجھ کو بیٹا سمجھتی تھی مر گئی۔ آپ کو معلوم رہے کہ پرسوں میرے گویا نو آدمی مرے۔ تین پھپھیاں اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا۔ یعنی اس مرحومہ کے ہونے سے میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں۔ اور اس کے مرنے سے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج یک بار مر گئے۔"

مرزا قربان علی بیگ سالک کو خط میں لکھتے ہیں: "یہاں خدا سے بھی توقع نہیں، مخلوق کا کیا ذکر۔ کچھ بن نہیں آتی۔ اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے جو دکھ مجھے پہنچتا ہے کہتا ہوں کہ لو غالب کے ایک اور جوتی لگی۔ بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں ہے۔ اب قرضداروں کو جواب دے۔ سچ تو یوں ہے کہ غالب کیا مرا، بڑا ملحد مرا، بڑا کافر مرا۔ ہم نے از راہِ تعظیم (جیسا کہ بادشاہوں کو بعد ان کے جنت آرام گاہ و عرش

نشین خطاب دیتے ہیں) چونکہ یہ اپنے کو شاہِ قلمروِ سخن جانتا تھا، سقرِ[1] مقر اور لعنت[2] وسیلہ کو یہ خطاب تجویز کر رکھا ہے "نجم الدولہ بہادر! ایک قرضدار کا گریبان میں ہاتھ ایک قرضدار بھوگ[3] سنا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں: اجی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے اوغلان صاحب! آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے۔ کچھ تو اکسو، کچھ تو بولو۔ بولے کیا بے حیا، بے عزت کوٹھی سے شراب، گندھی سے گلاب، بزاز سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، صراف سے دام قرض لیے جاتا ہے۔ یہ تو سوچا ہوتا۔ کہاں سے دوں گا۔"

بعض خطوں میں یاس و حسرت و افسردگی اور دنیا کی بے ثباتی و بے اعتباری کا بیان نہایت مؤثر طریقے میں کیا ہے۔ جس سے ان کے خیالات معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً

ایک خط میں منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں "تم مشقِ سخن کر رہے ہو۔ اور میں مشقِ فنا میں مستغرق ہوں۔ بوعلی سینا کے علم اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا، اور مسلمانوں میں نبی ہوا تو کیا۔ دنیا میں نام آور ہوئے تو کیا۔ اور گمنام جیے تو کیا۔ کچھ معاش ہو۔ کچھ صحت جسمانی۔ باقی سب وہم ہے۔ اے یارِ جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے۔ مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے۔ اور یہ وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گذر جاؤں۔ عالمِ بیرنگی میں گذر پاؤں۔ جس سناٹے میں ہوں۔ وہاں تمام

---

[1] جس کے قرار یا خلوت کا مقام دوزخ میں ہو [2] لعنت ملامت کرنا ؛

عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیئے جاتا چلا
یہ دریا نہیں ہے۔ سراب ہے۔ ہستی نہیں پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے
شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور ہوئے۔ ان کو شہرت سے کیا
حاصل ہوا کہ ہم تم کو ہوگا۔

مرزا نے بعض اردو خطوط میں اور خاص کر اردو تقریظوں میں مسجع[1] عبارت
لکھنے[2] کا التزام کیا ہے۔ مگر یہ معلوم رہے۔ کہ مقفیٰ عبارت مرزا خاص کر ان خطوط میں
لکھتے تھے جن سے ہنسی، ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا۔ ورنہ
واقعات کا بیان یا مصائب کا ذکر یا تعزیت یا ہمدردی کا اظہار ہمیشہ سیدھی سادی
نثر عاری میں کرتے تھے۔ مثلاً سید یوسف مرزا کو ان کے باپ کی تعزیت
یوں لکھتے ہیں :-

" یوسف مرزا! کیونکر تجھ کو لکھوں کہ تیرا باپ مر گیا۔ اور اگر لکھوں تو آگے
کیا لکھوں کہ اب کیا کرو۔ مگر صبر۔ یہ ایک شیوۂ فرسودۂ ابنائے روزگار ہے۔
تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں۔ اور یہی کہا کرتے ہیں۔ صبر کرو۔ ہائے ایک کا کلیجہ
کٹ گیا ہے اور لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ۔ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا۔ صلاح اس
امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں۔ پہلے بیٹا مرا۔ پھر
باپ مرا۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے سر و پا کس کو کہتے ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ
یوسف مرزا کو۔ تمہاری دادی لکھتی ہیں۔ کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا۔ اگر یہ بات
سچ ہے تو جوانمرد ایک بار دونوں قیدوں سے چھوٹ گیا۔ نہ قید حیات رہی
نہ قید فرنگ" ؛

---

[1] جس میں سجع یعنی وزن یا قافیہ ہو۔ [2] جس میں قافیہ ہو ؛

اُنھیں کو بیٹے کی تعزیت اس طرح لکھتے ہیں:-

اے میری جان اے میری آنکھو!

ز ہجران طفلے کہ در خاک رفت   چہ نالی کہ پاک آمد و پاک رفت

وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لے کر آیا تھا۔ یہاں رہ کر کیا کرتا؟ ہرگز غم نہ کرو۔ اور اگر ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے۔ تو ابھی تم خود بھی بچے ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اولاد و بہت۔ نانا۔ نانی کے مرنے کا ذکر کیوں کیا کرتے ہو۔ وہ اپنی اجل سے مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا۔ بنی آدم کی میراث ہے لیکن تم یہ چاہتے تھے۔ کہ وہ اس عہد میں ہوتے۔ اور اپنی آبرو کھوتے۔ سچ ہاں مظفر الدولہ کا غم منجملہ واقعات کربلا کے متعلق ہے۔ یہ داغ جیتے جی نہ مٹے گا۔

اس کتاب کا فی الحال ایک ہی ایڈیشن میسر ہے۔ صفحہ 67 پہ مقدمہ ختم ہوتا ہے پھر اصل شرح صفحہ 17 سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی شروع کے 16 صفحات غائب ہیں۔ پڑھنے والے تمام احباب سے گزارش ہے کہ اگر کسی کے پاس اس کا کوئی ایڈیشن ہو اور وہ مکمل ہو تو اس کی مدد سے اس میں ترمیم کر کے مطلوبہ صفحات شامل کر دیں یا مجھے مطلع فرمائیں۔

رابطہ نمبرز

+92 303 5054101
+92 311 5929589

۹۔ کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

تشریح :۔ ہماری بدقسمتی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ہماری قسمت میں موت بھی نہیں رہی۔ جب ہم نے مرنا چاہا تو ہماری قسمت نہیں رہی اب کس سے اپنی محرومیٔ قسمت کی شکایت کریں

۱۰۔ مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالبؔ

ناتوانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

۔دم عیسیٰ۔ عیسیٰ مسیح کی پھونک جس سے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں

تشریح :۔ جب مسیحا نے آکر اپنی پھونک سے مجھے زندگی بخشنی چاہی تو ویسا بھی نہ ہو پایا۔ جب کہ انہوں نے پھونک ماری تو میں اپنی ناتوانی و کمزوری کی وجہ سے اس پھونک کو بھی برداشت نہ کر سکا اور مسیحا کے ہونٹ کا ہلنا ہی غالبؔ کے لئے مہلک ثابت ہوا۔

۸

۱۔ سنا لُٹیں گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا

وہ اک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاق نسیاں کا

تشریح :۔ زاہد بہشت کے جس باغ کی اتنی تعریف کر رہا ہے اس کی وقعت ہم بے خودوں کی نظر میں صرف اتنی ہی ہے جتنی کہ اس گلدستہ کی جسے ہم طاق پر رکھ کر بھول جائیں۔

بیاں کیا کیجیے بیدادِ کاوش ہائے مژگاں کا

کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا

کاوش۔ کاوش۔ چھیدنا۔ مژگاں۔ پلکیں مرجان۔ سرخ رنگ کا مونگا

تشریح :۔ یار کی تیر جیسی پلکوں کی کاوشوں کا کیا کہوں۔ وہ میرے خون کے ایک ایک قطرہ کو چھید رہی ہیں گویا کہ یہ قطرے خون کے نہ ہو کر مونگے ہوں اور پلکیں سوئی کا کام کر کے ان مونگوں کی تسبیح بنا رہی ہیں۔

۳۔ نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو

لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

سطوت۔ دبدبہ۔ رعب نیستاں۔ وہ جگہ جہاں پر نے کی نلکیاں اگتی ہیں

تشریح :۔ اس ستمگر کا رعب بھی میری آہ و زاری اور فریاد کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ جب میں نے رحم کے طلب کرنے کو دانتوں میں تنکا دبایا تو اس میں سے بھی فریاد نکلنے لگی یعنی رحم کی بھیک مانگنے کی کوشش کی تو منہ میں لیا ہوا تنکا بھی بجائے رحم کی درخواست کے آہ و زاری کرنے لگا۔

۴۔ دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے

مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

تشریح :۔ اگر زمانے نے مجھے مہلت دی تو میں دکھا دوں گا کہ میرے دل کا ہر داغ چراغوں کے سرو کا بیج ہے یعنی میرے دل کے ایک ایک داغ سے اتنی چنگاریاں نکلیں گی کہ ایک ایک داغ سے نکلنے والی چنگاریاں سرو کا درخت بن گی

۵۔ کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے

کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا

تشریح :۔ سورج کی روشنی جو حال شبنم کا کرتی ہے وہی حال تیرے حسن کی آب و تاب نے شیشہ کے مکان کا کیا۔ جس طرح آفتاب کی روشنی

کے آگے شبنم نہیں ٹھہر سکتی اسی طرح تیرے جلوؤں کے آگے آئینوں کی چمک دمک اڑ گئی۔

۶۔ مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

ہیولا برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

ہیولا۔ مادہ جس سے کچھ تعمیر ہوتا ہے۔ خرابی ۔ بربادی۔

تشریح:۔ میری تعمیر میں ہی میری بربادی چھپی ہے۔ میں وہ کسان ہوں جس کے خون کی گرمی (جس پر کہ زندگی کا دار و مدار ہے) ہی اس کے آشیانہ پر پڑنے والی خاکستر بجلی کا سامان ہے۔

۷ اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشہ کر

مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

تشریح:۔ ویرانی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھ! تیرے سبب میرے گھر میں چاروں طرف گھاس اُگ آئی ہے۔ چونکہ گھر میں ویرانی ہے اس لئے باہر سے کوئی آدمی تو اندر آنے سے رہا جس کی وجہ سے دربان بیکار ہو گیا مگر اس نے بجائے باہر والوں کو اندر آنے سے روکنے کے (اس کا تو موقعہ ہی نہیں رہا) گھر میں اُگی ہوئی گھاس کو ہی اکھاڑ باہر پھینکنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ آخر اسے کچھ تو کام کرنا ہے۔

۸۔ خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں

چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

تشریح:۔ میری خاموشی میں لاکھوں آرزوئیں خون ہو کر چھپی پڑی ہیں۔ میں تو اس بجھے ہوئے خاموش چراغ کی طرح ہوں جو کسی پردیسی یا مسافر کی قبر پہ

پڑا ہو۔ یعنی جس طرح قبر کے اندر کوئی دفن ہو اور اس کے باہر دیا پڑا رہتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح میرے اندر میری آرزو ئیں کی قبر پڑی ہے۔

۹۔ ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

تشریح :۔ ابھی تک میرے محبوب کی یاد کا عکس میرے دل پر متصور ہے یعنی اس کے حسن کا پرتو باقی ہے۔ مانو میرا دل اس اداس کوٹھری کی طرح ہے جس میں یوسف قید رہا جس طرح یوسف کے نکل جانے کے بعد بھی اس کوٹھری کے دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ اس میں کوئی حسن والا قید رہا ہے اسی طرح میرے دل کو دیکھنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس میں بھی کوئی حسن والا رہ چکا ہے۔

۱۰۔ بغل میں غیر کی آج آپ سوئے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

تشریح :۔ میرے خواب میں آکر جو تم زیر لب مسکرا رہے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم آج کہیں غیر کی بغل میں سو کر آئے ہو اور مجھ پر مسکرا رہے ہو ورنہ میرے سامنے تمہارا مسکرانا غیر ممکن ہے۔

۱۱۔ نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

تشریح :۔ تیری پلکوں میں آنسو کا آنا عشاق کے لئے قیامت سے کم نہیں۔ نہ جانے تجھے اس حالت میں دیکھ کر کتنوں کا خون ہوا ہوگا معشوق کا رونا عاشق کی برداشت سے باہر ہے۔

۱۲۔ نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

تشریح:۔ غالبؔ کہتے ہیں فنا کی راہ ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے کیونکہ دنیا کے بکھرے ہوئے جتنے بھی اجزا ہیں سب کے سب کو ایک ہی لڑی میں پرونے کا کام یہ فنا ہی کرتی ہے۔

۱۱

۱۔ محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

تشریح:۔ اس دنیا میں جو تو عالم حقیقت پر پردہ پڑا دیکھتا ہے اصل میں وہ ایک ساز کا پردہ ہے جس میں سے ہر وقت نغمے نکل رہے ہیں جو کہ حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں اور تو خود ہی اس ساز میں سے نکلنے والے نغموں کے راز سے نا آشنا ہے۔

۲۔ رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا

تشریح:۔ جب محبوب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو سستی کی وجہ سے اس کے چہرہ کا اڑا ہوا رنگ بہار کی صبح کا نظارہ دیتا ہے۔ اور جس طرح صبح کا وقت پھولوں کے کھلنے کا ہے اسی طرح یہ صبح کا وقت محبوب کے جاگنے کا ہے جب کہ محبوب خواب ناز سے اٹھتا ہوا بہار کی طرح ناز و ادا کے پھول کھلاتا ہے۔

۳۔ تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

تشریح :۔ تو رقیب کی طرف تو پُر محبت تیز نظروں سے دیکھ رہا ہے اور مجھے یہ دیکھ کر رشک و حسد ہو رہا ہے کہ تیری لمبی پلکیں اس کی طرف ہیں ۔ یہ دکھ میرے لئے ناقابل برداشت ہے اور تیری میرے رقیب پر نظر عنایت میرے لئے باعثِ آزار ہے ۔

۴۔ صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

صرفہ ۔ فائدہ ۔ طعمہ ۔ لقمہ ۔ نفس ۔ سانس ۔ آہ جاں گداز ۔ جان کو پگھلانے والی ۔

تشریح :۔ میں نے جو اپنی آہوں کو روک رکھا ہے اس میں میرا ہی فائدہ ہے ۔ ورنہ میں تو جان پگھلا دینے والی پُر آتش آہ کے واسطے محض ایک لقمے کی حیثیت رکھتا ہوں ۔

۵۔ ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

گوشۂ بساط ۔ فرش کا کونہ ۔ شیشہ باز ۔ بوتل کو نچانے والا

تشریح :۔ مے نوشی کی محفل کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے مانو کہ شراب کے جوش سے جام اور بوتلیں خود بخود اچھل رہی ہیں گویا کہ فرش کا ہر کونہ ایک شرابی کا سر ہو جس پر کہ وہ شراب کے جوش میں آکر بوتل کو نچا رہا ہو ۔

۶۔ کاوش کا دل کرے ہے تقاضہ کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تشریح :۔ محبوب کے قبا کی آدھی گرہ کو کھولنے والے ناخن پر ابھی آدھی گرہ کھولنے کا قرض واجب ہے اور دل اس قرض کو ادا کرنے کا ناخن سے تقاضہ کر رہا ہے۔

۷۔ تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا

تشریح :۔ غالبؔ کا سینہ، جس میں کہ راز کے موتیوں کا خزانہ کا خزانہ چھپا تھا۔ جدائی کے غم نے کھود کھود کر لوٹ لیا یعنی عشق نے غالبؔ کے دل میں چھپے محبت کے راز فاش کر دیئے۔

۱۲

۱۔ بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یارب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

تشریح :۔ شہنشاہ کے دربار میں مشاعرہ شروع ہوا ہے جس میں کہ شعراء کی قدردانی ہوگی۔ اس لئے اے خدا! ہیروں کے اس خزانہ یعنی دربار کے دروازہ کو کھلا رکھنا جس سے کہ شاعر لوگ فیض یاب ہو سکیں

۲۔ شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بتکدہ کا در کھلا

تشریح :۔ رات ہوئی آسمان میں تارے چمکنے لگے۔ تاروں کے چمکنے کی ایسی بہار ہے گویا آسمان کے بتخانہ کا دروازہ کھل گیا ہو۔ اور بت چمک چمک کر جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔

۳۔ گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب

آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

تشریح :۔ بے شک میں دیوانہ ہوں مگر اتنا ہوش ضرور ہے کہ میں دوستوں کے فریب سے بچ سکوں۔ مطلب یہ کہ دوست بن کر جو دشمن مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہیں میں ان کی پہچان کرنے کے اس دیوانگی میں بھی قابل ہوں اور یہ دوست بغل میں چھری دبائے ہوئے ہیں اور ہاتھ میں نشتر لے کر میرے زخم کا علاج کرنے کا بہانہ کرتے ہیں۔

۴ گو نہ سمجھوں اسکی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھید

پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

تشریح : اگرچہ میں محبوب کی باتوں کو نہیں سمجھتا اور نہ ہی اس کے بھید کو پا سکتا ہوں۔ مگر میں اس بات پر خوش ہوں کہ وہ مجھ سے بے تکلف تو ہوا۔

۵۔ ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال

خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

خیالِ حسن ۔ معشوق کا خیال ۔ حسنِ عمل ۔ نیک اعمال ۔ گور ۔ قبر

تشریح :۔ جلوۂ حسن کا تصور اعمالِ نیک سے کسی صورت کم نہیں کیونکہ نیک اعمال سے بہشت کا دروازہ کھلتا ہے گر مجھ جیسے محبوبہ کے

حسن کا تصور کرنے والے کے لئے قبر کے اندر ہی بہشت کا دروازہ کھل گیا۔ یعنی کے قبر میں بھی میں محبوب کے حسن کے خیال میں محو رہا۔

۶۔ منھ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منھ پر کھلا

تشریح:۔ زلفوں نے محبوب کے چہرے کو چھپا رکھا ہے اور پھر اس پر نقاب اور بھی ستم ڈھا رہا ہے اس نے تو اس کی رونق کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس وقت منھ دکھائی نہیں دیتا۔ اور پھر بھی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ اس سے پیشتر ایسے جلوے کا نظارہ کبھی نہیں ہوا۔ اور جو زلف اور نقاب ہٹ جائیں تو خدا جانے کیا ہو۔

۷۔ در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

تشریح:۔ محبوب نے مجھ کو اپنے دروازے پر پڑے رہنے کی اجازت دی۔ اجازت دی اور اسی وقت اپنے وعدہ سے پھر گیا۔ اجازت دینے اور وعدہ کو توڑنے میں اسے اتنا سا وقت لگا جتنا کہ میں نے بستر کھولنے میں لگایا

۸۔ کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول
آج ادھر کو ہی رہے گا دیدۂ اختر کھلا

تشریح:۔ غم کی رات کے اتنے تاریک ہونے کی کیا وجہ ہے؟ پھر خود ہی شاعر جواب دیتا ہے کہ آج آسمان سے بلائیں نازل ہوں گی۔ اور تاروں کی آنکھیں ان کے اترنے کا تماشہ کرنے کے لئے اس طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمیں پر اندھیرا ہے۔

۹۔ کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

تشریح:۔ حادثوں سے گھبرا کر ہی میں پردیس آیا تھا۔ مگر یہاں بھی میں خوش نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ حادثوں کا یہ حال ہے کہ گھر سے جو بھی خط آتا ہے کھلا ہوا یعنی کسی نہ کسی کی موت کی اطلاع ہوتی ہے اس لئے کھلا ہوا بھیجا جاتا ہے۔

۱۰۔ اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبدِ بے در کھلا

تشریح:۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ جس (رسول اللہؐ) کے واسطے آسمان کے دروازے کھل گئے، میں اس کی امت میں ہوں اس لئے میرے کام کیسے رُکے رہ سکتے ہیں۔

۱۳

۱۔ شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوّالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

زہرہ ابر آب تھا۔ بادل کا کلیجہ بھی پانی ہوگیا۔ شعلۂ جوّالہ۔ چکر کاٹتا ہوا شعلہ۔

تشریح:۔ شب غم میں میرے سوز دل کی تپش سے بادل کا کلیجہ بھی پانی ہوگیا۔ یعنی وہ ہراساں ہوکر اپنا وصف کھو بیٹھا اور میرے درد دل کی گرمی اتنی تیز تھی کہ پانی میں بھی آگ لگ گئی۔ اور گرداب میں اٹھنے والا ہر حلقہ چکر کاٹتا ہوا شعلہ بن گیا۔

۲۔ واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام

گریہ سے یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

عناں گیر۔ رد کنے والا۔ خرام۔ چلنا۔ پنبہ۔ روئی۔ بالش۔ تکیہ
کف۔ جھاگ۔

تشریح :۔ ادھر محبوب کے پاس تو میرے پاس آنے کا کرم نہ کرسکنے کے لئے بارش کا بہانہ تھا مگر ادھر اپنی یہ حالت تھی کہ تکیہ پر سر رکھے آنسوؤں کا ایسا سیلاب بہا رہے تھے کہ تکیہ کی روئی اس اس طوفان کا محض جھاگ معلوم دیتی تھی۔

۳۔ واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال

یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

تشریح :۔ وہاں تو محبوب اپنی آرائش و زیبائش میں موتی پرونے میں محو ہے۔ اور یہاں ہم نے آنسوؤں کے اتنے موتی پروئے ہیں کہ نگاہ کا دھاگہ ہی چھپ گیا ہے۔ یعنی کثرت اشک سے کچھ نظر نہیں آتا۔

۴۔ جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آبِ جو

یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

تشریح :۔ وہاں باغ میں سرخ پھولوں کے عکس سے ندی کے پانی میں چراغاں ہو رہا تھا اور یہاں آنکھوں سے خالص خون کے آنسو بہہ رہے تھے

۵۔ یاں سرِ پرشور بے خوابی سے تھا دیوار جو

واں وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

تشریح:- فراقِ یار میں مجھے نیند نہ آئی نیند نہ آنے کی وجہ سے میرا سر سودا سے بھرا تھا جو کہ ٹکریں مارنے کے لئے کسی دیوار کی تلاش میں لگا تھا۔ ادھر محبوب بڑے آرام سے کم خواب کے تکیہ پر سر رکھے لیٹا تھا۔

۶- یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بے خودی
جلوۂ گل واں بساطِ صحبتِ احباب تھا

تشریح:- یہاں ہماری سانس یعنی آہیں بے خودی عشق کی بزم میں شعلۂ آگیں تر چراغ جلا رہی تھیں۔ مگر ادھر محبوب کے دوستوں کے لئے پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

۷- فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا
یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا۔

تشریح:- محبوب کی محفل میں زمین سے آسمان تک مسرت کی موجیں اٹھ رہی تھیں اور یہاں زمین سے لیکر آسمان تک آگ لگی تھی۔ جس میں کہ ہم جل رہے ہیں تھے۔

۸- ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

تشریح:- اس شعر میں غالب گریز کو بالکل نئے ڈھنگ سے لائے ہیں۔ اس رنگ کو دیکھ کر میرا دل جو کہ غم اٹھانے کی لذت حاصل کر چکا تھا۔ اچانک ہی اس طرح خالص خون کے آنسو بہانے لگا۔ اشارہ ذیل کے اشعار کی طرف ہے۔

۱۴

۱۔ نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا

تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بے تاب تھا

تشریح:۔ رات کو میری آہ و بکا، میری تڑپ بے اثر تھی۔ اگرچہ میرے نالے تڑپ رہے تھے۔ بے تاب تھے۔ مگر ان کا جلنا محبوب اور غیر کی صحبت کو نظرِ بد سے بچائے رکھنے کے لئے سپند کے کالے دانے کا کام دے رہا تھا۔ محبوب پر میرے نالے کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا۔

۲۔ مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے

خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

نشاط آہنگ۔ خوشی کے گیت گانے والا۔ سازِ صدائے آب۔ پانی کی آواز کرنے والا باجہ یعنی جل ترنگ۔

تشریح:۔ مصائب کے سیلاب کی آمد سے عاشق کا دل خوشی کے گیت گانے لگا۔ شاید اس کا گھر جل ترنگ تھا۔ جس میں کہ پانی کے آجانے سے سریں نکلیں اور اس کے دل کے لئے باعثِ مسرت بنیں۔

۳۔ نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں

پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

تشریح:۔ خاک نشینی کے زمانہ کے فخر و ناز کا بیان میں نہیں کر سکتا کیونکہ میرے خیالات سنجاب کے ریشمی بستر پر آرام کرتے تھے۔ یا وہ سنجاب کے بستر، جس پر کہ میں سویا کرتا تھا، کی یاد کرتے تھے جس سے کہ میں زیادہ لطف اٹھاتا تھا۔

۴۔ کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں
ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ اے خدا! یہاں تو ایک ایک ذرہ تیرے جلووں کے فیض سے آب و تاب پا کر آفتاب کا مدمقابل ہوا۔ ہمارے نارسا عشق کے جنون نے ہمیں تیرے فیض سے محروم رکھا۔ اور ہماری وقعت مٹی کے ایک ذرہ کے برابر بھی نہ رہی۔

۵۔ آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا ہی دل مہر و وفا کا باب تھا

تشریح:۔ اے محبوب! کیا بات ہے کہ آج تجھے اپنے اسیران محبت کی مطلق بھی پرواہ نہیں رہی۔ کل تک تو ایسا نہ تھا۔ بلکہ تیرا دل ان کے لئے مہر و وفا سے بھرا تھا۔

۶۔ یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں ایک دیدۂ بے خواب تھا

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ آج تو اتنا بے مروت ہو گیا ہے۔ یاد کر وہ دن کہ جب تیرے جال کا ہر سوراخ دیدۂ بے خواب کی طرح شکار کے انتظار میں کھلا رہتا تھا۔ یعنی تو ہر وقت اپنی محبت کے جال میں شکار (عشاق) پھانسنے کو بے چین رہتا تھا۔

۷۔ میں نے روکا رات غالبؔ کو وگرنہ دیکھتے
اس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا

تشریح :۔ غنیمت ہوا کہ میں نے رات غالب کو رونے سے روک دیا
دگرنہ اس کے طوفان آہ وزاری میں آسمان کی کوئی قیمت نہ رہتی اور وہ اس
میں جھاگ کی طرح تیرتا پھرتا۔

۱۵

۱۔ ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

تشریح :۔ میرے جگر کا تمام خون محبوب کی پلکوں کی امانت تھا۔
اور اب آنسوؤں کی راہ میں نے جتنا بھی خون صرف کیا اس کے ایک ایک
قطرہ کا حساب مجھے دینا پڑا۔ گویا اپنے خون پر بھی عاشق کا کوئی حق نہیں

۲۔ اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

یک شہر آرزو۔ آرزوؤں کا شہر یعنی لاتعداد خواہشیں ۔ تمثال دار
تصویر دکھانے والا۔

تشریح :۔ میرا دل ایک ایسا آئینہ تھا جس میں عکس نظر آتا تھا اور
تو نے اس آئینہ کو توڑ دیا ہے ۔ اب میں رہ گیا ہوں یا میرے
ساتھ اس آئینہ کے ٹکڑوں کا ماتم ۔ اس دل میں میری آرزوؤں کا
ایک شہر بسا تھا جو تو نے تباہ کر دیا ۔ اب میں اس کا ماتم کرنے کو رہ گیا ہوں
مطلب یہ کہ معشوق نے عاشق کا جو دل توڑا تو اس کی آرزوؤں کا شہر
برباد ہو گیا ۔

۳۔ گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں
جاندادۂ ہوائے سرِ رہگذار تھا

جاندادہ۔ جان دینے والا۔ عاشق۔ ہوا۔ آرزو۔ رہگذار۔ مراد معشوق کی راہ۔ یعنی کوچہ سے ہے۔

تشریح:۔ میں نے کوچۂ معشوق کے طواف کی آرزو میں جان دی ہے اس لئے میری نعش کو گلیوں میں گھسیٹتے رہو۔ جس سے کہ شاید کبھی معشوق کی گلی میں ہی پہنچ جاؤں

۴۔ موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا

جوہرِ تیغ آبدار۔ چمکدار (تیز) تلوار کی دھار۔

تشریح:۔ وفا کے جنگل میں وفا پرستوں پر کیا گذر تی ہے اس کا حال تو مجھ سے نہ پوچھ۔ کیونکہ یہ ایک سراب کی مانند ہے جس کے دھوکہ میں اگر آدمی اس کی طرف بھاگتا ہے مگر پانی نہ پاکر پیاس میں تڑپ تڑپ کر جان دیدیتا ہے اور ریت کا ہر ذرہ تلوار کی چمکتی ہوئی دھار ہے جس کے وار سے بچنا ناممکن۔ مطلب یہ کہ وفا ہر حال میں جان لے لیتی ہے۔

۵۔ کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے یہ غمِ روزگار تھا

تشریح:۔ ہم نے تو یہ سمجھا تھا کہ عشق کا غم کچھ زیادہ نہیں ہوتا مگر جب عشق کا غم لگا تو معلوم ہوا کہ یہ غم کم ہونے پر بھی دنیا کے سب غموں کے برابر ہے۔ یعنی عشق کے برابر اس دنیا میں کوئی اور غم نہیں۔

۱۶

۱- بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

تشریح:- ہم جس کام کو آسان سمجھتے ہیں حقیقتاً وہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ جس طرح کہ آدمی کے لئے انسان ہونے پر بھی انسان بننا بہت دشوار ہے۔ یعنی انسانیت کی صفات جو انسان کے ہی واسطے ہیں، ان سے انسان خالی ہے۔

۲- گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

تشریح:- میری آہ و زاری یہ چاہتی ہے کہ میرا گھر برباد و ویران ہو جائے۔ اور اس رونے پیٹنے کی نحوست کی وجہ سے میرے گھر کی حالت سے ظاہر ہے کہ یہ بالکل ویران ہوا ہی چاہتا ہے۔

۳- وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھکو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی پریشاں ہونا

تشریح:- مجھ کو اپنے عشق کے جنون پر افسوس ہے کہ میں بار بار اُدھر (کوچۂ معشوق) جاتا ہوں اور جب دیوانگی میں وہاں پہنچ جاتا ہوں تب پریشان ہوتا ہوں کہ میں یہاں کیوں آیا کیونکہ اس تک تو میری رسائی ممکن نہیں۔

۴- جلوہ ازبسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

جوہر آئینہ - آئینہ پر کے خطوط - دھاریں۔ لکیریں۔

تشریح:- معشوق کے حسن نے یہ تقاضا کیا۔ کہ اس کے جلوہ کا دیدار کیا جائے۔ جب آئینہ نے اس کے حسن کو دیکھا (یعنی آئینہ میں اس کا عکس پڑا) تو آئینہ نے چاہا کہ وہ خود ہی اس کی آنکھ بن جائے۔ اور اس کے خطوط اس آنکھ کی پلکیں۔

۵- عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

تشریح:- عاشقوں کی قتل گاہ میں عشاق کو قتل ہوتے ہوئے جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ تو اس کا حال نہ پوچھ۔ جب یار ہم عاشقوں کے قتل کو تلوار ننگی کرتا ہے تو اس کا نظارہ کر کے ہم کو وہی خوشی ملتی ہے جو کہ عید کے دن چاند کو دیکھ کر۔

۶- لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بہ صد رنگِ گلستاں ہونا

خاک - مٹی یعنی قبر۔ داغِ تمنا - آرزوؤں کے داغ۔ حسرتیں

تشریح:- ہم تو اپنی خوشی کی آرزوؤں کو جوں کا توں دل میں لئے قبر میں چلے گئے۔ یعنی اس دنیا سے بے نیل و مرام مر گئے۔ اب میری یہی دعا ہے کہ تم اس دنیا میں باغ کی طرح پُر بہار رہو۔ پھولو پھلو۔

۷- عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا

تشریح:- عشاق کی ایذا پسندی ملاحظہ ہو۔ دل کے اس ٹکڑے

کے لئے زخم تمنا یعنی آرزو کا زخم کھانا عین راحت ہے۔ اور جگر کے زخم کا نمکدان میں ڈوب جانا عاشق کے لئے باعث لذت یعنی عاشق کے زخموں پر نمک چھڑکا جائے تو اس میں اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔

۸۔ کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

تشریح:۔ مجھے قتل کرنے کے فوراً بعد ہی اس نے توبہ کر لی کہ اب کبھی کسی پر جفا نہ کریں گے۔ ہائے وہ اتنی جلدی اپنے کئے پر پشیمان ہو گیا کچھ تو دیر لگائی ہوتی۔ جس سے کچھ اور میرے رقیب قتل ہو کر میری حالت کو پہنچتے۔ اور مجھ کو تسلی ہوتی۔ مطلب یہ کہ میرے ہی قتل کے بعد اس نے توبہ کر لی اب میرے رقیبوں کو قتل کا ڈر تو نہ رہا۔ اور عین ممکن ہے کہ کسی دن وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

۹۔ حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

تشریح:۔ اس بدنصیب چار گرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہے کہ بے چارے کے مقدر میں کسی عاشق کا گریباں ہونا لکھا تھا۔ عاشق بامراد ہو یا نامراد اس کی تو شامت ہی ہے۔ اگر عاشق کا معشوق سے وصل ہو گیا تو وہ اس کو شوخی میں آ کر پھاڑ دے گا۔ اور اگر عاشق کو فراق ہوا تو وہ خود جنون میں اس کو پھاڑ دے گا۔

۱۔ شرب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا

رستخیز اندازہ - قیامت کیطرح شوق ساقی - ساقی کا انتظار
محیط بادہ - شراب کا دریا - صورت خانہ - تصویر خانہ - تصویر کا گھر
خمیازہ - انگڑائی -
تشریح :- رات کو ساقی کے انتظار میں میرا یہ گھر قیامت کا نمونہ تھا - میں نشہ ٹوٹنے کی وجہ سے انگڑائیاں لے رہا تھا - اور شراب بھی انگڑائیاں لے رہی تھی - یعنی میں خمار میں اور شراب جوش میں انگڑائیاں لے رہی تھی - اور میرے اور شراب کے دریا یعنی صراحی تک تمام کا تمام فاصلہ قیامت کا منظر بنا تھا -

۲ - یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

تشریح :- جب روحوں کو عالم ارواح میں وحشت ہونے لگی تو ان کے لئے عالم ممکنات کی راہ کھل گئی - اور وہ اسی طرف آنے لگیں - اور ان کی آمد کے اس سلسلہ کی وجہ سے عالم ارواح عالم وجود کی سڑک پر ایک شیرازہ کی صورت بن گیا - یعنی اس عالم ارواح کے منتشر اجزا کو اس سڑک یا راہ نے جمع کر دیا -

۳ - مانع وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون تھا
خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا

تشریح :- اگر جنون محبت سے بے قرار ہو کر لیلیٰ مجنوں کو ملنے اس کے گھر چل دیتی تو اسے کون روکتا - کیونکہ مجنوں کے گھر یعنی صحرا کا تو دروازہ ہی نہیں جس پر کوئی دربان اس کو اندر جانے سے منع کرتا -

۴- پوچھ مت رسوائیِ اندازِ استغنائے حُسن
دست مرہونِ حنا، رخسار رہنِ غازہ تھا

تشریح:- بے نیازئ حُسن کی رسوائی کا کیا حال پوچھتے ہو- ہاتھ تو اس کے مہندی کے محتاج رہے اور گال غازہ کے-

۵- نالۂ دل نے دیئے اوراقِ لختِ دل بباد
یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

تشریح:- میری آہوں اور فریادوں نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جو برباد و پریشان اوراق کی طرح بکھرے پڑے ہیں- اب یہی ٹکڑے ایک بکھرے ہوئے دیوان کی یادگار رہ گئے ہیں-

---

۱۸

۱- دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

تشریح:- دوست عاشق کے غم میں کیا شریک ہوں گے- وہ کب تک اس کی غمگساری کریں گے- مانا کہ وہ اس کے ناخن کاٹ دیں گے تاکہ دیوانگی کے عالم میں وہ زخموں کو کرید کر ہرا نہ کرے- مگر کب تک؟ جوں ہی زخم مندمل ہوں گے- اس کے ناخن پھر بڑھ آئیں گے- اور ان سے وہ پھر زخموں چھیل دے گا- جس سے زخم تازہ ہو جائیں گے-

۲- بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

تشریح :- محبوب کی بے التفاتی سے عاشق بیزار ہے اور اس کے تغافل کا گلہ کرتا ہے - اور نظر عنایت کے لئے التجا کرتا ہے سے

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں :: تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

بلکہ عاشق تو محبوب کی نگاہ قہر سے بھی خوش ہے - وہ تو ہر حالت میں محبوب سے تعلق بنائے رکھنا چاہتا ہے خواہ یہ تعلق لاگ پر مبنی ہو یا لگاؤ پر سے

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے :: کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

۳- حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ

کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

تشریح :- ہم ان کی راہ میں دل اور آنکھیں بچھاتے ہیں - وہ شوق سے آئیں - ہمارے سر آنکھوں پر - مگر وہ ہمیں کیا سمجھائیں گے؟ خاک سمجھائیں گے - ان کا سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے عاشق راہ عشق سے کبھی نہیں ہٹے گا - ناصح تو صرف نصیحت کرنا جانتا ہے اسے عشق سے واسطہ نہیں پڑا - یہ دل لگی نہیں سے

دل لگی دل لگی نہیں ناصح :: تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں -

۴- آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں

عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

تشریح :- عاشق تو ہر دم آمادۂ قتل رہتا ہے - مگر محبوب طرح طرح کے بہانے کرکے اسے قتل کرنے سے گریز کرتا ہے - کبھی تلوار نہ ہونے کا بہانہ اور کبھی یہ کہ کفن باندھ کر نہیں آیا - اس لئے آج عاشق کفن اور تلوار دونوں اپنے ساتھ لے چلا ہے - اگرچہ در حقیقت تو محبوب کو کسی تلوار کی ضرورت نہیں اس کی ایک ادا ہی عاشق کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے سے

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ؎ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

۵- گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا

تشریح:- بعض اوقات پاگل پن کا علاج کرنے کے لئے اُسے زنجیر میں جکڑ دیتے ہیں۔ مگر یہ اس کا علاج نہیں۔ اس سے اس کا جنون دور نہیں ہوتا۔ عاشق بھی جنونِ محبت میں مبتلا ہے۔ ناصح اسے قید کرتا ہے۔ مگر اس سے وہ جنون کے انداز نہیں چھوڑے گا۔ اس کے جذبۂ عشق میں کوئی کمی نہیں آئیگی

۶- خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

تشریح:- ہم تو محبوب کی زلفوں کی زنجیروں میں پہلے ہی جکڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم ناصح کی زنجیروں سے کیا ڈریں گے۔ اور ہم محبوب کے ساتھ وفائے عشق میں گرفتار ہیں۔ بھلا اب ناصح کے قید خانہ سے ہم کیوں گھبرائیں گے مطلب یہ کہ ہم زنجیر و قید سے مانوس ہیں ہمیں ان سے کوئی خوف نہیں ہمارا محبوب زندہ رہے۔ قید و زنداں کی کمی نہیں ؎
قید نقاب و قید حیا و حجابِ شرم ؎ یوسف ہمارا رکھتا ہے زنداں نئے نئے

۷- ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا

تشریح:- عاشق کی خوراک غم ہے وہ غم کھا کر ہی زندہ رہتا ہے اب دہلی میں رہ کر وہ کیا کھائے۔ یہاں تو غم الفت کا قحط ہے۔ جنس نایاب ہے اور غالب دلدادۂ عشق ہے۔ اس لئے وہ اس آبادی

تشریح ... رہے؛ مطلب یہ کہ اہلِ دہلی میں وہ پہلی سی محبت نہیں
... ہماری زندگی کا دارومدار محبت پر ہے - اب ہمارا گزارہ نہیں ہو سکتا

۱۹

۱- یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

تشریح :- اچھا ہوا کہ ہم مر گئے ورنہ محبوب کے انتظار کا وقت بھی ہماری عمر کے ساتھ اور بڑھ جاتا کیونکہ ہماری تو قسمت میں وصلِ یار کا لطف نہیں لکھا تھا -

۲- ترے وعدے پہ جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تشریح :- تیرے وصل کے وعدہ کو ہم جھوٹا وعدہ سمجھے کہ ہی اب تک زندہ رہے - اگر اس کو سچا وعدہ سمجھتے تو اسی وقت تیرے وعدہ کی خوشی میں جان نہ دیدیتے -

۳- تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

تشریح :- تیری نزاکت سے ہم یہ سمجھ گئے تھے کہ جو وعدہ تو کر رہا ہے وہ کمزور ہے ورنہ مضبوط ہونے پر تو اس کو اپنی نازکی کے باعث نہیں توڑ سکتا تھا -

۴- کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا -

تشریح :- تو نے جو اپنی محبت کا تیر حسن کی کمان کو پر نہیں چلایا اس کی لذت کوئی مجھ سے پوچھے کیونکہ یہ پوری قوت نہ چھوڑے جانے کی وجہ سے میرے جگر کے پار نہ ہو سکا۔ اس کے وہیں اڑ جانے سے جو خلش ہوئی وہ مجھے لذت دے رہی ہے۔ اگر یہ جگر کے پار ہو جاتا تو یہ خلش کہاں سے ہوتی۔

۵- یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

تشریح :- دوست اپنی دوستی کا کیا خوب حق ادا کر رہے ہیں؟ بجائے اس کے کہ میرے واسطے کوئی چارہ کرتے یا غم دور کرنے کی کوشش کرتے ناصح بن کر نصیحتیں کرنے آ گئے ہیں عشق میں نصیحت کڑوی لگتی ہے۔

۶- رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

تشریح :- جسے تم غم سمجھ رہے ہو یہ غم نہیں۔ غم کا تو اثر یہ ہے کہ اگر یہ چنگاری بن کر پتھر میں گھس جائے تو اس کو بھی خون کے آنسو رلا دے

۷- غم اگرچہ جاں گسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

تشریح :- غم اگرچہ جان لینے والا ہوتا ہے مگر دل کے رہتے اس سے بچنا بھی ناممکن ہے۔ اگر ہم عشق کے غم میں مبتلا نہ رہتے تو دل کو زمانے کا کوئی اور غم لگ جاتا۔ دل غم لگانے کی اپنی فطرت کو تو چھوڑ نہیں سکتا۔

تشنہ- کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں شب غم کی مصیبت کا رونا کس کے پاس جا کر روؤں- کوئی سننے والا نہیں- میں تو اسی سے مرا جاتا ہوں مگر موت نہیں آتی- اگر ایک بار موت آجاتی تو میرے لئے اچھا ہوتا کیونکہ اس روز روز کے مرنے سے تو بچ جاتا-

۹- ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

تشریح :- موت کے بعد جب ہمارا جنازہ اٹھا تو رسوائی ہوئی- اور اب مزار سے تو رسوائی ہو رہی ہے- مطلب یہ کہ ہمارے جنازے کو دیکھ کر لوگوں نے محبت میں ہماری ناکامی کا ذکر چھیڑ دیا اور ہم رسوا ہوئے- اب جو ہمارے مزار کو دیکھتا ہے یہ کہہ کر رسوا کرتا ہے کہ یہ اس نامرادِ محبت کا مزار ہے- اس سے تو یہی بہتر تھا کہ ہم کسی دریا میں ڈوب کر مرجاتے- تب نہ جنازہ اٹھتا، نہ مزار ہوتا اور نہ یہ رسوائی ہوتی-

۱۰- اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

تشریح :- خدا واحد ہے اور وہ آسمان پر ہے- اس لئے ہم اہل عالم ممکنات اسے دیکھ نہیں سکتے- اگر وہ ایک سے زیادہ ہوتا تو دوسرا اس جہان میں آتا- اور ضرور دکھائی دیتا- کیونکہ ایک جگہ پر دو خدا نہیں ٹھہر سکتے- جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں آسکتیں-

۱۱۔ یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

تشریح :۔ اے غالبؔ! تصوف کے یہ مسئلے اور تو نے ان کو اپنے بیان میں کمال خوبی سے باندھا ہے۔ اگر تو شراب نہ پیتا ہوتا تو ہم تجھے ولی مانتے۔ سنا ہے کہ غالبؔ مرحوم نے یہ غزل بہادر شاہ ظفرؔ مرحوم کے سامنے قلعہ میں پڑھی تھی۔ تو بادشاہ نے فرمایا تھا کہ اگر ایسی حالت بھی ہوتی یعنی تو مے نوش نہ ہوتا تو ہم تب بھی ایسا نہ مانتے جواباً مرزا غالب نے شوخی سے عرض کیا کہ حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر اس لئے اقرار نہیں کرتے کہ کہیں میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔

۲۰

۱۔ ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

تشریح :۔ ہماری زندگی محدود ہے۔ اس لئے اس قلیل زندگی میں کچھ کر لینے کی ہوس ہے اور یہ ہوس ہی کام کرنے کی خوشی کی وجہ ہے اگر موت کا ڈر نہ ہوتا تو کوئی بھی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا اور ہم ہر کام میں تاخیر اور غفلت سے کام لیتے۔ اس لئے موت کی وجہ سے ہی اس زندگی میں چہل پہل ہے نہیں تو زندگی کا کیا لطف۔

۲۔ تجاہل پیشگی سے مدعا کیا
کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

تشریح :۔ اے محبوب! تو جو ہر بات پر کیا کیا کی رٹ لگائے جاتا ہے

اس کا خاتمہ بھی کہیں ہے؟ آخر تیرا اس سے کیا مطلب - جو تو جان بوجھ کر انجان بنتا ہے -

۳- نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں
شکایت ہائے رنگیں کا گلہ کیا

تشریح :- غیر پر ہو رہی تیری ناجائز مہربانیوں اور عنایتوں کو میں دیکھ رہا ہوں - مگر جب پُر محبت الفاظ میں تم سے شکایت کرتا ہوں تو تم الٹا مجھ ہی سے اس شکایت کا گلہ کرتے ہو -

۴- نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

تشریح :- میرے صبر و استقلال کو آزمانے کی خاطر تم نے تغافل تجاہل کیوں اختیار کر رکھا ہے؟ میں تو تیری ایک پُر محبت اور بے تکلف نگاہ کی خواہش رکھتا ہوں -

۵- فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

تشریح :- اہل ہوس کو محبت کی وفا کی عزت کی کچھ پرواہ نہیں ہوا کرتی - ان کی محبت تو خس کے شعلے کی روشنی کی طرح دم بھر کے لئے ہوتی ہے -

۶- نفس موجِ محیطِ بے خودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلہ کیا

تشریح:- ہماری ہر سانس مستی کے دریا کی موج ہے۔ اس لئے اگر ساقی ہماری طرف دھیان نہیں۔ ـ ـ ـ ـ ـ دیتا تو کیا! ہم اس سے اس کے تغافل کا گلہ کیوں کریں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے؟

۷- دماغ عطر پیراہن نہیں ہے
غم آوارگی ہائے صبا کیا

تشریح:- محبوب کے کرتے میں لگے ہوئے عطر کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اگر صبا اپنی آوارگی کی عادت سے اس کی خوشبو کو اڑا کر لے آئی ہے تو ہمیں اس کی اس عادت کا کوئی غم نہیں۔

۸- سن اے غارت گر جنسِ وفا سن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

تشریح:- اے جنس وفا کو لوٹنے والے! غور سے سن۔ ٹوٹے ہوئے دل کی کیا آواز۔ یعنی تو جو میرے دل کو توڑتا ہے، اس کے ٹوٹنے سے تیرے سننے کو کوئی آواز پیدا نہیں ہوگی۔ اس لئے تو میرے دل کو مت توڑ۔

۹- دلِ ہر قطرہ ہے سازِ اَنَا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

تشریح:- ہر قطرہ کا دل یہ آواز دیتا ہے کہ میں سمندر ہوں یعنی وہ سمندر میں مل کر سمندر بن جاتا ہے۔ اگر ایک بے حقیقت قطرہ سمندر کا ہو کر سمندر بن سکتا ہے تو پھر ہمارا کیا کہنا۔ ہم تو اسی خدا کی ذات کے نور ہیں۔

۱۰۔ محابا کیا ہے، میں ضامن، ادھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا

تشریح :۔ محبوب کی نگاہوں سے قتل ہونے والوں کے خون کا کیا بدلہ یعنی کوئی بدلہ نہیں ہوا کرتا۔ ادھر میری طرف نگاہ کر۔ میں ذمہ لیتا ہوں کہ میرے قتل کا تجھ پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ اب تجھے کیا پس وپیش ہے؟

۱۱۔ کیا کس نے جگرداری کا دعوےٰ
شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا

تشریح :۔ تیرے سامنے کس نے صبر وتحمل کا دعویٰ کیا ہے جو تو میرے صبر و استقلال کا امتحان لینے لگا۔ بھلا عاشق کے دل میں بھی کہیں صبر ہوا کرتا ہے۔

۱۲۔ یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں
یہ کافر فتنۂ طاقت رُبا کیا

تشریح :۔ میرے صبر کی آزمائش لینے والا قاتل وعدہ کیوں کرتا ہے! یہ تیرا وعدہ نہیں بلکہ میری طاقت یعنی ہمت کو ختم کر دینے والا کافر فتنہ ہے۔ تو ایسا وعدہ نہ کر۔

۱۳۔ بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

تشریح :۔ کہتے ہیں کہ اے غالب! کیا محبوب کی تحریر اور کیا اس کے اشارے

اس کی ہر ادا بلائے جان ہے۔ سخت مصیبت ہے

۲۱

۱۔ درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

تشریح:۔ جب محبوب کے ستم و عتاب کے قابل ہم جیسا اور کوئی نہیں تو پھر ہمارا یہ دعویٰ کیسے غلط ہے کہ ہم جیسا کوئی اور پیدا ہی نہیں ہوا

۲۔ بندگی میں بھی وہ آزاد و خودبیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

تشریح:۔ خدا کی بندگی (عبادت) میں بھی اس قدر خود پسند اور ہر قسم کی پابندیوں سے بالاتر ہیں کہ اگر کعبہ کا دروازہ کھلا ہوا نہ ملا تو واپس آ گئے۔ اس کے کھلنے کے انتظار کی پابندی یا دروازے کو کھٹکھٹانا ہم نے اپنی آزادی اور خودداری کے خلاف سمجھا۔

۳۔ سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
رُوبرُو کوئی بتِ آئینہ سیما نہ ہوا

تشریح:۔ کوئی بھی آئینہ جیسی پیشانی رکھنے والا حسین تیرے سامنے نہیں آتا اور اس سے ظاہر ہے کہ حسن میں تیری یکتائی کا دعویٰ سب حسینانِ جہاں تسلیم کرتے ہیں

۴۔ کم نہیں نازشِ ہمتائیِ چشمِ خوباں
تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا

تشریح :۔ اے حسینہ! تیری نیم بند اور نیم وا آنکھوں (چشمِ خوباں) کی برابری کا جو فخر مجھے حاصل ہے وہ کم نہیں۔ اگر تیرا بیمار تندرست نہیں ہو سکا تو کوئی بری بات نہیں۔ حسن کی وجہ سے حسینوں کی آدھی کھلی اور آدھی بند آنکھ کو بیمار کہا جاتا ہے کیونکہ ایک بیمار کی ہی طرح اس کی آنکھ ہوتی ہے یہی مناسبت ہے کہ حسینوں کی آنکھ اور عاشق بیمار رہیں۔

۵۔ سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

تشریح :۔ جو نالہ دل سے نکل کر لب تک نہ آیا وہ اندر ہی رہ کر سینے کا داغ بن گیا۔ اور جو قطرہ دریا میں مل کر دریا نہ بن سکا وہ مٹی میں ملکر رائیگاں جاتا ہے۔

۶۔ نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا

تشریح :۔ میرے حصہ میں وہ مصیبتیں آئی ہیں جو کسی اور کو نہیں ملیں اور میرے کام یعنی خدمت میں وہ فتنہ لگا ہوا ہے جو کسی اور کے لئے کبھی برپا نہ ہوا۔

۷۔ ہر بُنِ مُو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خوں ناب
حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا

بُنِ مُو ۔ بال کی جڑ دمِ ذکر ۔ ذکر کرنے وقت

تشریح :۔ اگر عشق کا بیان کرتے وقت بال کی ہر جڑ سے خالص خون نہ ٹپکے تو وہ عشق کا چرچا نہیں بلکہ یہ حمزہ کی داستان ہے جس کا کہ اثر نہیں ہوتا۔

۸- قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

دیدۂ بینا - حقیقت دیکھنے والی آنکھ

تشریح :- اگر حقیقت دیکھنے والی آنکھ کو ہر قطرہ میں دریا اور ہر جزو میں کل نظر نہ آئے تو وہ دیدۂ بینا نہیں بلکہ بچوں کا کھلواڑ ہے -

۹- تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

تشریح :- ہم نے بھی سنا کہ غالب کو اتنی سزا ملے گی کہ اس کے پرزے اڑ جائیں گے - ہم بھی یہ تماشا دیکھنے کو گئے مگر افسوس کہ یہ تماشا ہوا ہی نہیں

۲۳

اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشتِ خار اپنا

جنوں جولاں - جنون میں گھومنے والا پشتِ خار - خارشت کا پچھلا حصہ جس سے جسم کھجایا جاتا ہے -

تشریح :- ہم ایسے بے سر و سامان دیوانہ وار گھومنے والے فقیر ہیں جن کے پاس کہ جسم کھجانے کو بھی کچھ نہیں اور پشتِ خار کا کام ہم ہرن کی پلکوں سے لیتے ہیں -

---

۲۴

۱- بسکہ نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

تشریح :- خداوند کریم کی نذر کرنے کے لئے میرے پاس نارسائی کی شرم کا تحفہ ہے اور یہ تحفہ بھی سینکڑوں گناہوں کے خون سے آلودہ ہے - گناہوں کی حسرتوں کے خون سے بھرا ہوا یہ میرا تحفہ میری پارسائی کا دعویٰ ہے - مطلب یہ کہ میری زندگی تو گناہوں سے بھری رہی - اسی وجہ سے میں بارگاہ کریم میں رسائی حاصل نہ کر سکا - اب اپنی شرم و ندامت سے ہی مجبور ہو کر میں نے پارسائی کا دعویٰ کیا ہے اور یہ تحفہ میرا اس کریم و رحیم کی نذر ہے -

۲- نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا
بہ مُہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

تشریح :- اپنی نمائش کی خواہش رکھنے والا حسن جب کہیں نظر نہیں آرہا تو وہ بے وفائی کے الزام سے بری ہے اور جو سینکڑوں نظریں اس پر پڑ رہی ہیں وہ اس کی پارسائی کے دعویٰ پر مہریں ہیں -

۳- زکوٰۃِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

زکوٰۃ - ہر سال خیرات میں آمدنی کا چالیسواں حصہ دیا جانا -
جلوۂ بینش - محبوب -

تشریح :- اے محبوب تو اپنے حسن کے جلوہ کا چالیسواں حصہ ہی میرے کشکول میں ڈال دے جس سے کہ یہ کاسہ مجھ نیر و عاشق کے گھر کا چراغ بن جائے -

۴- نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

تشریح:۔ تو نے مجھے بے گناہ سمجھ کر قتل نہ کیا۔ مگر میں تو مرنے کا خواہشمند تھا۔ اور دوستی کا حق تو یہ تھا کہ تو مجھے قتل کرتا۔ اب تیری گردن پر بے گناہ کے خون کی طرح دوستی کا حق سوار ہے۔

۵۔ تمنائے زباں محوِ سپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

تشریح:۔ زباں آوری کی تمنا بے زبانی کا شکریہ ادا کرنے میں لگی ہے۔ کیونکہ بے زبانی کی وجہ سے ہی وہ اپنی بیچارگی کی شکایت محبوب سے کرنے سے بچ گئی ورنہ عاشق کی مجبوریاں سن کر محبوب ناراض ہی تو ہوتا

۶۔ وہی اک بات جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

تشریح:۔ میری سانس یعنی گفتگو اور پھول کی خوشبو کا مدار ایک ہی چیز پر ہے۔ اور وہ چیز ہے باغ کی بہار۔ جب چمن میں بہار آتی ہے تو میری گفتگو رنگین ہو جاتی ہے اور پھول خوشبو دینے لگتے ہیں۔

۷۔ دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

پیغارہ جو۔ طعنے دینے والا۔ زنجیر۔ سلسلہ۔

تشریح:۔ ہر حسین بت کا منہ تیری رسوائی کی وجہ سے تجھ پر طعنہ زن ہے اور اس طرح تیری رسوائی کا ایک سلسلہ بن گیا ہے۔ تیری بے وفائی کا چرچا یہاں تک بڑھا کہ عدم تک اس کی شہرت ہے۔ یعنی عدم میں جا کر بھی یہ یہ ختم نہیں ہوا۔ جہاں پہنچ کر ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔

۸- نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ مختصر کر دے
کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم ہائے جدائی کا

حسرت سنج :- حسرت رکھنے والا۔

تشریح :- اے غالبؔ! اپنے خط کو لمبا نہ کر اور اپنی تحریر کو مختصر کر دے کہ میں تیری جدائی کے ستم عرض کرنے کی حسرت رکھتا ہوں۔ اس سے محبوب خود ہی جان جائے گا کہ تو کثرت ستم ہائے جدائی کی وجہ سے نہیں لکھنے میں معذور ہے۔

۲۴

۱- گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
بے تکلف داغِ مہ مہرِ دہاں ہو جائیگا

تشریح :- اگر میں شب ہجر کے غم و اندوہ کو بیان نہ کر سکوں گا تو میرے منہ پر مہر خاموشی چاند کے داغ کی طرح ثبت ہو جائے گی۔ اور لوگ چاند کے داغ کی طرح میرے منہ پر لگی خاموشی کی مہر کو دیکھیں گے۔ سمجھیں گے اور تیری رسوائی ہو گی۔

۲- زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائیگا

تشریح :- اگر شام فراق میں پتہ پانی ہو جاتا ہے تو ایک دن چاندنی بھی پانی بن جائے گا۔ اور میرے گھر میں اس سے طوفان آ جائے گا کیونکہ چاندنی گھر پر پڑتی ہے

۳۔ لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہوجائیگا

تشریح:۔ سوتے میں اپنے محبوب کے پاؤں کا بوسہ لینے میں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں مگر اس سے وہ بدگمان ہو جائے گا اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خواب میں ہی آنا چھوڑ دے۔

۴۔ دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہوجائیگا

تشریح:۔ ہم نے تو یہ سمجھا تھا کہ عمر بھر کے لئے عشق و وفا میں ہمارا دل کافی ہوگا مگر ہمارا خیال غلط نکلا ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ پہلے ہی امتحان میں ختم ہوجائے گا۔

۵۔ سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہوجائیگا

تشریح:۔ سب کے دل میں تیرا گھر ہے اگر تو مجھ سے خوش ہوجائے یعنی مجھے تیری محبت حاصل ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کل جہان خود بخود مجھ پر مہربان ہوجائے گا۔

۶۔ گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہوجائیگا

تشریح:۔ اگر تیری نظر عتاب مجھ کو ڈرا ڈرا کر اسی طرح ضبط و قابو کی تعلیم دیتی رہی تو ایک دن میرا خون رگوں میں اسی طرح چھپ جائے گا جس

طرح کہ شعلہ خس میں نہاں رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ جیرا خون میری رگوں میں ہی خشک ہو جائے گا۔

۷۔ باغ میں مجھکو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائیگا

تشریح:۔ اے محبوب تو مجھے باغ میں مت لے جا کیونکہ وہاں میری خستہ حالی کو دیکھ کر ہر پھول خون کے آنسو رونے لگے گا۔ تب تیرا کیا حال ہوگا۔ تجھ پر کیا گذریگی۔

۸۔ وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

تشریح:۔ اب تک تو یہ امید ہے کہ قیامت کے روز انصاف ہو جائے گا۔ اگر تیری جفاؤں اور میری وفاؤں کا انصاف نہ ہو تو افسوس ہے

۹۔ فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسدؔ
دوستی نادان کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

تشریح:۔ اے اسدؔ! تو خود سمجھ دار ہے۔ سوچ کہ نادان کی دوستی ہے۔ اس سے کیا فائدہ حاصل؟ خواہ مخواہ اپنی جان گنوا بیٹھے گا

۲۵

۱ درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا

تشریح:۔ میرے درد نے دوا کا احسان نہیں اٹھایا عشق کا

درد بھی لاعلاج ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے میرے درد میں کوئی افاقہ نہیں ہو سکا۔ اور نہ ہی میں تندرست ہوا۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ تندرست ہونے کا مطلب بھی دوا کا ممنون ہونا۔

۲۔ جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشہ ہوا گلا نہ ہوا

تشریح:۔ میں نے تجھ سے تیرے تغافل کا گلہ ہی تو کیا ہے۔ یہ کوئی تماشہ تو نہیں جو تم نے لوگوں کو دیکھنے کے لئے اکٹھا کر لیا ہے اور لوگ بھی کون میرے رقیب۔

۳۔ ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

تشریح:۔ ہم قتل ہونے کے لئے اپنی قسمت آزمانے تیرے در پر آئے مگر تو اپنا خنجر ہم پر آزمانے کو تیار نہ ہوا۔ اب ہم اور کہاں اپنی قسمت آزمانے جائیں۔ کیونکہ یہ خواہش تو تو ہی پوری کر سکتا تھا۔

۴۔ کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بدمزا نہ ہوا

تشریح:۔ اے محبوب! تیرے ہونٹوں کی شیرینی کا کیا کہوں۔ ان سے نکلی ہوئی گالیاں جو کہ کڑوی ہوتی ہیں تیرے ہونٹوں کی لمس سے میٹھی ہو گئیں۔

۵۔ ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

تشریح :- آج جبکہ ان کو بٹھانے کیلئے گھر میں بوریا تک نہیں ان (محبوب) کے آنے کی افواہ اڑ رہی ہے۔ ان کی آمد کی خوشی کے ساتھ اپنی بے مائیگی کا قلق ہے۔

۶- کیا وہ نمرود کی خدائی تھی

بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

تشریح :- کہتے ہیں نمرود نے تو اپنی خدائی کا دعویٰ کیا اور اس کا بھلا نہ ہوا۔ مگر میری عبودیت بھی کیا نمرود کی خدائی تھی جو میرا بھلا اس بندگی کے باوجود نہ ہو سکا۔

۷- جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تشریح :- میری جان اس خدا کی دی ہوئی تھی۔ اگر میں نے اسے دیدیا تو کیا ہوا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اپنا فرض ادا نہ کر سکا۔ یعنی جو جان لی تھی وہی دی۔ شکرانے کے طور پر کچھ نہ دے سکا۔ اس طرح اپنے فرض کے حق کو ادا کرنے سے قاصر رہا۔

۸- زخم گر دب گیا لہو نہ تھما

کام گر رک گیا روا نہ ہوا

تشریح :- میری بد نصیبی کسی اصول یا قاعدہ کی پابند نہیں اسے تو میری مصیبتوں میں اضافہ کرنا ہی مقصود ہے۔ اسی لئے تو زخم باوجود دبا دیے جانے کے خون جاری رہا۔ اور اگر کوئی کام رک گیا تو پھر آگے چلا ہی نہیں۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ خون بند ہو جاتا اور کام چل جاتا۔ اگر اتنی خوش نصیبی میرے

میرے مقدر میں نہیں تھی تو کم از کم رواں خون کی طرح میرا کام بھی رواں ہی رہتا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

۹۔ رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے
لے کے دل دلِ ستاں روانہ ہوا

تشریح:۔ محبوب نے میرا دل چھینا۔ مگر جس ڈھنگ سے دل چھین کر وہ چلتا بنا یہ تو ڈاکہ زنی ہے۔ دل چھیننا نہیں۔

۲۶

۱ گِلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

تشریح:۔ محبت کو دل کی وسعت بھی تنگ نظر آتی ہے حالانکہ اس میں دو عالم سما سکتے ہیں۔ جس طرح دریا کی شورش و بیقراری موتی میں بند ہو کر رہ جاتی ہے اسی طرح شوق محبت کی شورش بھی دل میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔

۲۔ حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

تشریح:۔ اگر بہار اتنی ہی مختصر ہے تو اسے خزاں کے پاؤں کی مہندی کہو اسی طرح رنجیدگیٔ دل کو دوام حاصل ہے اور دنیا کے عیش و آرام عارضی اور چند روزہ۔

۳۔ یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

پاسخ مکتوب - خط کا جواب۔ خامہ فرسا۔ قلم سے لکھنا۔
تشریح :- یہ تو میں جانتا ہوں کہ تو میرے خط کا جواب لکھنے کو کبھی تیار نہ ہوگا۔ یہ جانتے ہوئے بھی اگر میں خط لکھتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کچھ نہ کچھ لکھنے کے شوق سے مجبور ہوں۔

۴- غم فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دے
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

تشریح :- غم فراق میں مجھے باغ کی سیر کرنے کے لیے زحمت کہہ کیونکہ کھلے ہوئے پھولوں کی ہنسی برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔

۵- ہنوز محرمیٔ حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا

محرمی - دیدار - بن مو - بال کی جڑ۔
تشریح :- میرے ہر بال کی جڑ حقیقت کو دیکھنے والی آنکھ کا کام کرتی ہے۔ پھر بھی میں حسن کے دیدار کو ترس رہا ہوں

۶- دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا

تشریح :- حسن پہلے ہی اپنے ناز و ادا سے ہمارے دل کو لے چکا ہے اب اس کے اور تقاضوں کو کیسے برداشت کروں جبکہ میرے پاس دینے کو کچھ ہے ہی نہیں۔

۷- نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدارِ حسرتِ دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

تشریح :- میرے رونے کی مقدار کو میری رونے کی خواہش کے مطابق نہ سمجھو - میرے رونے کی حسرت اس رونے سے کہیں زیادہ ہے - میری نظر میں آنسوؤں کا رونا کوئی وقعت نہیں رکھتا بلکہ دریائے اشک بہانے کا حساب کتاب ہے -

۸- فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اسکو یاد اسد
جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

تشریح :- غالب فرماتے ہیں کہ آسمان کو دیکھ کر مجھے میرا معشوق یاد آجاتا ہے - کیونکہ آسمان کی جفاؤں میں میرے معشوق کا سا ہی انداز جفا نظر آتا ہے -

---

۲۷

۱- قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

تشریح :- جب میرے حسین محبوب نے شراب کے پیالے سے شراب بوند بوند کر کے اپنے منہ میں ٹپکانی شروع کی تو شراب کے قطرے اس کے حسن سے حیران ہو کر سانس کے سلسلہ کی طرح رک رک کر موتیوں کا تماشہ کرنے لگے - اور پیالہ کا خط ان موتیوں میں تاگے کا کام دینے لگا -

۲- اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

تشریح :- میرے محبوب کو میرے عشق پر بے حد یقین ہے مگر یہ اعتبار ہی میرے لئے بدنصیبی کا باعث بن گیا ہے کیونکہ جب کبھی کوئی غیر بھی

آہ بھرے تو ا سے میرا ہی خیال گذرتا ہے اور نتیجہ کے طور پر اس کی خفگی مجھے ہی سہنی پڑتی ہے

۲۸

۱۔

جب بہ تقریب سفر یار نے محمل باندھا
تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

تشریح:۔ جب سفر کرنے کے لئے میرے معشوق نے اونٹ کا کجاوہ درست کیا تو میرے شوق محبت کی گرمی نے صحرا کی ریت کے ہر ذرّے میں ایک دل عاشق کی سی بے قراری بھر دی یعنی ہر ذرہ میری بے تابی کے باعث بے تاب ہو گیا۔

۲۔ اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیِ ناز
جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا

اہل بینش :۔ تماشائی۔

تشریح :۔ تماشائیوں نے دیکھا کہ محبوب کی شوخیوں اور اداؤں کے عکس سے حیران ہو کر فولادی آئینہ کا جوہر طوطی کی طرح تڑپ رہا ہے ہرا ہونے کیوجہ سے جوہر آئینہ کو طوطی کہا ہے

۳۔ یاس و امید نے یک عربدہ میداں مانگا
عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

عربدہ میداں :۔ میداں جنگ۔ عجز ہمت۔ کم ہمتی

تشریح :۔ امید و بیم نے جنگ کرنے کی خاطر ایک میدان جنگ کی خواہش کی اور میری پست ہمتی نے میرے دل کو میدان طلسم بنا کر پیش کر دیا جس میں یہ جنگ لڑی جا رہی ہے۔

۴۔ نہ بندھے تشنگیٔ شوق کے مضموں غالبؔ
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ انتہائے مبالغہ سے کام لے کر ہم نے بھرے ہوئے دریا کو خشک ساحل کہہ دیا تو بھی عشق کی پیاس کا بیان صحیح طور سے نہیں ہو پائے گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عشق کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔

۲۹

۱۔ میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا۔

تشریح:۔ مجھ سا میخوار اور شراب کی محفل سے پیاسا واپس چلا آئے کتنے افسوس کی بات ہے۔ اگر میں نے شراب پینے سے توبہ کر لی تھی تو ساقی کا فرض تو شراب پلانا تھا۔ اس نے زبردستی کیوں نہ پلا دی۔

۲۔ ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے ہوئے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا۔

تشریح۔ جب تک ہم ان کے تیر نظر کے شکار نہ ہوئے تھے تب تک دل اور جگر اپنی اپنی جگہ قائم تھے مگر اب تو ان کی نگاہوں کے تیر نے دل اور جگر دونوں کو زخمی کر کے ایک کر دیا ہے۔

۳۔ درماندگی میں غالبؔ کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

تشریح:۔ جب ہماری زندگی کے تاگے (رشتہ) میں کوئی گرہ نہیں

تھی اس وقت ہمارے ناخن گرہ کھولنے کے قابل تھے یعنی جب ہم مصیبتیں دور کر سکنے کے قابل تھے تب تو کوئی آفت نازل نہیں ہوئی۔ اب اے غالب! جب مصیبتیں آپڑی ہیں۔ اگر کوئی چارہ بن سکے تو بات ہے یعنی اب مصائب سے چھٹکارہ پانے کی ہمت نہیں۔

۳۰

۱۔ گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

تشریح:۔ لوگ کہتے ہیں کہ میرے گھر کی ویرانی کی وجہ میرا رونا ہے مگر ایسی بات نہیں ہے کیونکہ میرا گھر تو نہ رونے کی صورت میں بھی ویران ہوتا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح اگر سمندر میں پانی نہ رہے تو وہاں پر ویران میدان رہ جائے گا۔

۲۔ تنگیِ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

تشریح:۔ اس بدنصیب دل کی تنگی کا کیا گلہ؟ اس کے مقدر میں تو مصائب ہی ہیں۔ اگر یہ تنگ (غمگین) نہ ہوتا تو پریشان ہوتا۔ کسی بھی صورت میں اسے چین نصیب نہیں۔ شعر کی خوبی یہ ہے کہ تنگ اور پریشان متضاد معنی ہوتے ہوئے بھی یک معنی بنا کر لائے گئے ہیں۔

۳۔ بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے
کاش رضواں ہی درِ یار کا درباں ہوتا

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ عمر بھر کی اس پرہیزگاری کے بعد اگر ہم چلتے

تو رضواں ہمیں بہشت کے اندر داخل ہونے دیتا۔ مگر محبوب کے دربان نے ہماری عمر بھر کی پرستش کے بعد بھی محبوب کے گھر میں قدم نہ رکھنے دیا۔ کاش اس سنگدل دربان کی جگہ بہشت کا داروغہ رضواں ہی میرے معشوق کے گھر کا دربان ہوتا۔

۳۱

۱۔ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

تشریح:۔ جب اس عالم میں کچھ بھی نہیں تھا تو خدا ہی خدا تھا۔ اور اگر اب بھی کچھ نہ ہوتا تو خدا ہی ہوتا۔ یعنی اس عالم وجود میں ہر چیز خدا سے ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ اسی طرح اگر میری ہستی نہ ہوتی تو میں کیا ہوتا یعنی خدا ہوتا۔ کیونکہ میرا وجود تب ہی ہوا جب میں خدا سے جدا ہوا۔

۲۔ ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا

نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

تشریح:۔ کثرتِ غم سے مرا سر اس قدر بے حس ہو گیا ہے کہ اگر یہ کٹ بھی جائے تو پتہ نہ چلے۔ بھلا ایسے سر کے کٹنے کا کیا غم؟ اگر یہ دھڑ سے جدا نہ بھی ہوتا تو وہ میرے زانو پر ایسے ہی دھرا رہتا جیسے کہ کٹ کر زمین پر ہی پڑا ہو۔

۳۔ ہوئی مدت کہ غالبؔ مر گیا پر یاد آتا ہے

وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

تشریح :- اپنی قناعت اور بے ثباتیٔ دنیا کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غالب کو مرے مدت ہو چکی ہے۔ مگر یار لوگ اب بھی اس کی اس بات کو یاد کرتے ہیں جب وہ کہا کرتا تھا۔ کہ اگر یہ بات اس طرح نہ ہو کر اس طرح ہو جاتی تو کیا تھا۔ یعنی دنیاوی فوائد سے اسے کوئی مطلب نہ تھا۔

۳۲

۱- یک ذرّہ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

تشریح :- باغ کی مٹی کا ایک ذرہ بھی فضول نہیں۔ اس کی اپنی قیمت و منفعت ہے باغ کی پگ ڈنڈی پھول کے داغ روشن کرنے والی ہے یعنی راہ کا ایک ایک ذرہ پھول کو نور بخشنے والا ہے۔

۲- بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی
کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

آشوب - شورش ۔ ایاغ - جام - پیالہ

تشریح :- عقل کی شورش کا مقابلہ کرنے کی طاقت شراب کے سوا اور کس میں ہے؟ اسی لئے پست ہمتی نے عقل و فہم پر جام شراب کے خط بنا کر اسے مٹا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ مصائب عالم سے خلاصی حاصل کرنے اور دل کو ان سے بچانے کے لئے شرابنوشی ہی ایک راستہ ہے۔

۳- بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

تشریح :- بلبل پھول کے عشق میں آہ و فریاد میں معروف ہے مگر پھول اس کے جواب میں ہنس رہے ہیں۔ (اس کے عشق کو پاگل پن سمجھ کر) اس سے پتہ چلتا ہے کہ عشق دماغ کی خرابی کا دوسرا نام ہے۔

۴ - تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے
تریاکیٔ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

تریاکیٔ قدیم - عادی افیونچی یا چنڈو باز۔

تشریح :- شعر کہنے کا نشہ مجھے کچھ نیا نہیں لگا۔ چنڈو پی کر دھواں چھوڑنے والے پرانے چنڈو باز کی طرح میں شمع کے سامنے بیٹھ کر شعر کہنے کا پرانا عادی ہوں۔

۵ - سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

عدو - دشمن

تشریح :- ہم نے عشق کی قید سے کئی بار فراغت و راحت حاصل کی مگر کیا کریں دل اس آزادی و آسائش کا دشمن ہے۔ بار بار عشق کی قید میں پھنس جاتا ہے۔

۶ - بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار
یہ مے کدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

تشریح :- خون دل کے بغیر آنکھ گرد و غبار ہے۔ بینائی نہیں یعنی اگر آنکھ غم فراق میں دل کا خون نہیں بہاتی تو یہ آنکھ اس ویران شراب خانہ کی طرح ہے جس میں شراب کی عدم موجودگی میں مٹی اڑتی ہے

۷۔ باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
ابرِ بہار خم کدہ کس کے دماغ کا

تشریح :۔ تیرا پُر بہار حسن ہمارے دل کی خوشی کا سرمایہ ہے اور ابرِ بہار نے جو مے خانوں کے سے باغ شگفتہ کر رکھے ہیں اس کی کسے پرواہ ہے یعنی تیرے روبرو اس کی کوئی ہستی نہیں۔

۳۲

۱۔ وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا
رازِ مکتوب بہ بے ربطیٔ عنواں سمجھا

تشریح :۔ جس طرح خط کا پتہ اگر بے ربط ہو تو بتا دیتا ہے کہ اندر کا مضمون پُر غم ہے۔ ٹھیک اسی طرح اس نے میرے ماتھے پر پڑی ہوئی شکن سے میرے دل میں چھپے ہوئے غم کا اندازہ کر لیا۔

۲۔ یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

تشریح :۔ "اردوئے معلیٰ" میں غالبؔ نے خود اس شعر کی تشریح یوں دی ہے:۔

"پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ آئینہ سے مراد فولاد کا آئینہ ہے، ورنہ حلبی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کرو گے بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی۔ اس کو الف صیقل کہتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوا تو اب اس کے مفہوم کو سمجھئے
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتدائے سن تمیز سے مشق جنوں ہے۔ اب تک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہوا۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی موجود ہے۔ چاک کی صورت بھی الف کی سی ہوتی ہے اور چاک آثار جنوں میں سے ہے۔"

مطلب یہ کہ دل کے آئینہ کو صاف کرنے کی کوشش بڑی مدت سے کر رہا ہوں۔ مگر ابھی تک ایک لکیر بنی ہے۔ اب تنگ آ کر اس دنیا کے تعلقات کو اسی طرح چاک کرتا ہوں جیسے کہ میں نے اسے گریبان سمجھ لیا ہو

۳۔ شرح اسباب گرفتاریٔ خاطر مت پوچھ
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

تشریح:۔ غم محبت میں جو میرا دل گرفتار ہو گیا ہے اس کی وجہ مت پوچھ۔ یہ محبت کی پریشانیوں سے اس قدر تنگ ہو چکا ہے کہ میں نے اسے زنداں (قید خانہ) سمجھ لیا ہے۔

۴۔ بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام
رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

تشریح:۔ میری بدگمانی کو یہ گوارا نہ تھا کہ میرا محبوب چلتا پھرے کیونکہ چلنے سے اس کی جبیں پر پسینے کی جو بوندیں آ جاتی ہیں وہ مجھے اس کے چہرے پر جمی ہوئی رقیب کی آنکھیں معلوم ہوتی ہیں۔

۵۔ عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
نبض خس سے تپش شعلۂ سوزاں سمجھا

تشریح:۔ میں نے اپنی عاجزی سے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ میرا معشوق

ضرور ہی تند مزاج ہوگا۔ اس کا اندازہ میں نے اس طرح کر لیا تھا کہ جس طرح تنکے کی نبض دیکھ کر اسے جلانے والے شعلہ کی گرمی کو سمجھ لیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس آگ کا شعلہ ایک خشک تنکے کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے اسی طرح میرے معشوق کی آتش غضب میری عاجزی کی وجہ سے میرے لیۓ باعث ہلاکت ہوگی۔

۶۔ سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تشریح :۔ راہ عشق میں چلتے چلتے میں ضعیف و نحیف ہو گیا تو میری ناتوانی نے آرام کی خواہش ظاہر کی۔ مگر صحرائے عشق میں آرام گھر کہاں۔ اس لیۓ میں نے اپنے سایہ کو ہی آرام دہ سایہ سمجھ لیا اور بڑھتا چلا گیا یعنی ہر قدم پر آنے والے سائے کو آرام خانہ سمجھ کر اس کی طرف لپکتا چلا گیا۔ اور سفر جاری رہا۔ اسی امید میں کہ اگلے قدم پر آرام گھر ہے۔

۷۔ تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ
دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

تشریح :۔ آخری دم تک میرا دل معشوق کے تیر نظر سے بچنے کی کوشش میں لگا رہا مگر بے سود۔ آخر کار اسے (دل کو) ان تیروں کا شکار ہونا پڑا۔ مطلب یہ کہ معشوق کے تیر نگاہ نے ہمارا کام تمام کر ہی دیا۔ اور دل نے قضا کے ان تیروں سے بچاؤ کس قدر آسان سمجھ رکھا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔

۸- دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسدؔ
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

تشریح:- اے اسدؔ! تو نے اس بت کافر کو وفادار سمجھ کر دل کیوں دیا۔ یہ تیری غلطی تھی جو تو نے ایک کافر کو مسلمان سمجھا جس طرح ایک کافر خدا کا وفادار نہیں۔ اسی طرح یہ کافر محبوب بھی اپنے عاشق کا وفادار نہیں ہوتا۔

۳۴

۱- پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دیدہ تر۔ تر آنکھیں۔ عاشق کی آنسوؤں سے پر آنکھیں

تشریح:- محبوب کی یاد عاشق کو ستاتی رہتی ہے اور وہ اس کی یاد میں آہ و فریاد کرتا رہتا ہے۔ کچھ دیر بعد جب پھر گذشتہ بار کا رونا اور آنکھوں کا اشکبار ہونا یاد آیا اور سارا پرانا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا تو دل اور جگر کو بھی فریاد کرنے کی آرزو ہوئی۔ یعنی فریاد کرنے لگے

۲- دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

تشریح:- محبوب کے رخصت ہونے پر عاشق کے لئے قیامت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابھی پچھلی بار معشوق کی جدائی پر جو قیامت آئی تھی وہ ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ رخصت کا وقت پھر یاد آگیا اور پھر وہی قیامت بپا ہو گئی ہے

فرداودی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا ؛ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

۳۔ سادگی ہائے تمنا یعنی
پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا

نیرنگ نظر۔ نظر کا جادو یا طلسم

تشریح :۔ محبوب کی آنکھوں میں جادو ہوتا ہے اور وہ ایک ہی نظر سے عاشق کو مسحور و مجبور کر دیتا ہے۔ عاشق اپنی سادہ لوحی سے اس دام فریب میں پھنس جاتا ہے۔ وہ محبوب کی آنکھ کے اشاروں سے سمجھتا ہے کہ اب مراد بر آئی۔ مگر وہ تو محض طلسم اور فریب ہوتا ہے۔ مگر عاشق کی سادگی دیکھئے وہ ناکام ہونے پر بھی وہی تمنا برابر کئے جاتا ہے۔ محبوب کی جادو بھری آنکھیں اسے پھر یاد آتی ہیں اور وہ پھر اس کی تمنا کرنے لگتا ہے

۴۔ عذر واماندگی اے حسرت دل
نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

عذر واماندگی۔ عاجزی اور مجبوری کا عذر

تشریح :۔ عاشق کا جگر نالہ و فریاد کرتے کرتے رہ گیا۔ فریاد کے زور شور میں تباہ ہو گیا۔ اب دل میں وہ ہمت ہی نہیں۔ اس لئے عاشق دل کو معذوری و عاجزی کا بہانہ پیش کر رہا ہے اور جگر کو یاد کر رہا ہے جو فریاد کرنے کی ہمت اور جرأت رکھتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کے دل میں فریاد کرنے کی حسرت تو ہے مگر اب وہ جگر نہیں۔

۵ زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گذر یاد آیا

راہ گذر - راستہ - راہ عشق

تشریح :- عاشق راہ محبت میں قدم رکھنے پر پچھتا رہا ہے۔ کیونکہ یہاں رنج و غم کے سوا کوئی کام نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عشق زندگی بسر کرنے کا ذریعہ ہے۔ مگر عشق کے بغیر بھی تو زندگی گذر سکتی ہے۔ عشق کی مصیبت کیوں مول لی جائے۔

۶- آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

تشریح :- جگر فریاد کرتے کرتے تباہ ہو گیا۔ اب دل میں وہ جرأت ہی نہیں۔ اس لئے دل سے تنگ آ کر عاشق جگر کو یاد کر رہا ہے۔

۷- پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

مگر - شاید

تشریح :- عاشق کا دل محبوب کے کوچہ میں گم ہو گیا۔ اب جو کوچہ یار کا خیال آتا ہے تو ساتھ ہی گم شدہ دل بھی یاد آجاتا ہے۔

۸- کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

تشریح :- عاشق کے گھر کی ویرانی کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک جنگل ہے اور کسی جنگل کو دیکھتے ہیں تو وہ گھر یاد آجاتا ہے۔

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

تشریح:- محبوب کے گھر میں جو رونق اور بہار ہوتی ہے - وہ بہشت میں کہاں نصیب ہو سکتی ہے - اس لئے عاشق جب بہشت میں جائے گا تو اسے محبوب کا گھر یاد آئے گا اور وہ بہشت سے نکل آنے کی تمنا کرے گا - مگر دار وغہ بہشت اسے اجازت نہ دیگا اور "تو تو اور میں میں" تک نوبت آئے گی -

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

۱۰- میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

تشریح:- مجنوں جو عشق لیلیٰ میں پاگل تھا - لڑکے پتھر پھینکتے تھے - اور میں بھی بچپن میں اس کے سر پر پتھر مارنے لگا کہ مجھے اپنا سر یاد آگیا - جس میں جنون محبت بھرا تھا - یعنی میں خود عشق میں پاگل اور مجنوں تھا - مراد یہ ہے کہ عاشق بچپن ہی سے گرفتار عشق ہے -

---

۳۵

۱ ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

عناں گیر:- باگ تھامنے والا مراد روکنے والا -

تشریح:- معشوق کے دیر کرکے آنے پر گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو جو دیر کرکے آیا ہے اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی - مانا کہ تم آرہے تھے مگر راہ میں کسی نے روک لیا ہوگا - کسی سے مطلب رقیب ہے -

۲- تجھ سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبی تقدیر بھی تھا

تشریح:- اگر اپنی بربادی کا گلہ میں تم سے کروں تو یہ غلط ہے اس میں تو میری ہی قسمت کی خوبی کا ہاتھ تھا۔ یعنی میری ہی قسمت میں بربادی تباہی لکھی تھی۔ تیرا اس میں کیا قصور؟

۳- تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

فتراک۔ شکار بند۔ نخچیر۔ شکار

تشریح:- اگر تو میرا پتہ بھول گیا ہے تو میں تجھے یاد کرا دیتا ہوں یاد کرو کہ تم نے اپنے شکار بند میں کبھی کسی شکار کو رکھا تھا۔ اور اب اسے فراموش کر چکے ہو۔ میں ہی تو وہ شکار ہوں۔

۴- قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گراں باریٔ زنجیر بھی تھا

تشریح:- محبت کی قید میں تیرے عشق میں دیوانے کو تیری زلف کی یاد آتی رہے جس نے کہ اسے قید کیا تھا۔ اس کے ساتھ زنجیر بھاری ہونے کی وجہ سے تکلیف دہ تھی مگر یہ تکلیف کم معلوم دیتی تھی کیونکہ تیری زلف کی زنجیر کے مقابلہ میں یہ اتنی بھاری نہیں۔

۵- بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

تشریح:- معشوق اپنے حسن کی ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا اسی کا گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں تم بجلی کی طرح میری آنکھوں کے سامنے سے گذر گئے تو اس سے کیا۔ تم کوئی بات بھی کر کے جاتے میں تمہاری بات

سننے کا بھی پیاسا تھا۔

۶۔ یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

تشریح :۔ میں نے اسے یوسف کہا اور وہ چپ ہو رہا۔ یہی خیر ہوئی۔ مطلب یہ کہ میں نے اسے غلام تک کہا مگر وہ اسے پی گیا۔ ورنہ اس کے بگڑ جانے پر میں سزا کا مستحق تھا۔

۷۔ دیکھ کر غیروں کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے طالبِ تاثیر بھی تھا

تشریح :۔ میں غمِ عشق میں فریاد کرتا تھا اور اس فریاد کی تاثیر بھی چاہتا تھا۔ اب رقیبوں کو برے حال دیکھ کر میرے دل کو کچھ تسلی ہوئی ہے۔ کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ غیروں کی بدحالی کی وجہ میری فریاد کی تاثیر ہے

۸۔ پیشے میں عیب نہیں رکھیئے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

آشفتہ سر۔ عاشق دیوانہ۔ جواں میر۔ جوانی میں مرنے والا

تشریح :۔ معمولی پیشے کو اگر عاشق اختیار کرے تو بھی اس میں کوئی عیب نہیں اس لئے فرہاد کو ہم کوہ کنی کا حقیر پیشہ اختیار کرنے پر بدنام نہیں کر سکتے۔ وہ جواں مرگ ہم ہی دیوانہ عاشقوں میں سے تھا۔

۹۔ ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

تشریح :- ہم مرنے کو تیار تھے۔ جلو اس (یار) نے پاس آکر قتل کرنا پسند نہیں کیا تو نہ سہی۔ کیا اس کے ترکش میں بھی کوئی تیر نہ تھا کہ دور سے ہمیں مار دیتا۔ مطلب یہ کہ میرا قتل کرنے کے لئے میرے نزدیک آنا اسے گوارا نہیں تو دور سے تیر پھینکنے ہی سے کیوں آنا کانی کی۔

۱۰۔ پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

تشریح :- اصولاً ہمارے اعمال کا فیصلہ کرتے وقت کوئی شہادت یا گواہی ہونی چاہیئے۔ مگر خدا کی عدالت میں ہم کو صرف فرشتوں کے لکھ دینے پر پکڑ لیا گیا ہے۔ جب کراماً کاتبین نے ہمارے اعمال لکھے کیا اس وقت میری برادری انسان میں سے بھی کوئی ان کے پاس تھا۔ جو کہ شہادت دے سکے۔

۱۱۔ ریختے کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

تشریح :- کہتے ہیں اے غالب تمہیں ایک اردو زبان کے استاد نہیں ہو۔ پہلے وقتوں میں کوئی میر بھی تھا۔ میر کی آڑ لیکر خود کو استاد کہہ گئے ہیں۔

۳۶

۱۔ لبِ خشک در تشنگی مُردگاں کا
زیارت کدہ ہوں، دلِ آزردگاں کا

در تشنگی مُردگاں — پیاسے مرنے والے

تشریح :- پیاس سے مرنے والے مردوں کے خشک ہونٹوں کی

طرح میں بھی پژمردہ ہوں اور ستائے ہوئے دل والے عشاق کی زیارت گاہ ہوں۔ یعنی اپنی افسردگی اور دل آزردگی کی وجہ سے محروم القسمت عشاق میں میرا درجہ بلند ہے

۴ ہمہ ناامیدی، ہمہ بدگمانی
میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

تشریح :۔ میں سرتاسر ناامیدی اور بدگمانی سے بھرا ہوں۔ میں ایک ایسا دل ہوں جس نے وفا کا فریب کھایا ہو۔

۳۷

۱۔ تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

تشریح ۔ ستمگر سے مراد محبوب ہے۔ فرماتے ہیں اے ستمگر! تو کبھی کسی کا دوست نہ ہوا۔ اور تو نے غیروں پر وہ ظلم ڈھائے جن سے کہ میں محروم رہا۔ عاشق کو یہ بھی گوارہ نہیں کہ اس کے معشوق کے جور و ستم میں بھی کوئی شریک ہو

۲۔ چھوڑا مہ نخشب کی طرح دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

تشریح :۔ کہتے ہیں کہ قدرت نے جو آفتاب چھوڑا ہے وہ میرے معشوق کے جمال کا مقابلہ نہیں کرسکتا اسی طرح جس طرح کہ مہ نخشب اصل چاند کے برابر نہیں تھا۔ (مہ نخشب اس مصنوعی چاند کو کہتے ہیں جو ابن عطار نے بنایا تھا۔ اور یہ چاہ نخشب میں سے نمودار

ہوا کرتا تھا۔

۳۔ توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

تشریح:۔ شروع سے یہ دستور ہے کہ اپنی اپنی ہمت کے مطابق ہی کسی انسان کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ پانی کی بوند تو سمندر میں گر کر موتی بن گئی۔ مگر وہی پانی کی بوند اپنی ہمت سے معشوق کی آنکھوں میں جگہ حاصل کرنے کے قابل ہو گئی یعنی آنسو بن گئی۔ اور محبوب کے آنسو کی قیمت موتی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

۴۔ جب تک نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

تشریح:۔ معشوق کے قد کو دیکھنے سے پہلے میں قیامت یا قیامت کے فتنہ کی حقیقت پر اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ مطلب یہ کہ یار کا قامت قیامت سے کم نہیں اور اس کی شوخیٔ خرام قیامت کے فتنے سے کم نہیں۔

۵۔ میں سادہ دل آزردگیٔ یار سے خوش ہوں
یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

تشریح:۔ میں سادہ دل و نادان ہوں اور محبوب کی رنجیدگی سے مجھے خوشی ہے کیوں کہ اس رنجیدگی سے پیشتر محبوب خوش تھا اور خوشی میں مجھے اظہارِ عشق کا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا۔ اس لئے کہ اسے اس کی پرواہ ہی نہیں تھی۔

۶- دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

تشریح:- جب میں نے اپنا دامن گناہوں کے دریا میں چھوڑا تو وہ اپنی کم مائگی کی وجہ سے فوراً ہی خشک ہو گیا۔ اور میرے دامن کا سرا بھی نہ بھیگ پایا۔ مطلب یہ کہ میں نے تمام گناہ کر لئے ہیں مگر طبیعت نہیں بھری ہے۔

۷- جاری تھی اسدؔ داغِ جگر سے مرے تحصیل
آتش کدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

سمندر - آگ کا کیڑا - فرعِ آتش خوار

تشریح:- داغِ جگر سے میں اس وقت سے فائدہ اٹھا رہا ہوں جب کہ ابھی تک آتش دان میں آگ کھانے والا کیڑا پیدا بھی نہ ہوا تھا۔

۳۸

۱- شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا

ناموس - شرم - رشتہ - تاگا - کسوت - لباس

تشریح:- رات کو جب محبوب بزمِ راز میں رونق افروز تھا تو محفل میں جلنے والی ہر شمع کا تاگا فانوس کے لباس میں کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔ یعنی شمع خود شرمسار ہوئی جاتی تھی۔

۲- مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا
کس قدر یارب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

مشہد - شہید ہونے کی جگہ - ہلاک حسرت پابوس - محبوب کے قدموں کو چومنے کی حسرت میں ہلاک ہونے والا -

تشریح :- عاشق کے شہید ہونے کے مقام سے جو کوسوں تک مہندی اگ آئی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عاشق محبوب کے پاؤں چومنے کی حسرت دل میں لے کر مرگیا - اب اس کے خون سے اُگی ہوئی مہندی محبوب اپنے پاؤں میں لگا کر سیر کو نکلے گا - اور عاشق کی تمنا پوری ہوگی -

۳ - حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو
دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا

تشریح :- محبت کا نتیجہ سوائے آرزوؤں کے ٹوٹنے کے اور کچھ نہیں دیکھا اور عاشق و معشوق کا دل ملتے وقت اس ہونٹ کی صورت پیدا کر دیتے ہیں جو افسردہ ہو - یعنی عاشق و معشوق دونوں دل ملا کر پچھتا رہے ہیں -

۴ - کیا کہوں بیماریٔ غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیموس تھا

کیموس - غذا کی خون بننے کی صورت -

تشریح :- غم کی بیماری میں بے فکری کا بیان کیا کروں - میں خونِ دل کھاتا رہا اور کیموس کے احسان سے بچا رہا - مطلب یہ کہ خون بننے کے لئے خوراک کو کیموس کا مرہونِ منت ہونا پڑتا ہے - عاشق ایسے احسان کے زیرِ احسان نہیں ہوتا کیونکہ وہ پیتا ہی خونِ دل ہے -

---

۲۹

۱ - آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

تشریح :- معشوق کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا کہ وہ کسی پہ فریفتہ نہیں ہو سکتا۔ مگر آئینہ میں جب اپنی شکل دیکھی تو اسی پر عاشق ہو گیا اور دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ بے نیازی کا غرور دھرا کا دھرا رہ گیا۔

۲۔ قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریئے

اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

تشریح :- محبوب کے ہاتھوں کوئی اور قتل ہو، یہ بھی عاشق کو گوارہ نہیں۔ اس لئے کہتے ہیں کہ قاصد کا کوئی قصور نہیں۔ خط بھیج کر قصور میں نے کیا تھا۔ اس کی سزا قاصد کو نہیں بلکہ مجھے دو۔

۴۱

۱۔ عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

تشریح :- اب تیرے تغافل و بے نیازی نے میرے دل کو اس قدر ضعیف و نحیف کر دیا ہے کہ وہ عشق کی خدمت کرنے کے قابل نہیں رہا اصل میں بات تو یہ ہے کہ جس دل پر مجھے اپنے حوصلہ کی وجہ سے فخر تھا وہ دل ہی نہیں رہا۔

۲۔ جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لئے ہوئے

ہوں شمع کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا

تشریح :- میں اپنے دل پر حسرتِ ہستی کا داغ لئے جا رہا ہوں اب تو میں اس بجھی ہوئی شمع کی مانند ہوں کہ جو محفل کے قابل نہ ہو۔

۳- مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

تشریح :- اے دل! اب مرنے کی کوئی اور راہ تلاش کر کیونکہ قاتل معشوق کے ہاتھوں قتل ہونے کے قابل نہیں رہا۔

۴ بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

شش جہت - چاروں اطراف اور زمین و آسمان۔ آئینہ مراد دلِ عارف سے ہے۔

تشریح :- جس طرح ایک آئینہ اس دنیا کی ہر چیز کے عکس کو جوں کا توں پیش کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک عارف کے دل میں بھی ناقص یا کامل کا کوئی فرق نہیں رہتا اور ہر قسم کے عکس کو قبول کر لیتا ہے۔

۵- وا کر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

تشریح :- میرے شوقِ عشق نے حسن کے تمام پردوں کو کھول دیا ہے اور نظر کے پردے کے علاوہ اور کوئی پردہ نہیں رہا۔ مطلب یہ کہ صرف نگاہ کا پردہ ابھی درمیان میں ہے جس سے کہ ابھی میں حسن کو نہیں دیکھ پا رہا یعنی ظاہری آنکھ حسن کو دیکھنے کی خاصیت نہیں رکھتی۔

۶- گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

تشریح :- اگرچہ میں دنیا بھر کے ظلم و ستم سہتا رہا ہوں مگر تیرے خیال کو کبھی نہیں بھلایا۔

۷- دل سے ہوائے کشت وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا

کشت وفا - وفا کا باغ۔

تشریح :- اب تو دل سے باغ وفا کی سیر کی خواہش بھی جاتی رہی کیونکہ اس باغ میں سوائے حسرت کے اور کچھ نہیں ملتا۔

۸- بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

تشریح :- عشق کی آفتوں سے میں نہیں ڈرتا۔ مگر میں کیا کروں؟ جب کہ ان مصائب عشق کو برداشت کرنے والا میرا باعث ناز دل ہی میرے پاس نہیں

۱۴

افسوس

۱- رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

تشریح :- جب محبوب غیر کے ساتھ پر خلوص میل جول رکھتا ہے تو رشک کہتا ہے کہ افسوس ہے۔ مگر عقل کہتی ہے کہ اس میں افسوس کی کیا بات ہے؟ وہ بے مروت تو کسی کا دوست ہی نہیں - تیرے ساتھ بیوفائی کرنے والا بھلا دوسروں سے کیا وفا کرے گا۔

جادو۔ طلسم۔

۲- ذرہ ذرہ ساغر میخانۂ نیرنگ ہے
گردش مجنوں بہ چشمک ہائے لیلا آشنا

اشارے

میخانۂ نیرنگ۔ طلسم کا شراب خانہ۔ چشمک ۔ آنکھ کا اشارہ

تشریح :۔ اس دنیا کا رنگ ایک ذرّہ میخانہ طلسم میں ایک پیالہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اور آسمان کے اشاروں پر یہاں حرکت ہوتی ہے ۔ اسی طرح جس طرح کہ مجنوں کی آوارہ گردی اور صحرا نوردی لیلا کے اشاروں کی آشنا تھی ۔

۳۔ شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرّہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

اربابِ عجز ۔ عاجز لوگ یعنی عشاق ۔ ساماں طراز ۔ سامان مہیا کرنیوالا ۔ نازش ۔ ناز

تشریح :۔ عشاق کے لئے عشق ہی فخر و ناز کا سامان مہیا کرنے والا ہے ۔ اس شوق عشق کی وجہ سے عاجزی و انکساری آجاتی ہے جس کی وجہ سے کہ صحرا کا ایک ذرہ خود صحرا کی طرح وسیع اور قطرہ دریا بن جاتا ہے ۔

۴۔ شکوہ سنجِ رشک ہمدگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

تشریح :۔ رشک کی وجہ سے ہم کو ایک دوسرے سے شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ اگر زانو کو میں نے ہمدم بنا رکھا ہے (کیونکہ اس پر سر رکھے رہتا ہوں) تو تو نے بھی تو آئینہ کو اپنا دوست بنایا ہے جس کو ہمیشہ تو اپنے سامنے رکھتا ہے ۔

۵۔ میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

تشریح :- فراق یار میں، بس رہ گیا ہوں یا میرے ساتھ میرا دیوانہ دل جو کہ آفت کے ٹکڑا ہونے سے کسی طور کم نہیں - مگر میرا یہ ساتھی بھی میری سلامتی کا دشمن اور آوارگی کو چاہنے والا ہے -

۲- کوہکن نقاش یک تمثال شیریں تھا اسدؔ
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

تشریح :- اے اسدؔ! فرہاد تو صرف شیریں کی تصویروں کو ہی بنانے والا تھا - عاشق صادق نہیں - اگر وہ اس کا عاشق کامل ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ پتھر سے سر مار کر پھوڑتا اور اس کی تاثیر سے یار نہ پیدا ہوتا -

---

۴۴

۱- ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

تشریح :- ایک تو اس پری کے سے حسن والے کا تذکرہ اور دوسرے بیان کرنے والا مجھ سا صاحب کمال - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جسے میں نے اپنا رازداں بنایا تھا - وہ بھی اسے چاہنے لگا اور میرا رقیب بن گیا -

۲- مے وہ کیوں بہت پیتے بزم غیر میں یارب
آج ہی ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا

تشریح :- اگر محبوب نے اپنی مے نوشی کا امتحان لینا ہی تھا تو غیر کی بزم ہی کیوں اس نے چنی - میرا گھر بھی تو حاضر تھا -

۳- منظر ایک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

تشریح - کاش ہمارا گھر آسمان کی بجائے اس سے کم بلندی پر ہوتا تب ہم اس جگہ سے بلند ایک اور مقام بنا لیتے جس کی ہم سیر کرتے۔ عرش پر ہمارا مکان ہونے کی وجہ سے ہم اور بلندی پر نہیں جا سکتے۔

۴- دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

تشریح:- یار کے دروازے کا پہریدار ہمیں گالیاں دیتا ہے وہ اپنا پرانا واقف ہے۔ اس لئے وہ جتنی جی چاہے جھڑکیاں دے ہم اس بے عزتی کو دوست کی باتیں سمجھ کر ہنسی میں ٹال دیں گے۔

۵- دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا

تشریح:- محبوب کے خط میں دردِ دل لکھتے لکھتے انگلیاں زخمی ہو گئی ہیں اور قلم بھی خون ٹپکانے لگا - اس بات کو یوں ادا کرتے ہیں کہ داستان دردِ دل کب تک لکھتا جاؤں - کیوں نہ جا کر ان کو زخمی انگلیاں اور خون ٹپکاتا قلم دکھا دوں جس سے وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔

۶- گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستاں اپنا

تشریح:- محبوب سے خطاب ہے۔ فرماتے ہیں کہ تو نے میرے سجدہ کو اپنے سنگ آستاں کے لئے باعث عار سمجھا اور اس پتھر کو ہی بدل ڈالا یہ آپ نے فضول ہی بدلا کیونکہ وہ خود ہی میرے بار بار سجدہ کرنے کی وجہ سے گھس گھس کر ختم ہو جاتا۔

۷۔ تاکرے نہ غمازی کرلیا ہے دشمن کو
دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

تشریح:۔ اپنے محبوب کی شکایت کرنے میں ہم نے اپنے رقیب کو بھی اپنے ساتھ ملالیا ہے تاکہ وہ ہماری چغلی نہ کھا سکے مطلب یہ کہ ہمارا ہمزبان اور ہمخیال ہونے کی وجہ سے وہ رقیب شوق کے سامنے ہماری چغلی نہ کھا سکے گا۔

۸۔ ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

تشریح۔ اے غالب! ہم میں کون سی دانائی تھی یا ہم کس ہنر میں کامل تھے کہ آسمان ہم سے دشمنی کرنے لگا۔ آسمان اہل فن کا دشمن ہوتا ہے

۳۴

۱۔ سرمہ مفت نظر ہوں میری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

تشریح:۔ میں نظر کی طرح مفت سرمہ ہوں۔ میری قیمت یہی ہے کہ جو مجھے آنکھوں میں ڈالے اس پر میرا احسان بنا رہے۔

۲۔ رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا

تشریح:۔ اے ظالم محبوب! تو مجھے آہ وزاری کی اجازت دیدے ورنہ ایسا نہ ہو کہ میرے غم سے متاثر ہو کر تیرا چہرہ بھی مغموم ہوجائے اور لوگوں پر میرا پوشیدہ غم ظاہر ہوجائے۔

۱۔ غافل یہ وہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طرۂ گیاہ کا

تشریح :۔ اپنے پہ ناز کرنے کے وہم میں مبتلا ہو کر اپنی ہستی سے غافل انسان خود بخود بھول رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس خدا کی مرضی کے بغیر پتہ تک نہیں ہل سکتا اور گھاس کی ہر زلف (تنکہ) کو باد صبا خدا کی مرضی سے سنوارتی ہے۔

۲۔ بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صید ز دام جستہ ہے اس دامگاہ کا

صیدِ ز دام جستہ۔ جال سے بھاگا ہوا شکار۔ دامگاہ۔ دنیا

تشریح :۔ اس دنیا کے شراب خانے میں عیش کی خواہش نہ رکھ کیونکہ اس کا رنگ عارضی ہے جس طرح کہ جال سے بھاگا ہوا کوئی شکار ہوتا ہے۔ دنیا کو بزم قدح اس لئے کہا ہے کیونکہ شراب کا رنگ یا نشہ عارضی ہوا کرتا ہے

۳۔ رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

تشریح :۔ اپنے کئے پر شرمندگی کا اظہار نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ رحمت الٰہی شرمندگی کی وجہ سے ہی معاف کر دے۔

۴۔ مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پُر گل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

تشریح :- قتل ہونے پر جو زخم آئیں گے ان زخموں کے خیال سے میری
نگاہ کا دامن گویا پھولوں سے بھر گیا۔ یعنی زخموں کے خیال پھول جیسے ہیں
اسی لئے میں قتل گاہ کی طرف کتنی خوشی سے جا رہا ہوں۔

۵- جاں در ہوائے یک نگہِ گرم ہے اسدؔ
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

تشریح :- محبوب سے کہتے ہیں کہ اسدؔ تیری ایک پر شوق نگاہ پر جان
قربان کرنے کو تیار ہے۔ اور پروانہ میرا وکیل ہے جو تجھے بتا دے گا شمع کی
طرح تو بھی مجھے ویسے ہی ایک ہی نظر میں ختم کر دے۔ جیسے کہ پروانہ خود ہوتا ہے

۴۵

۱- جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

تشریح :- محبوب جور و ظلم سے باز آیا۔ مگر وہ باز کیسے آسکتا ہے۔ کہتا
ہے مجھے پچھلے جور ظلم کے سبب شرم آرہی ہے اب میں تمہیں کیا منہ دکھاؤں
یعنی تمہارے سامنے نہیں آسکتا۔ تو گویا محبوب کی شرمساری بھی ایک
اور جور ہوا کیونکہ عاشق اس کے دیدار سے محروم رہا۔

۲- رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

تشریح :- ساتوں آسمان گردش میں مصروف ہیں آخر کچھ تو ہمارے
لئے اس سے بھلائی کی صورت نکلے گی گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

۳- لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

لاگ - دشمنی - لگاؤ - محبت

تشریح :- لاگ اور لگاؤ دونوں اسم ایک ہی مصدر (لگنا) سے مشتق ہیں اور ان میں اشتباہ (دھوکا) ہو سکتا ہے۔ لفظی طور پر شعر کی خوبی یہ ہے کہ مشتبہ الفاظ متضاد معنی میں استعمال کئے ہیں۔ مطلب یہ کہ عاشق محبوب کی لاگ (دشمنی) کو بھی لگاؤ (دوستی) سمجھ سکتا ہے اور دھوکا کھا سکتا ہے لیکن جب لاگ بھی نہ ہو اور لگاؤ بھی نہ ہو پھر وہ کس چیز پر دھوکا کھائے گا عاشق تو محبوب سے ہر حالت میں تعلق چاہتا ہے خواہ لاگ کا ہی ہو ۔
قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے ⁂ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

۴- ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

تشریح :- عاشق اپنا خط قاصد کے ہاتھ محبوب کو بھیجتا ہے مگر جواب کے لئے اتنا بے تاب ہے کہ اس کے ساتھ ہی چل دیتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ نامہ اور نامہ بر کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ وہ خود جا رہا ہے۔ مگر پھر سنبھل جاتا ہے کہ اپنا جانا تو شرم اور ندامت کا موجب ہوگا۔

۵- موجِ خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

تشریح :- کہتے ہیں پانی تو کیا اگر خون بھی سر سے گذر جائے تو بھی عاشق محبوب کی دہلیز سے اٹھ کر نہ جائے گا۔ یعنی عشق کی راہ میں قدم جمائے

رکھے گا۔ اور بے وفائی کا دعبہ نہ لگنے دے گا۔ اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں۔

۶۔ عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

تشریح۔ ساری عمر تو ہم موت کی راہ دیکھتے رہے۔ محبوب کے عشق میں مرتے رہے۔ مگر دیدار سے محروم رہے۔ اب دیکھئے مرنے کے بعد کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔ آیا اپنا رخ حسین دکھلائیں گے یا کچھ اور۔

۷۔ پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلا دو کہ ہم بتلائیں کیا

تشریح:۔ عاشق تو صدق محبت میں جان تک قربان کر رہا ہے اور محبوب کا تغافل ملاحظہ ہو کہ ابھی یہ پوچھتا ہے کہ یہ "عاشق ہے کون"؟ اور محبوب مجھے جانتے ہوئے بھی انجان بن رہا ہے۔ تو میں اس کے سوال کا کیا جواب دوں؟

۴۶

۱۔ لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا

تشریح:۔ بغیر کثافت کے لطافت اپنا جلوہ نہیں دکھا سکتی۔ جس طرح باغ (سبزہ) باد بہاری کے آئینہ کا زنگ ہے۔ مطلب یہ کہ آئینہ باد بہاری جب زنگ آلود ہوا تو چمن کا نام پایا۔

۲۔ حریف جوشش دریا نہیں خودداری ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعوی ہوشیاری کا

تشریح:- خودداری کے باعث اگر ساحل دریا کے طوفان کا مقابلہ کرنے کی سوچے تو یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح اے محبوب! جس محفل میں تو ساقی ہو وہاں بے خودی نہ چھائے اور کوئی ہوشیاری کا دعوی کرے تو یہ جھوٹ ہے۔

۴۵

۱- عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تشریح:- قطرہ کی خوشی اسی میں ہے کہ وہ دریا میں مل جائے اور دریا بن جائے۔ اسی طرح درد اپنی حد یعنی دل سے گذر کر رگ رگ میں سما جائے تو یہی اس کی دوا ہے۔

۲- تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

تشریح:- جس طرح حروف کی ترتیب سے کھلنے والے قفل میں لفظ بن جانے پر قفل کھل جاتا ہے یعنی ایک سرا دوسرے سے جدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی میری قسمت میں تجھ سے بات بنتے ہی جدا ہو جانا لکھا تھا۔

۳- دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا

تشریح:- دل کے رنج والم دور کرنے کی کوشش میں دل کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی طرح جس طرح کہ ایک گرہ کھولنے کی کوشش میں گرہ خود ہی گھس گھس کر ختم ہو جائے۔

۴- اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

تشریح :- اے میرے محبوب ! تو نے مہر و کرم تو چھوڑا ہی تھا، اب ہم پر جور و ستم کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کیا کہوں تیرے تغافل کے بارے میں ؛ تو اس قدر وفاداروں کا دشمن ہو گیا ہے۔

۵- ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
یاد آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

تشریح :- کمزوری کی وجہ سے میں رو نہیں سکتا۔ اور میرے آنسو ٹھنڈی سانس بن رہے ہیں۔ اب ہمیں یہ یقین آ گیا کہ پانی ہوا بن سکتا ہے۔

۶- دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

تشریح :- میرے دل سے تیری حنائی انگلی کا خیال مٹ جانا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کہ گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا ناممکن ہے۔

۷- ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

تشریح :- غمِ فراق میں مر جانا میرے لیے ویسے ہی پُر لطف ہے جیسے کہ ابرِ بہار کا برس کر کھل جانا پُر لطف ہوتا ہے۔

۸- گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

جولاں - تیز رفتار

تشریح :- تیرے کوچے کی خوشبو کے عالم کا کیا کہوں۔ پھول کی خوشبو کو بھی وہاں جانے کی خواہش ہے - اگر ایسا نہیں تو وہ کیوں تیز رفتار صبا کے راستے کی گرد بننے کی کوشش کرتی ہے۔

۹ - تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل

دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا

تشریح :- تو برسات کے موسم میں آئینہ کا سبز ہو جانا دیکھ جس سے تجھ پر (دل کو) صیقل کرنے کا معجزہ کھل جائے گا - مطلب یہ کہ جس طرح برسات میں آئینہ سبز ہو کر چمن بن جاتا ہے - اسی طرح اگر تیرے دل کے آئینہ پر صیقل ہو جائے تو وہ بھی سبز ہو کر ایک چمن بن جائے گا۔

۱۰ - بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالبؔ

چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

تشریح :- کہتے ہیں اے غالبؔ! پھولوں کا جلوہ یعنی بہار ہر ایک کو پھول دیکھنے کا ذوق بخشتا ہے - اس لئے آنکھ کو بھی چاہیئے کہ ہر وقت کھلی رہے اور ہر رنگ کا تماشا کرے۔

ردیف میم

(ا)

ا۔ غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

تشریح :- ہم آزادوں کو ایک لمحے سے زیادہ غم نہیں ہوتا۔ یعنی غم ہمارے دل میں اگر زیادہ دیر نہیں ٹک سکتا۔ جس طرح چمکنے والی بجلی ماتم خانہ میں آکر اپنی چمک سے شمع جلا کر فوراً بجھ جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح غم بھی ہمارے دل میں آکر آناً فاناً دور ہو جاتا ہے۔

۲۔ محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانِ نیرنگیِ یک بت خانہ ہم

تشریح :- گنجفہ کھیلنے والے کی طرح میرا خیال پچھلی محفلوں کو باری باری یاد کرتا ہے۔ کبھی ایک محفل کی یاد آتی تو کبھی دوسری کی۔ مانو کہ ہم کسی طلسمی بت خانہ کی ورق گردانی کر رہے ہوں۔

۳۔ باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

تشریح :- پروانہ کے دل میں جس روشنی نے رونق پیدا کی ہوئی ہے۔ وہی روشنی ہمارے دل میں بھی ہے۔ اور پروانے کی طرح ہی ہمارے دل میں بھی ارمانوں کی ایک دنیا ہونیکے باوجود کوئی شور و شر نہیں۔

۴۔ ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہ ہمتِ مردانہ ہم

تشریح:۔ ہم نے جو محبوب کی تلاش چھوڑ دی ہے۔ اس کی وجہ ہمارا صبر کرکے بیٹھ جانا نہیں بلکہ اس کا باعث ہماری کمزوری و ناتوانی ہے۔
ہمتِ مردانہ، جو اوروں کے لئے تکیہ گاہ ہوتی ہے، ہمارے لیے ہم مصیبت بن گئے ہیں یعنی ہمتِ مردانہ ہم سے تنگ آ کر ہمیں جواب دے گئی۔

۵۔ دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

تشریح:۔ معشوق کی اداؤں کے تیروں سے زخمی اور مجروح ہوا ہمارا سینہ ایک قید خانہ ہے جس میں کہ لاکھوں تمنائیں قید ہیں۔ مطلب یہ کہ محبوب نے ہمارے دل کو تو چھلنی کر دیا مگر ہماری تمنا ایک بھی نہ سنی اور وہ وہیں کی وہیں رہ گئیں۔

(۲)

بہ نالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر
متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

تشریح:۔ خانۂ زنجیر کی دولت سوائے آواز کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ اس لئے عشق کے خانۂ زنجیر میں ہونے کی وجہ سے تو بھی اپنی دل بستگی کے لیے آہ و نالہ کا سامان پیدا کر۔

(۳)

۱۔ مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے میری بیکسی کی شرم

تشریح:۔ خدا نے مجھ کو پردیس میں موت دے کر میری بے کسی کی شرم رکھ لی اسکا شکر ہے۔ ورنہ وطن میں اگر اس طرح بے گور و کفن مرتا تو خواہ مخواہ مٹی خراب

ہوتی۔ پردیس میں تو کوئی نہیں جانتا کہ یہ کون اور کس رتبہ کا تھا۔ بظاہر تو خدا کا شکر کیا مگر طنز ہے ہم وطنوں کی بے قدری اور نااہلیت پر۔

۲۔ وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئ وارستگی کی شرم

تشریح:۔ اے خدا! اس (محبوب) کی زلفوں کے حلقے میری گھات میں ہیں۔ اب میری آزاد طبعی کے دعوی کی شرم تیرے ہاتھ میں ہے تو ہی مجھ کو ان میں پھنسنے سے بچالے۔

ردیف نون

(۱)

۱۔ لوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولی
لیکن یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

دام۔ قرض۔ بخت خفتہ سوئے ہوئے نصیب

تشریح:۔ دل تو چاہتا ہے کہ اپنے سوتے ہوئے مقدر سے خوش دلی کی نیند قرض لے لوں مگر ڈرتا ہوں کہ یہ قرض ادا کہاں سے ہوگا۔

(۲)

۱۔ وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

وہ۔ اس سے حسرت پیدا ہوتی ہے اور شدت غم کا اظہار مقصود ہے اس ایک لفظ سے دو کلام ملاحظہ ہو

تشریح:۔ زندگی بے لطف ہے۔ ایک محبوب کے نہ ہونے سے میری دنیا بدل گئی ہے۔ وہ جدائی کی راتیں، نہ وہ وصال کے دن۔ وہ زمانہ ہی ختم ہو گیا۔

۲۔ فرصت کاروبار شوق کسے
ذوق نظارۂ جمال کہاں

تشریح:۔ اب عشق کے شغل کی فرصت ہی نہیں اور نہ وہ دل ہے جو محبوب کے حسین دیدار کے لئے بے تاب تھا سہ

کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو۔

۳۔ دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شورِ سودائے خط و خال کہاں

تشریح:۔ دل (کیا اب دماغ بھی نہیں جس میں سودا بھرا ہو۔ محبوب کے حسین چہرے (خط و خال) کا جنون بھی جاتا رہا۔

۴۔ تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیٔ خیال کہاں

تشریح:۔ خیال کی خوبی صرف ایک محبوب کے تصور سے پیدا ہوئی تھی۔ اب وہ محبوب ہی نہیں تو لطیف تصور اور نازک خیال کہاں سے آئیں۔

۵۔ ایسا آساں نہیں لہو رونا
دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

تشریح:۔ عاشق محبوب کی یاد میں خون کے آنسو روتا ہے اور وہ خون اسکے جگر سے آتا ہے اب وہ رو رو کر جگر کا خون خشک کر چکا ہے اور نہ ہی اب دل میں رونے کی طاقت ہے۔

۶۔ ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں

تشریح:۔ جوا کھیلنے کے لئے جیب میں مال ہونا چاہیے۔ مگر عشق کا جوا بھی تو کسی مال سے ہی کھیلا جاتا ہے اور وہ مال ہے دل و جگر۔ دل ہی نہ رہا تو عشق کی امنگ کہاں سے آئے اور جگر کا خون تو رو رو کر پہلے ہی خشک ہو چکا ہے

۷۔ فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

تشریح:۔ میں تو عشق کا بندہ تھا اور دنیا کو ترک کر چکا تھا۔ مگر اب راہِ محبت کو چھوڑ کر دنیا کی الجھنوں میں پھنس رہا ہوں۔ میری اوقات ہی کیا کہ یہ وبال اٹھاؤں۔

۸۔ مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
اب عناصر میں اعتدال کہاں

عناصر۔ چار عنصر۔ خاک ۔ باد ۔ آتش ۔ آب یا مزاج کے چار خلط بلغم۔ سودا خون ۔صفرا۔ ان کے اعتدال سے ہی صحت قائم رہتی
تشریح:۔ مطلب یہ کہ اب بڑھاپے کا زمانہ ہے جسم ناتواں ہے اور صحت بگڑ چکی ہے

(۳)

۱۔ کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

تشریح:۔ محبوب کے عاشق کے تئیں وفا کرنے پر لوگوں نے اسے جفا کہا ۔ عاشق یہ سنکر ڈر گیا کہ کہیں محبوب یہ سنکر سچ مچ ہی نہ جفا کرنے لگے اسلئے اسے کہتا ہے یہ تو شروع سے چلا آتا ہے کہ لوگ اچھوں کو برا ہی کہا کرتے ہیں ۔ اسلئے تو دنیا والوں کے کہنے کی پرواہ نہ کر ۔

۲۔ آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر ان سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

تشریح:۔ آج ہم اپنے دل کی پریشانی کا حال ان سے کہنے جا تو رہے ہیں پر پتہ نہیں وہاں جا کر ان کے سامنے کچھ کہہ بھی پاتے ہیں یا نہیں ۔ یا دیکھیں میری بات سنکر ان پر کیا اثر ہوتا ہے اور وہ محبوب کیا کہتا !

۳۔ اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں ۔

تشریح:۔ پچھلے لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ شراب اور نغمہ غم غلط کرنے کے سامان ہیں ۔ یہ ان کا غلط خیال ہے ۔ مگر آپ انکو کہیں کچھ نہ کیوں کہ وہ بے چارے سیدھے سادے لوگ ہیں اور نہیں جانتے کہ شراب اور نغمہ عیش و نشاط کے سامان ہونے کی وجہ سے مزید رنج و الم کا باعث بنتے ہیں ۔

۴۔ دل میں آجائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے

اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہیں۔
تشریح:۔ کثرت نالہائے کی وجہ سے بے ہوش ہونے کے بعد جب میری غشی ٹوٹتی ہے تو محبوب میرے دل میں آجاتا ہے۔ اگر اسے نالہ کی رسائی نہیں کہتے تو کس کو کہتے ہیں؟

۵۔ ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

تشریح:۔ جسے ہم سجدہ کرتے ہیں وہ عقل و فہم کی حدود سے پرے ہے۔ اور جو اہل نظر ہیں وہ اس قبلہ کی سمت دکھانے والا جانتے ہیں۔ عام لوگوں کی طرح قبلہ ہی نہیں سمجھ لیتے۔

۶۔ پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
خارِ رہ کو تیرے ہم مہر گیا کہتے ہیں

تشریح:۔ میرے پاؤں کو زخمی دیکھ کر جب سے تمہیں میری حالت پر رحم آیا ہے تبھی سے ہم نے تیرے راستے کے کانٹوں کو مہر گیا کہنا شروع کر دیا ہے جس کے کہ اثر تو بھی مہربان ہے (کہتے ہیں مہر گیا ایک بوٹی ہوتی ہے۔ یہ جس کے پاس ہو ہر شخص اس پر مہربان رہتا ہے)

۷۔ اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائیگا کیا
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں۔

تشریح:۔ ہمارے دل میں عشق کا ایک شرار ہے اور بس۔ اس سے بھلا ہم کیا گھبرائیں گے۔ لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم گھبرا کر اس شرارے کو بجھانے کی خاطر ہوا چاہتے ہیں۔ ہم تو ہوا کے لیے اس واسطے کہتے ہیں تا کہ ہمارے عشق کی چنگاری ہوا سے بھڑک کر آگ کی صورت اختیار کرے۔

۸۔ دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

تشریح:- ہم جو محبوب کی ہر بات پر سبحان اللہ کا کلمہ پڑھتے ہیں تو وہ مغرور ہو گیا ہے
اب دیکھیں اس شوخ کا یہ غرور کیا رنگ لاتا ہے۔

۹۔ وحشت و شیفتہ اب مرثیہ لکھیں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

آشفتہ نوا:- پریشان باتیں کرنے والا۔

تشریح:- لوگ کہتے ہیں آشفتہ نوا غالب تو مر گیا شاید اس کے دوست وحشت اور شیفتہ اس کا
مرثیہ لکھ کر اپنے دل کے رنج کا اظہار کریں۔ شعر میں خوبی یہی ہے کہ لفظ آشفتہ کو وحشت
اور شیفتہ سے نسبت ہے اور غالب ان دونوں شاعروں سے تعلق و نسبت رکھتے تھے۔

(۴۱)

۱۔ ممکن نہیں کہ بھول کے آرمیدہ ہوں
میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

تشریح:- میں غم کے جنگل میں ایک ہرن کی طرح ہوں جس نے شکاری کو
دیکھ لیا ہو۔ اب یہ میرے لئے قطعاً ناممکن ہے کہ میں بھول کر بھی اس جگہ رکوں۔

۲۔ ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالہ کشیدہ گہ اشکِ چکیدہ ہوں

تشریح:- کہتے ہیں چاہے میں مجبور رہوں یا مختار رہوں۔ دونوں ہی حالتوں میں
دردمند ہوں۔ اگر مجبور رہوں تو فریاد کرتا ہوں اور اگر مختار رہوں تو آہ و زاری
میں لگا رہتا ہوں۔ مجھے نہ جبر میں راحت حاصل ہے اور نہ اختیار میں۔

۳۔ جاں لب پہ آئی بھی تو نہ شیریں ہوا دہن
از بسکہ تلخیٔ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں

تشریح:- جدائی کے غم کی تلخی میں نے اتنی چکھی ہے کہ جان جیسی
چیز بھی جب ہونٹ پہ آئی تو بھی میرے منہ کا ذائقہ
میٹھا نہ ہوا۔

۴۔ نے سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ
میں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں

تشریح:۔ میں تو ایک کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہوں جس کو نہ زاہد کی طرح تسبیح سے کوئی مطلب ہے اور نہ ہی رند کی طرح جام شراب سے کوئی واسطہ ہے۔

۵۔ ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
نے دانۂ فتادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں

تشریح:۔ میں خاکسار ہوں مگر جال کے نیچے گرے دانے یا بچھے ہوئے جال کی طرح نہیں۔ کیونکہ ان کو تو اپنے شکار سے دشمنی ہے مگر مجھے کسی سے بیر نہیں۔

۶۔ جو چاہیے نہیں وہ مری قدر و منزلت
میں یوسفِ بہ قیمتِ اول خریدہ ہوں

تشریح:۔ میری قدر و قیمت جو ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی۔ میری قیمت یوسف کی طرح نہایت ہی قلیل پڑی ہے۔

۷۔ ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے میری جگہ
ہوں میں کلامِ نغز و لے ناشنیدہ ہوں

تشریح:۔ میرے واسطے کسی کے دل میں عزت نہیں۔ میں ایک ایسا کلام ہوں جو بلند پایہ تو ہے مگر اسے ابھی کسی نے سنا نہیں۔

۸۔ اہلِ ورع کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے زمرہ میں میں برگزیدہ ہوں

تشریح:۔ اگرچہ زاہد لوگوں کے حلقے میں میں ذلیل و خوار ہوں مگر گناہ گاروں کی جماعت میں تو میں ایک ممتاز مقام پر ہوں اور یہ کیا کم ہے۔

۹۔ پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردم گزیدہ ہوں

تشریح:۔ اے غالب! جس طرح کتے کا کاٹا ہوا آدمی پانی سے ڈرتا ہے ٹھیک

آری (یعنی محبوب) کا کاٹا (مجروح کیا) ہوا آئینہ سے ڈرتا ہوں۔

(۵)

۱۔ آبرو کیا خاک اس گُل کی جو گلشن میں نہیں
ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں

تشریح:۔ پھول کا ٹھکانہ باغ ہے۔ اگر وہ وہاں نہ رہا تو اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اسی طرح وہ گریباں جو چاک ہو کر دامن میں نہ گرا ہو کرنہ کے لیے باعث شرم ہے (عاشق کے گریباں کی قدر تبھی ہے اگر وہ چاک ہو کر اپنے صحیح مقام یعنی دامن میں آ گرے۔)

۲۔ ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا۔ جو خوں کہ دامن میں نہیں

تشریح:۔ اے گریہ ناتوانی ونقاہت کی وجہ سے اب میرے جسم میں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اور میرے دامن میں جو خون نظر نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ خون جو تھوڑا بہت تھا وہ بھی آنکھ سے نکل کر دامن پر پڑنے سے پیشتر ہی رنگ بن کر اڑ گیا۔

۳۔ ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب
ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

تشریح:۔ محبوب کے گھر کی دیواروں کے روزنوں میں سے جو ذرے اندر جاتے نظر آتے ہیں وہ دراصل ذرے نہیں بلکہ سورج کی نگاہوں کے اجزا ہیں جو کہ اس کے حسن کو نزدیک سے دیکھنے کی خاطر یہاں جمع ہوئے ہیں۔

۴۔ کیا کہوں تاریکیِ زندانِ غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

تشریح:۔ کہتے ہیں میں اپنے غم کی قید کے اندھیرے کا کیا حال بیان کروں۔ یہ اندھیرا تو مجھ پر سراسر اندھیر ہے۔ ظلم ہے اس تاریک قید خانہ کی دیوار کے

روزن میں اگر روئی کا ایک ٹکڑا رکھ دیا جائے تو وہ سورج کی روشنی سے
کسی صورت کم نہ ہوگا۔

۵۔ رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

تشریح:۔ اس دنیا میں جو بھی رونق ہے ویران کر دینے والے عشق کی ہی بدولت ہے۔ اور اگر دل کے خرمن میں عشق کی برق نہیں تو وہ اس انجمن کی طرح ہے جسمیں شمع روشن نہ ہو۔ یعنی ویران کن ہونے کے باوجود بھی دنیا میں رونق کرنے والا عشق ہی ہے۔

۶۔ زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

تشریح:۔ زخم دل سلوانے پر مجھے زخم محبت کی چارہ جوئی کرنے کا طعنہ دیا جاتا ہے غیر یعنی محبوب یہ سمجھتا ہے کہ سوئی کے زخم میں لذت نہیں ملتی۔

۷۔ بس کہ ہیں ہم اک بہار ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ ہم تو اک بہار ناز کے مارے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیں اپنی قبر میں بھی جلوۂ گل ہی نظر آتا ہے۔ خاک نہیں۔

۸۔ قطرہ قطرہ اک ہیولا ہے نئے ناسور کا
خوں بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

تشریح:۔ میرے خون کا ایک ایک قطرہ ناسور بننے کا مادہ رکھتا ہے یعنی میرے خون کی ہر بوند درد مجسم ہے۔ اور میرے جسم میں لہو کا کوئی بھی قطرہ درد کے اس شوق سے خالی نہیں۔

۹۔ لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موج مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

قلزم آشامی - دریا پی جانے کی ہمت۔

تشریح:۔ آج میں نے اس قدر شراب نوشی کی کہ بلا مبالغہ شراب کا سمندر ہی پی گیا اور میری اس دریا نوشی نے ساقی کے اس عذر کو توڑ دیا کہ وہ شراب پلاتے ہارتا نہیں اسی وجہ سے آج صراحی میں شراب کی لہر میں کوئی موج تک نہیں رہی یعنی میں نے ایک بوند تک نہیں چھوڑی۔

۱۰- بوفشار ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

فشار:۔ بھینچنا۔

تشریح:۔ کمزوری ونقاہت نے اس قدر بھینچ رکھا ہے کہ ناتوانی کو ظاہر کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی جس سے کہ قد کو جھکا کر ہی اپنی بے طاقتی دکھا سکوں

۱۱- تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس جو گلخن میں نہیں

تشریح:۔ جب وطن میں تھے تو تمہاری کیا توقیر تھی جو پردیس میں نہیں رہی تکلف برطرف میں تو اس مٹھی بھر گھاس کی مانند ہوں جو کہ اپنے وطن بھٹی میں نہیں حالانکہ وہاں بھی اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ اور اپنے وطن یعنی بھٹی سے باہر بھی اسے کوئی نہیں پوچھتا۔

(۶)

۱- عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آسکا
گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

تشریح:۔ محبوب کے ناز وادا کی مدح سرائی کا فرض میں ادا نہ کر سکا جو کہ عشق نے میرے ذمے ڈال دیا اس کی اگر ایک ہی ادا ہوتی تو میں اسے اپنی قضا کہہ کر اپنے فرض سے سرخرو ہو جاتا مگر یہاں سینکڑوں ادائیں ہیں کس کس کی تعریف کروں۔

۲۔ حلقے ہیں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل
ہر تار زلف کو نگۂ سرمہ سا کہوں

تشریح:۔ تیری زلفوں کے حلقے میرے دل کی طرف آنکھیں کھولے اس کی تاک میں بیٹھے ہیں۔ اس لئے تیری سرمگیں نگاہوں کی وجہ سے کیوں نہ تیری زلف کے ہر بال کو (جو حلقہ کی شکل میں ہے) نگاہِ سرمہ سا کہوں۔

۳۔ میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہوں

تشریح:۔ اے محبوب! میں تو ہزاروں جگر خراش فریادیں کر رہا ہوں اور تو ہے کہ نہ سننے کی ایک ٹھان رکھی ہے میں اور کیا کہوں؟

۴۔ ظالم میرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کہوں

منفعل۔ شرمندہ۔
تشریح:۔ کہتے ہیں۔ اے محبوب! میرا گمان جو تجھے بیوفا کہہ رہا ہے۔ اسکی وجہ سے مجھے شرمندہ نہ کر۔ خدا نہ کرے کہ میں تجھے بیوفا کہوں۔ عاشق اسے باوفا مانتا ہے مگر عاشق کا گمان اسے بیوفا کہتا ہے۔

(۷)

۱۔ مہرباں ہو کے بلالو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

تشریح:۔ میں وقت نہیں ہوں کہ اگر اٹھ کر چلا گیا تو واپس ہی نہیں آؤں گا۔ تم جب بھی مہرباں ہو کر مجھے بلاؤ گے میں چلا آؤں گا۔

۲۔ ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

تشریح:۔ تم بے خوف و خطر غیروں کے طعنے مجھے سناؤ۔ میں کوئی شکایت

نہیں کرونگا۔ ان کے طعنے ہی تو برداشت کرنے میں کوئی سر تو نہیں اٹھانا
جوکہ میں ضعف یعنی ناتوانی کی وجہ سے نہ اٹھا سکونگا۔

۲۔ زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی سکوں

تشریح:۔ اے ستمگر! میں تیری جدائی میں جو زہر نہیں کھارہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے حاصل ہی نہیں ہوتا ورنہ میں کھانے سے تو نہیں ڈرتا۔ یہ تیرے ملنے کی قسم تو نہیں کہ کھا نہ سکوں۔ مطلب یہ کہ تو نے مجھے ملنے کی قسم کھا رکھی ہے جو کہ میں نہیں کھا سکتا۔ ہاں۔ اگر زہر مل جائے تو کھا لوں۔

---

(۸)

۱۔ ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن

تشریح:۔ کسی دن شراب پیتے وقت ہم سے بے تکلف ہو جاؤ۔ نہیں تو ہم کسی دن نشے میں ہونے کا بہانہ کر کے تم کو چھیڑیں گے اور نشے میں ہونے کی وجہ سے ہمیں تم کچھ کہہ بھی نہ پاؤ گے۔

۲۔ غرہ اوج بنائے عالم امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایکدن

غرہ۔ مغرور۔ بنا۔ عمارت۔

تشریح:۔ اس عالم فانی کی بلندیوں پر غرور مت کر۔ اس بلندی کی قسمت میں پستی بھی ہے۔ ایکدن ان بلند عمارتوں کو گرنا بھی ہوگا۔

۳۔ قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

تشریح :- ہم یہ ضرور جانتے تھے کہ ہماری مفلسی ایک دن اپنا رنگ دکھائیگی اور یہ جانتے ہوئے بھی ہم قرض لے لیکر شراب پیتے رہے۔ مطلب یہ کہ یہ
فقرہ چھٹتی نہیں منہ سے لگی ہوئی

۴۔ نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

تشریح :- اے دل! تو اس ساز ہستی سے نکلنے والے غم کے نغموں کو غنیمت جان۔ کیونکہ خوشی کے نغمے بھی اسی کے دم سے ہیں۔ اگر ہستی کے ساز سے غم کے نغمے نہ نکلے اور وہ خاموش ہو گیا تو خوشی کے نغمے بھی نہیں نکل سکیں گے

۵۔ دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایک دن

تشریح :- دست درازی کی محبوب کو عادت نہیں۔ ہم سے ہی یہ غلطی ہوئی کہ ایک دن پہل کر بیٹھے اور جواباً اسے بھی ہاتھ ہلانا پڑا۔ اب یہ اس کی عادت بنتی جا رہی ہے۔ اور ہمارے لئے مصیبت۔

---

(۹)

۱۔ ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں

۱۔ ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ میرا محبوب میرے نام تک سے اس قدر بیزار ہے کہ اگر رقیب برا ذکر بھی کرے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے اگر رقیب سے اس کا بگاڑ پیدا ہو جائے تو بڑی بات نہیں۔

۲۔ وعدۂ سیر گلستاں ہے خوشا طالع شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں۔

مقدر:۔ وہ الفاظ جو تحریر میں نہ آئیں مگر مطلب آگے کے الفاظ سے ظاہر ہو۔
تشریح:۔ یہ میرے شوقِ عشق کی خوش نصیبی ہے کہ میرے محبوب نے مجھے گلستاں کی سیر کرنے کا وعدہ دیا ہے۔ اور اس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اس دعوت میں، مژدۂ قتل اسی طرح ہے جس طرح کے عبارت میں مقدر کے الفاظ مذکور نہیں ہوتے

۳۔ شاید ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

تشریح:۔ یہ دنیا ذات مطلق کی کمر ہے، لوگ ایسا مانتے ہیں۔ مگر ہم ایسا نہیں مانتے کیونکہ کمر کو تو معدوم مانا جاتا ہے اسلئے عالم کی بھی ہستی نہیں۔

۴۔ قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں۔

تشریح:۔ ہم وہ قطرہ ہیں دراصل جو دریا یعنی فنافی الذات ہیں ہم اس منصور کی تقلید پسند نہیں کرتے جو اناالحق کہہ کر اپنے کم ظرف ہونے کا ثبوت دے گیا۔

۵۔ حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشقِ پُرعربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

پُرعربدہ۔ جنگ جو۔

تشریح:۔ افسوس کہ خرابی کے ذوق کی وجہ سے اب ہم میں طاقت نہیں رہی۔ اور ہمارا کمزور جسم جنگ جو عشق کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔

۶۔ میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ "ہم حور نہیں"

تشریح:۔ اس جہاں میں تو دامنِ معشوق سے محروم رہے۔ اب اسے کہتے ہیں کہ اب نہیں تو قیامت کے وقت ہم تمہیں انصاف کے تقاضے اور اپنی وفا و محبت کی تاثیر سے حاصل کر لیں گے۔ مگر وہ (محبوب) کس ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ ہم حور نہیں ہیں جسے قیامت کے روز بباعث اعمالِ نیک خدا تمہارے حوالے کر دے گا۔

۷۔ ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

تشریح:۔ اگر تجھے مجھ پر کرم و مہر کرنے سے دریغ کرنے میں ہی لطف حاصل ہوتا ہے تو ظلم ہی کئے جا۔ تغافل برتنے میں تو تجھے کوئی عذر نہیں اس ظلم سے تو ہاتھ نہ کھینچ

۸۔ صاف دُردی کش میخانہ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

دُردی۔ تلچھٹ۔ افشردہ انگور۔ انگور سے نچوڑی ہوئی یعنی انگوری شراب

تشریح:۔ شراب پینے میں ہم جمشید کے مقلد ہیں یعنی انگوری شراب کی تلچھٹ تک پی جانے والے ہیں۔ اس شراب پر افسوس ہے جو کہ انگور سے نہ کھینچی گئی ہو۔

۹۔ ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالبؔ

میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

ظہوری۔ ظاہر ہونیوالا (ایک فارسی شاعر ہے) خفائی۔ پوشیدہ (یہ بھی ایک فارسی شاعر تھا) حجت۔ دلیل۔

تشریح:۔ شاعری میں میں ظہوری کے مقابل ہوں کیونکہ وہ ظہوری (مشہور) تھا اور میں خفائی (غیر مشہور) ہوں اور میرے دعوے کی دلیل میں ثبوت یہ دیا جاسکتا ہے کہ میں مشہور نہیں۔

(۲۱)

۱۔ نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں

ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

تشریح:۔ اے ستمگر! میری فریاد کا مقصد حسن طلب کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ یہ کوئی شکوہ شکایت نہیں بلکہ جفا کرنے کے لئے تقاضا ہے کیونکہ میری آہ و بکا سے ناراض ہو کر مجھ پر جفائیں کرے گا۔

۲۔ عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب

ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں

تشریح:۔ فرہاد عشق کی خاطر خسرو (فرہاد کا رقیب) کے محل کی تعمیر میں مزدوری کرتا رہا تاکہ وہ شیریں کو دیکھتا رہے۔ اس نے عاشق کا بلند مرتبہ پاکر بھی مزدوری کا ذلت کا کام کیا ہم اس کی عزت تسلیم کرنیکو تیار نہیں۔

۳۔ کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

تشریح :۔ بیشک بربادی اور ویرانی میں ہمارا گھر جنگل سے کسی طور کم نہیں۔ مگر اس میں اتنی وسعت نہیں، کہ جنون عشق میں جب آوارہ گردی کرنا چاہوں تو پریشانی ہو۔ اس لئے میرے شوق کی تسکین جنگل میں ہی ہونے کے باعث گھر سے جنگل میرے لئے زیادہ باعث عیش ہے۔

۴۔ اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلی استاد نہیں

لطمۂ۔ تھپیڑا۔ سیلی۔ تھپڑ۔

تشریح :۔ اہل نظر کے واسطے اس زمانے کے حادثے سبق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان طوفانوں کے تھپیڑے ان کے لئے استاد کے تھپڑ ہیں جو کہ انکو صحیح راہ دکھاتے ہیں۔

۵۔ وائے محرومی تسلیم و بدا حال وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں

تشریح :۔ ہم اس کی تسلیم رضا اور وفاداری میں اس قدر بے طاقت ہو گئے ہیں کہ فریاد بھی کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اور وہ یہ بات جانکر ہم سے بالکل بے پرواہ ہوگیا ہے۔ افسوس ہے ہماری وفاداری پر۔

۶۔ رنگ تمکین گل ولالہ پریشان کیوں ہے
گر چراغان سر رہ گزر باد نہیں۔

تشریح :- اگر گل و لالہ ہوا کی راہ کے چراغ نہیں ہیں، تو ان کا رنگ خودداری فنا کیوں ہو جاتا ہے۔

۷- سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

تشریح :- اے مرغ چمن! خوش ہو کہ باغ میں شکاری نہیں بلکہ گلچیں نے تجھے پھولوں کی ٹوکری میں بند کیا ہے۔ شکاری ہوتا تو تجھے جال میں پھانس کر لے جاتا۔

۸- نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جائے دہن اس کو دمِ ایجاد نہیں

تراوش - ٹپکنا مطلب ظاہر ہونے سے ہے۔
تشریح :- معشوق کی ہر بات پر نہیں کہنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کے دہن ہے تو مگر دہن کی جگہ خدا نے نفی یعنی لفظ نہیں عطا کیا ہے جس سے کہ ہر بات پہ "نہیں"، "نہیں" نکلے۔

۹- کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

تشریح :- جیسی رونق تیرے کوچہ میں ہے ویسی ہی بہشت میں بھی ہے تو بالکل ویسا ہی نقشہ ہے وہاں مگر فرق اتنا ہے کہ وہاں اس قدر عاشقانِ جیالگی آبادی نہیں ہے۔

۱۰- کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں

تشریح:۔ اے غالب! پردیس میں تم کس منہ سے غیروں کی بے مہری کی شکایت کرتے ہو کیا اپنے ہم وطنوں کی بے مہری و بے مروتی یاد نہیں۔

(۲۲)

۱۔ دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا

یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

تشریح:۔ دینے والے نے دونوں جہان کی نعمتیں دے کر یہ سمجھ لیا کہ اب میں خوش ہو گیا ہوں۔ مگر ہم اس خیال سے چپ رہے کہ کیا بار بار تکرار کرنی ہے تو ہمیں ان کی نہیں بلکہ ان کے مالک کی تمنا ہے۔

۲۔ تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

تشریح:۔ منزلِ معرفت تک پہنچنے والوں میں سے تھک تھک کر لوگ پیچھے رہنے لگے۔ کچھ تو شروع میں ہی مایوس ہو گئے۔ کچھ درمیان مقام پہ ہمت ہار بیٹھے یعنی کوئی کسی مقام پہ رہ گیا۔ کوئی کسی پر۔ اصل منزل کا کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا اب تباؤ ہار تھک! گر وہ بے چارے یہ راہ ہی نہ چھوڑ دیں تو کیا کریں۔

۳۔ کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم

ہو غم ہی جاں گداز تو غمخوار کیا کریں

تشریح:۔ کیا اہل بزم کے دل میں شمع کے واسطے خیر خواہی نہیں۔ کیسے نہیں شمع کا غم ان کے دل میں ہے تو سہی مگر یہ غم ہی ان کا جان لیوا ہے اور وہ خود اسی غم کے ہاتھوں مجبور ہیں اور شمع کی مدد کرنے سے معذور۔

(۲۳)

۱- ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اسکو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

تشریح :- میرے رقیب نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے میرے محبوب کے دل میں میری جفا کا غلط خیال بھر دیا ہے اور اب اسے مجھ بے زبان کے عشق پر اعتبار نہیں رہا۔ ہم تو ضبط عشق و غم کی وجہ سے چپ اور بے زبان ہیں مگر یہ ضبط ہی ہمیں لے ڈوبا۔

(۲۴)

۱- قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

تشریح :- جب عاشق نے معشوق کو یہ کہا کہ لیلیٰ مجنوں کی خاطر جنگل میں گئی تو وہ حیران ہو کر بولا کہ کیا ایسا بھی زمانے میں ہو سکتا ہے کہ معشوق عاشق کے پیچھے پھرے مطلب یہ کہ معشوق اگر عاشق کی خبر گیری کرے تو یہ اس کی خودداری حسن اور معشوقیت کے خلاف ہے۔

۲- دل نازک پہ اسکے رحم آتا ہے مجھے غالب
نہ کر سرگرم اس کافر کو الفت آزمانے میں

تشریح :- اے غالب! تو محبوب کو اپنی محبت و وفا آزمانے کیلئے تیار مت کر۔ مجھے اسکے نازک دل پر رحم آتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ تیری الفت آزمانے کو تیار ہو گیا تو تو اپنی جان تک قربان کر دے گا اور اس کا اس کے نازک دل پر مہلک اثر پڑے گا۔

(۲۵)

۱۔ دل لگا کر آ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا

بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی داد یاں

تشریح :۔ ہم ان سے دل لگا کر تنہائی پسند ہو گئے تھے۔ اب وہ بھی کسی سے دل لگا کر اکیلے میں بیٹھنا سیکھ گئے ہیں۔ اور ہمیں اپنی بے کسی کی داد مل گئی۔

۲۔ ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام

مہر گردوں ہے چراغ رہگزار باد یاں

تشریح :۔ موجودات عالم کے تمام اجزا زوال کی راہ پر چل رہے ہیں۔ آفتاب بھی جو کہ انہی میں سے ایک ہے ہوا کے راستہ پر چلنے والا ایک چراغ ہے جو کسی بھی دن زوال پا تا پا بجھ سکتا ہے۔

(۲۶)

۱۔ یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در دیکھتے ہیں

کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

تشریح :۔ فرماتے ہیں کہ ہم جو در و دیوار اور دروازے کی طرف دیکھتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے دیوار سے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ صبا آئے اور ان کا کچھ پیغام لائے۔ دروازے کی طرف دیکھنے کی وجہ قاصد کی آمد کا انتظار ہے۔

۲۔ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

تشریح :۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہ اور انکے دل میں میرے گھر آنے کا خیال آئے میں تعجب

سے کبھی ان کی طرف دیکھتا کہ وہی ہیں یا یہ گمرہیوا ہی ہے کہیں نظر کا دھوکہ تو نہیں۔

۳۔ نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

تشریح :۔ یہ لوگ میرے زخم جگر کی گہرائی سے میرے محبوب کی مہارت تیر اندازی اور طاقت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انکی تعریف سے اس کے دست و بازو کو نظر بد لگ جائے

۴۔ ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر دیکھتے ہیں

تشریح :۔ تیرے تاج کے گوشہ پر لگے جواہرات کو ہم کیا دیکھیں ہم تو ان موتیوں اور ہیروں کی بلندی قسمت کو دیکھتے ہیں اور رشک کرتے ہیں۔

---

(۲۷)

۱۔ نہیں کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہیں
شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں

روز جزا ۔ قیامت کا روز ۔
تشریح :۔ یہ بات نہیں کہ مجھے قیامت کے آنے کا یقین نہیں ہے اسکی کوئی خاص اہمیت میرے لیے اس وجہ سے نہیں کہ قیامت کا دن میری شب ہجر سے زیادہ پر عذاب نہیں ہو سکتا۔

۲- کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

تشریح :- کہتے ہیں اگر آج دن میں ابر و ہوا کے نہ ہونے سے اگر شراب نہیں پی سکے تو کیا ہوا۔ چاندنی رات میں بھی تو شراب پینے میں کوئی برائی تھوڑی ہے۔ چاندنی رات میں بھی تو شراب پینے کا لطف آتا ہے۔

۳- جو آؤں سامنے ان کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

تشریح :- محبوب ہم سے اتنا تغافل اور بے التفاتی برتتا ہے کہ کیا کہوں۔ جب اس کے سامنے آتا ہوں تو کبھی بھی وہ خیر مقدم نہیں کرتا اور واپس جانے لگوں تو کبھی اس نے کلمۂ رخصت نہیں کہا۔

۴- کبھی جو یاد بھی آتا ہوں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

تشریح :- اگر کبھی میں اسے (معشوق) یاد آ بھی جاؤں تو صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ اہلِ بزم سے وہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ جو آج بزم میں کوئی فتنہ یا فساد نہیں ہو رہا گویا میری یاد ان کو صرف میری فتنہ گری سے ہی آتی ہے۔ اور مجھے فتنہ گر و فسادی سمجھ رکھا ہے۔

۵- علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ مے خانہ نامراد نہیں

تشریح :- عید کے دن گدا اگر لوگ خیرات سے خالی واپس نہیں جاتے۔ فرماتے ہیں کہ

شراب کی خیرات ایسی ہے کہ عید کے علاوہ بھی شراب کے خواہشمند میخانے کے کوچے سے نامراد واپس نہیں جاتے۔

۶۔ جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تشریح :۔ اس دنیا میں غم اور خوشی ایک دوسرے کیساتھ آتے ہیں۔ آتے ہوں گے ہمیں ان سے تو کچھ سروکار نہیں کیونکہ خدا نے جو دل ہمیں دیا ہے اسکے واسطے تو غم ہی غم ہیں خوشی نہیں۔

۷۔ تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں۔

تشریح :۔ اے غالب! تم محبوب کو اس کے وعدے مت یاد کرا ؤ کیونکہ وہ جھٹ سے یہی کہے گا کہ مجھے تو کوئی وعدہ یاد نہیں جس سے تیری اور بری حالت ہوگی۔

(۲۸)

۱۔ تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں۔
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں۔

تشریح : تیرے گھوڑے کو ہم نے صبا کہا ہے۔ یہ تو صرف مضمون کی ہوا باندھی ہے ورنہ وہ تو صبا سے بھی کہیں تیز ہے۔

۲۔ آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تشریح :۔ عاشق کی آہ کا معشوق پر کوئی اثر نہیں ہوتا یہی حالت ہمارے بھی ساتھ ہے۔ آہ بھر کر ہم اپنی ہوا باندھ رہے ہیں یعنی خالی رعب جما رہے ہیں۔

۳۔ قیدِ ہستی سے رہائی معلوم

اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

تشریح :۔ انسان قیدِ ہستی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ یہ اشک کی طرح ہے جس کو کہ بے سر و پا کہہ کر بھی شاعر لوگ مضمون باندھ لیتے ہیں۔

۴۔ تیری فرصت کے مقابل اے عمر

برق کو پابہ حنا باندھتے ہیں

تشریح :۔ عمر سے خطاب ہے۔ کہتے ہیں اے عمر! تیری مدت اتنی قلیل ہے کہ بجلی کی کوند کی مدت بھی یوں معلوم دیتی ہے کہ تیرے سامنے اسکے پاؤں میں مہندی لگی ہو یعنی اتنی تیزی سے گذرنے کے وہ بھی قابل نہیں جتنی سے کہ تو۔

۵۔ نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل

مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

تشریح :۔ پھول اپنے رنگ کی خوبصورتی کے نشہ سے کھلا ہوا ہے۔ یہ اسی نشہ میں مست ہے اور مست لوگ بھی بھلا کبھی اپنی قبا کو باندھتے ہیں۔

۶۔ غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ

لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

تشریح :۔ مضمون باندھنے میں لوگ کیسی کیسی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ لوگ نالے کو بھی رسا باندھ لیتے ہیں۔ اگر نالہ رسا ہوتا تو ہمارا نالہ بے اثر کیوں؟ اور پھر جب باندھ لیے تو اس کی کہیں بھی رسائی کیسی؟

۷۔ اہلِ تدبیر کی وا ماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

تشریح :۔ عقل و ہوش رکھنے والوں کی حماقتیں ملاحظہ ہوں۔ آبلوں سے بھرے پاؤں پر مہندی لگانے کو کہتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی علاج ہے کہ مہندی لگا کر عاشق چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو جائے۔ اہلِ جنوں کے واسطے یہ ناقابلِ برداشت ہے کہ وہ صحرا میں آوارہ پھرنے کے قابل نہ ہوں۔

۸۔ سادہ پرکار ہیں خوباں غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں۔

تشریح :۔ اے غالب! یہ محبوب لوگ کتنے نادان اور چالاک ہیں۔ ہم سے عہدِ وفا باندھ کر چالاک بنتے ہیں مگر اتنے نادان ہیں کہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کی چالاکی سے واقف ہیں۔

(۲۹)

۱۔ زمانہ سخت کم آزار ہے بہ جانِ اسدؔ
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

تشریح :۔ اسدؔ کی جان کی قسم یہ زمانہ بہت کم ستم ڈھانیوالا ہے ہم کو اس زمانے سے کہیں زیادہ ظلم و ستم کی امید ہے۔

(۳۰)

۱۔ دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

تشریح:۔ اگر میں پتھر بن کر تیرے دروازے پر ہمیشہ پڑا رہتا تو میری خوش قسمتی ہوتی۔ تو وہ بھی نہ بن سکا۔ لعنت ہے میری ایسی زندگی پر۔

۲۔ کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل

انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

تشریح:۔ پیالہ بزم میں ہر وقت گردش میں رہتا ہے۔ اس کا تو یہ کام ہی ہے۔ کہتے ہیں میں کوئی پیالہ تو نہیں جو تیری تلاش میں گھومتے گھبرا نہ جاؤں۔

۳۔ یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے

لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

تشریح:۔ تختی پر دوبارہ لکھا ہوا حرف مٹا دیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اس جہاں کی تختی پہ دوبارہ لکھا ہوا حرف نہیں ہوں۔ پھر اے خدا! یہ دنیا والے کیوں مجھے مٹانے پہ تلے ہیں۔

۴۔ حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے

آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

تشریح:۔ مجھے جو سزا مل رہی ہے اس کی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ گناہ گار ہی تو ہوں۔ کوئی کافر تو نہیں جو اتنی سخت سزا دی جائے۔

۵۔ کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے

لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

تشریح:۔ میں لعل و زمرد یا زر و گوہر تو نہیں جس کی وجہ سے کہ آپ مجھ کو عزیز نہ سمجھیں۔

۶- رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ

رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں

تشریح :- آپ میری آنکھوں پر قدم رکھنے سے کیوں دریغ کرتے ہیں۔ میں سورج اور چاند سے رتبہ میں کم تو نہیں جو تم نے ان کی آنکھوں پہ تو قدم رکھے مگر میری آنکھوں پہ نہیں رکھے۔

۷- کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوسی کس لئے

کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

تشریح :- آسمان کو تو آپ نے اپنے قدم چومنے کا شرف بخشا تھا۔ کیا میں اس کے بھی برابر نہیں جو مجھے قدم چومنے سے منع کرتے ہیں۔

۸- غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

تشریح :- غالب! بادشاہ کو دعا دو جس نے کہ تمہیں نوکر رکھ لیا ہے۔

(۳۱)

۱- سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

تشریح :- لالہ و گل کے حسین پھولوں سے ظاہر ہے کہ کتنی ہی محبوب اور دلکش صورتیں خاک میں مدفون ہو گئیں۔ صرف چند ہی نے پھولوں کی شکل اختیار کی۔ موت کے سامنے اہل حسن و اقتدار اور ارباب قوت و حشمت کی کوئی پیش نہیں جاتی۔

۲۔ یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

تشریح :- شاعر گذشتہ محفلوں کو یاد کرتا ہے۔ اب وہ عیش و نشاط کی محفلیں ایک داستاں بن چکی ہیں بلکہ ایک بھولی ہوئی داستان۔ عشرت کی جگہ حسرت کا عالم طاری ہے ۔

۳۔ تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

تشریح :- قطب شمالی میں جو سات ستارے ہوتے ہیں انکو مرزا صاحب نے روایت کے مطابق لڑکیاں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ دن کو یہ سات سہیلیاں آسمان کے پردے میں چھپی تھیں۔ مگر رات کو انہیں کیا سوجھی کہ بے حجاب ہو کر سامنے آ گئیں

۴۔ قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

تشریح :- اگرچہ یعقوبؑ نے اپنے بیٹے یوسف کی قیدخانہ میں کوئی خبر نہ لی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ الفت پدری سے عاری تھے۔ انکے دل میں بیٹے کیلئے اتنی محبت تھی کہ وہ روتے روتے اندھے ہو گئے۔ ان کی آنکھیں ہر وقت یوسف کے تصور میں کھلی رہتی تھیں گویا وہ یوسف کے قید خانہ کی دیوار میں دو کھڑکیاں تھیں جن میں سے باپ بیٹے کو ہمہ وقت دیکھتا تھا۔

۵۔ سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

زنانِ مصر :- مصر کی وہ عورتیں جو زلیخا کو حسن یوسف پر عاشق ہونے کا طعنہ دیتی تھیں۔ ایک روز

زلیخا نے انھیں جمالِ یوسف کے دیدار کی دعوت دی۔ وہ دیکھتے ہی وارفتہ اور بےخود ہوگئیں۔ زلیخا نے اس اثنا میں ہر ایک کو ایک لیموں اور ایک چاقو کاٹنے کو دیا۔ انھوں نے بجائے لیموں کاٹنے کے عالمِ مستی میں اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔

ماہِ کنعاں۔ کنعاں کا چاند۔ کنایہ ہے چاند سا حسین یوسف۔

تشریح:۔ قدرتی طور پر عاشق اپنے رقیبوں سے کبھی خوش نہیں ہوتے مگر زنانِ مصر اور زلیخا کی حالت میں یہ درست نہیں۔ زلیخا اپنے رقیبوں پر خوش ہوئی کہ وہ جب یوسف کو دیکھ کر اپنے ہوش کھو بیٹھیں۔ محبوب کے جلوۂ حسن کی تاب کون لا سکتا ہے ؎

پردہ عارضِ محبوب کو اٹھتے دیکھا
اب کسے ہوش ہے جو یہ کہے کیا دیکھا

۶۔ جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہوگئیں

تشریح:۔ شبِ فرقت کی تاریکی طاری ہے۔ اس لئے اگر عاشق کی آنکھوں سے خون کی ندی نکلتی ہے تو بہنے دو۔ یہی آنکھیں روشن شمع کا کام دیں گی اور اس کی تاریکی غم کو دور کریں گی۔ عاشق کے غم کی تسکین صرف خونِ جگر بہانے سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے خون وہی ہے جو آنکھوں کی راہ سے آنسو بن کر نکل جائے ؎

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

۷۔ ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہوگئیں

تشریح:- یہ حسین محبوب چمکتے ہیں آج ستارے ہیں اگر خدا کی قدرت سے بہشت میں حوریں بن کر آگئیں تو ہم ان سے یہاں کا بدلہ لیں گے۔

۸۔ نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

تشریح:- کثرت بوس و کنار اور جوش اختلاط سے تیری زلفیں جس خوش قسمت کے بازو پر بکھر گئیں صحیح معنوں میں نیند کا لطف اسی نے اٹھایا اور اس کے دماغ کا بھی کیا کہنا۔ رات بھی اسی کی ہی ہے۔ اس لطف کے بغیر کیا نیند۔ کیا دماغ اور کیا رات؟ - سب فضول ہے

۹۔ میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

تشریح:- فراق یار میں جب میں باغ میں جاکر گانے لگا تو میرے نالوں کو سن کر بلبلیں بھی گانے لگے گویا ایک مکتب کھل گیا

۱۰۔ وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگاں ہو گئیں

تشریح:- محبوب نے بوجہ شرم میری قسمت کی کوتاہی سے اپنی نگاہیں نیچی کر لی ہیں۔ وہ اب کیوں میرے دل میں سے تیر کی طرح پار ہو رہی ہیں۔

۱۱۔ بس کہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہو گئیں

تشریح:- میں نے اپنی آہوں کو بہت روکا مگر وہ چاک ہوئے گریباں کے بخیے کیطرح سلائی میں ابھرتی گئیں

۱۲۔ واں گیا بھی میں تو انکی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں

تشریح:۔ محبوب اکثر عاشق پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتا ہے اور ان کا جواب سوائے دعاؤں کے عاشق کے پاس کچھ نہیں۔ مگر اب مشکل یہ ہے کہ عاشق نے درباں کو خوش کرنے کے لئے یہ دعاؤں کا تمام ذخیرہ ختم کر دیا۔ اب وہ محبوب کے سامنے خاموش کھڑا ہونے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے ۔ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
اور پھر سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔

۱۳۔ جاں فزا ہے بادہ جسکے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

تشریح:۔ جس کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ آگیا، شراب اس کے لئے جاں فزا ہے پینے سے پیشتر ہی پیالہ پکڑتے ہی ہاتھ کی لکیریں بطور رگ جاں بن گئیں یعنی قوت آگئی۔

۱۴۔ ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم!
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

موحد۔ توحید پرست کیش۔ مذہب۔ عقیدہ۔ ترک رسوم۔ رسوم کو ترک کرنا۔ ظاہر کو چھوڑ کر باطن با صفا سے معترف ہو کر ذات واحد کیطرف متوجہ ہونا۔ ملت مراد ظاہری رسوم یعنی مذہب سے ہے۔ ایمان۔ فقط ذات خدا میں یقین رکھنا شرک و دوئی کو ترک کرنا ہے۔

تشریح:۔ جب تمام ملتیں اور ظاہری رسوم مٹ جاتی ہیں تو پھر انسان ایمان کیطرف راغب ہوتا ہے اور موحد کا مقصد اولیں بھی باطل کو مٹانا اور حق کو غالب کرنا ہے۔

۱۵- رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

تشریح:- جب انسان پر کثرت سے مصائب نازل ہوتے ہیں تو وہ ان کا عادی ہو جاتا ہے اور ان کی شدت زائل ہو جاتی ہے۔ گویا یہ مشکلات اس کی نظر میں آسان ہو جاتی ہیں ؎

درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

۱۶- یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

تشریح:- غم عشق میں عاشق اسقدر آنسو بہاتا ہے کہ ان سے ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے اور اس میں سب کچھ خس و خاشاک بنکر بہہ جاتا ہے۔ اس سیلاب سے بستیاں ویران ہو جاتی ہیں۔

(۳۲)

۱- دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں
یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

جیب - گریباں
تشریح:- عشاق کا مذہب صنم پرستی (بت پرستی) سے کم نہیں۔ فرماتے ہیں۔ جنون عشق میں ہم نے گریباں کے پرزے تک اڑا دئے اور اب ایک تار تک نہیں بچا جس کو کہ ہم مذہب صنم پرستی کی علامت کے طور پر زنار سمجھ کر پہنے رہتے

۲- دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

تشریح:۔ دل کو ہم نے دیدار کی حسرت پر قربان کر دیا مگر بعد میں پتہ چلا کہ جب دیدار کی خاطر ہم نے یہ سب کچھ کیا اس دیدار کی طاقت تو ہم میں ہے ہی نہیں۔

۳۔ ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں۔

تشریح:۔ اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا تو خیر تھی۔ مشکل تو یہی ہے کہ تیرا ملنا مشکل نہیں مطلب کہ اگر تیرا ملنا دشوار ہوتا تو ہم صبر کر کے بیٹھ رہتے۔ اب آسان ہے تو تیری تحصیل کی کوشش میں رہنا۔ اور تیری آرزو کی خلش سے نجات حاصل نہیں ہوتی۔

۴۔ بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں
طاقت بہ قدر لذت آزار بھی نہیں

تشریح:۔ بغیر عشق کئے عمر کا گذرنا ممکن نہیں مگر عشق کے آزار برداشت کرنے کی طاقت بھی ہم میں نہیں عجیب مصیبت میں جان پھنسی ہے۔

۵۔ شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں۔

تشریح:۔ جنون عشق میں سر کندھے کیلئے ایک مصیبت بن گیا ہے اے خدا! صحرا میں کوئی دیوار بھی نہیں جس سے کہ اسے پھوڑ لیتا۔

۶۔ گنجائش عداوت اظہار اک طرف
یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

تشریح:۔ ضعف کی وجہ سے دل کی یہ حالت ہے کہ محبوب کی تمنا بھی نہیں رہی۔ دشمنوں کی عداوت پر سوچنا تو دور کی بات ہے۔

۷۔ ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں۔

تشریح:۔ ایک گرفتار پرندہ کے بے اثر نالوں کی طرح میرے نالے بے اثر نہیں ہیں۔ اس لئے تو خدا سے ڈر میرے نالوں کے اثر سے تیری خیر نہیں

۸۔ دل میں ہے یار کی صف مژگاں سے روکشی
حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہیں

تشریح:۔ حالانکہ مجھ میں ایک کانٹے کی خلش کا مقابلہ کرنے کی بھی ہمت نہیں پھر بھی دل چاہتا ہے کہ محبوب کی صف مژگاں کا سامنا کروں جو کہ تیر ہیں۔

۹۔ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تشریح:۔ اختلاط میں وہ بغیر تلوار کے صرف ہاتھوں سے ہی ہمارے ساتھ لڑتے ہیں یعنی دست درازی کرتے ہیں۔ مگر اس بغیر تلوار کی لڑائی میں بھی میں ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں۔ اے خدا! یار کی اس سادگی اور سادہ لڑائی پر کون نہ قربان ہو جائے۔

۱۰۔ دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

تشریح:۔ اگر تم غالب کو دیوانہ نہیں جانتے تو وہ باہوش بھی نہیں کیونکہ اسکو کئی بار محفلوں میں بھی اور ویرانوں میں بھی دیکھا ہے۔ اگر وہ ہشیار ہوتا تو محفلوں کے بعد تنہائیوں میں کبھی نہ جاتا۔

(۳۳)

۱۔ مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خون جگر سو جگر میں، خاک نہیں

تشریح:۔ سوائے خون جگر پینے کے ہمیں اس دنیا میں کوئی اور مزہ یا ر کا م نظر نہیں آیا، مگر اب تو جگر میں خون بھی نہیں رہا۔

۲۔ مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

تشریح:۔ اب اپنے میں تو اتنی ہمت نہیں کہ کوچہ یار میں جا سکیں شاید ہمارے خاک ہو جانے پر ہوا ہمیں وہاں اڑا کر لے جائے۔

۳۔ یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گزر میں خاک نہیں

بہشت شمائل ۔ بہشت جیسے حسن والا
تشریح:۔ یہ کون بہشتی حسن والا آ رہا ہے کہ راستے میں سوائے پھولوں کے جلوے کے اور کچھ نہیں ہے۔

۴۔ بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں

تشریح:۔ اگر میری بے اثر آہ میں کوئی اثر نہیں اور وہ محبوب کو مجھ پہ رحم کرنے پر آمادہ نہ کر سکی تو مجھے خود ہی چاہیئے تھا کہ میں اپنے حال پر رحم کرتا اور اس طرح بے حال نہ ہوتا!!

۵۔ خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں

تشریح:۔ جلوہ گل سے مراد ہے جلوۂ ذات اور شراب خانے سے مطلب اس دنیا کا۔ فرماتے ہیں کہ شراب خانے (دنیا) میں تو کچھ بھی نہیں۔ مے کش تو جلوہ گل (جلوۂ ذات) کے خیال سے ہی مست ہو رہے ہیں، اس دنیا کی شراب میں کوئی نشہ نہیں۔

۶۔ ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

تشریح:۔ عشق نے میرے گھر کی ہر شے کو برباد کر دیا ہے۔ سوائے اس گھر کو دوبارہ تعمیر کرنے کی حسرت کے کچھ نہیں بچا جو کہ عشق کے روبرو تباہی کی غرض سے پیش کر دوں۔

۷۔ ہمارے شعر ہیں اب محض دل لگی کے اسدؔ
کھلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں

تشریح:۔ اے غالب اب جو میرے اشعار میں صرف دل لگی یا عامیانہ پن آ گیا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہنرمندی سے شعر کہنا فضول ہے۔ اس کی کوئی قدر نہیں۔

(۲۴)

۱۔ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں۔

تشریح:۔ واعظ عاشق کو ناحق ستاتا ہے اور اسے رونے سے روکتا ہے۔ اسے یہ معلوم

نہیں کہ عاشق کا دل دردِ عشق سے معمور ہے۔ وہ اینٹ یا پتھر نہیں جو ہر بات سے عاری ہو۔ وہ دل جس میں سوزِ محبت نہیں پتھر سے بھی گیا گذرا ہے کیونکہ آخر سنگ میں بھی سوز (آگ شرر) تو ہے ؎

وہ دل کہ جس میں سوزِ محبت نہ ہو اے ذوق
بہتر ہے اس سے سنگ کہ اس میں شرر تو ہے

۲۔ دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں

تشریح:۔ عاشق شارعِ عام پر بیٹھا ہے۔ وہ کسی مندر یا مسجد میں نہیں ہے کہ واعظ اسے کان سے پکڑ کر نکال دے۔ نہ وہ محبوب کے دروازے یا آستاں پر بیٹھا ہے کہ رقیب اسے دھتکار کر اٹھا دے۔

۳۔ جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

تشریح:۔ محبوب جب آفتاب کی مانند پورے جوبن پر ہو کر نور برسا رہا ہے تو پھر اسے کسی پردہ کی ضرورت نہیں۔ اس کے نور کی تاب کون لا سکتا ہے۔ عاشق کی آنکھیں چندھیا جائیں گی اور وہ آفتابِ حسن کا دیدار نہ کر سکے گا۔

ناکامیٔ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ایک اور مصرع ہے ؎

کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

۴۔ دشنۂ غمزہ جاں ستاں، ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں

دشنہ۔ خنجر۔ غمزہ۔ آنکھوں کا اشارہ۔ جاں ستاں۔ جان لینے والا۔ ناوک۔ تیر
تشریح:۔ محبوب کی آنکھ کے اشارے ایسے خنجر ہیں جو ہلاک کر دیتے ہیں اور اس کے ناز کا تیر وہ ہے جس سے عاشق کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ تو پھر حیرت ہے کہ محبوب آئینہ دیکھتا ہے تو اس کا عکس اس کے سامنے آنے کی جرأت کیسے کرتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ وہ عکس بھی رخِ محبوب ہی کا ہے۔ مگر محبوب کے سامنے آنے کی دلیری تو اس کو بھی نہ ہونی چاہیے۔

۵۔ قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

تشریح:۔ قیدِ حیات اور قیدِ غم کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی حیات اور غم لازم ملزوم ہیں جب تک زندگی کی قید رہے گی تب تک غم کی قید سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ یعنی غم زندگی کا پورا پورا ساتھ دیتا ہے۔ اور عمر بھر غم انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ گویا موت آنے پر ہی غم سے نجات مل سکتی ہے۔

۶۔ حسن اور اس پہ حسنِ ظن، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں

حسنِ ظن:۔ نیک گمان۔ رقیب کے حق میں نیک خیال۔ اس کے عشق پر اعتماد۔
بوالہوس:۔ رقیب جو عاشقِ صادق نہیں بلکہ محض ہوس کا شکار ہے۔ عاشق کاذب
اپنے پر اعتماد:۔ اپنے حسن پر یقین۔ اپنی دلکشی پر بھروسہ۔
تشریح:۔ محبوب ایک تو حسین ہے۔ دوسرے اسے اپنے حسن پر اس قدر گمان ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ جو اسے دیکھ لے، وہ اس کا چاہنے والا بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ وہ بوالہوس رقیب کے جھوٹے عشق پر بھی یقین رکھتا ہے اور اس کی محبت کا امتحان نہیں کرتا۔ یعنی جب اسے اپنے حسن کی دلکشی پر اعتماد ہے تو پھر وہ رقیب کو کیوں آزمائے۔

۷۔ واں وہ غرور عزّ و ناز، یاں یہ حجاب پاس وضع

راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں

تشریح :۔ محبوب کو اپنے ناز و ادا پر فخر ہے۔ وہ اس غرور کے سبب عاشق کو اپنی محفل میں آنے کی دعوت نہیں دیتا۔ ادھر عاشق کو اپنی عزت اور خودداری کا پاس ہے۔ وہ شرم کو کھونا نہیں چاہتا۔ اسی لئے راستے میں محبوب سے ملنا اُسے گوارا نہیں۔ تو اس صورت میں ملاقات کا امکان نہیں ہے ؎

اسے سو طرح کا لحاظ ہے ٭ ہمیں سو طرح کا خیال ہے

۸۔ ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بیوفا سہی

جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

تشریح :۔ یہ مان لیا کہ محبوب کافر ہے اور خدا کو نہیں مانتا۔ وہ جور و جفا سے بھی عاری ہے۔ مگر حسین اور دلبر ہے۔ جان و دل لینے والا ہے۔ عاشق اگر دل و جان کو قربان نہیں کر سکتا تو اس کی گلی میں جائے ہی کیوں؟ عاشق صادق کا ایمان ہی یہ ہے کہ محبوب پہ اپنی جان نچھاور کرے ؎

کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز

کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

۹۔ غالب خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں

روئیے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں

تشریح :۔ کسی ایک ہستی کے رخصت کر جانے سے دنیا کے کام بند نہیں ہو جاتے۔

اس کا ماتم کرنا بے سود ہے اور اس کے کاموں کو یاد کر کر رونا فضول ہے۔

(۳۵)

۱۔ غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

تشریح :۔ میں نے جو پوچھا ہے سو تو منہ سے بوسہ لیکر بتا کہ کیسے لیا جاتا ہے۔ ناشگفتہ کلی کو منہ کے قریب لا کر مت دکھا کہ ایسے لیتے ہیں۔

۲۔ پرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

تشریح :۔ محبوب سے دل چھیننے کا طریقہ کیوں پوچھیں جبکہ بن بتائے ہی اس کی ہر ادا بتا رہی ہے کہ اس طرح دل چھینا جاتا ہے۔

۳۔ رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

تشریح :۔ خدا کرے کہ رات کو محبوب میرے ہاں آئے مگر شراب کی مدہوشی کی حالت میں میرے رقیب کو ساتھ لئے ہوئے نہیں۔ اکیلے میں آئے

۴۔ غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے
سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

تشریح :۔ جب ہم نے محبوب سے یہ پوچھا کہ غیر کے ساتھ رات کیسے گذری۔ تو جواب میں وہ میرے سامنے آ بیٹھا اور میری طرف دیکھنے لگا کہ یوں بیٹھے رہے۔

۵۔ بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے
اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

تشریح :- محبوب جو بزم میں خاموش بیٹھا ہے تو اس کا مدعا یہ ہے کہ ہم بھی اسی طرح چپ بیٹھیں۔ جب ایسی حالت ہو تو کیوں نہ اس کی محفل میں خاموش رہیں۔

۶- میں نے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یوں

تشریح :- جب میں نے اس سے کہا کہ بزم ناز غیر سے خالی ہونی چاہیئے۔ تو اس نے مجھکو ہی اٹھا کر اپنی صحبت سے باہر کر دیا اور کہا کہ لو بزم غیر سے خالی ہو گئی۔ یعنی ہم ہی غیر ٹھہرے۔

۷- مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بے خودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

تشریح :- جب میرے محبوب نے مجھ سے پوچھا کہ ہوش کس طرح اڑتے ہیں۔ تو مجھے خود دیکھ کر ہوا نے ہی اڑ کر اسے بتا دیا کہ یوں اڑا کرتے ہیں۔

۸- کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں

تشریح :- کوچۂ یار میں رہنے کا ڈھنگ مجھے پتہ نہیں تھا۔ نقش پا کی حیرت نے مجھے بتایا۔ کہ محبوب کے کوچہ کی خاک میں ملکر اور اس کے جلوہ سے حیرت زدہ ہو کر کوچۂ معشوق میں رہا جاتا ہے۔

۹- گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

تشریح :- اگر تیرے دل میں یہ خیال ہو کہ وصال یار سے عشق میں کمی آجاتی ہے تو یہ بات

غلط ہے۔ کیونکہ دریا کی موج پانی میں جو تڑپ رہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ پانی سے مل کر بھی اس کو سکون حاصل نہیں۔ مطلب یہ کہ وصال معشوق سے اضطراب عشق میں کمی نہیں آتی بلکہ جذبۂ عشق اور بھی شدید ہوتا ہے۔

۱۰۔ جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشک فارسی
گفتۂ غالبؔ ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

تشریح:۔ اگر کوئی یہ پوچھے کہ کس طرح اردو کی شاعری فارسی شاعری کے لئے بھی قابل رشک ہو جائے۔ تو اُسے غالبؔ کا کلامِ اردو پڑھ کر سنا دو کہ اس طرح۔

ردیف یائے

ا

۱۔ صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے

تشریح:۔ جو آنکھ اٹھا کر دیکھو تو سینکڑوں جلوے سامنے نظر آئیں گے۔ ان جلوؤں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ ان کو دیکھنے کے لئے بینائی کے احسان تک اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا ہیں۔ مطلب یہ کہ ذات حق کے جلووں کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

۲۔ ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق
یعنی ہنوز منتِ طفلاں اٹھائیے

برات۔ ہنڈی

تشریح:۔ جنونِ عشق کے لئے روزی کی ہنڈی خدا نے پتھر پر لکھ دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکوں کے احسان اٹھاؤں جو کہ تم (عشاق مجنوں) پر پتھر مارتے ہیں اور روزی مہیا کرتے ہیں۔

۳۔ دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب! نہ احسان اٹھائیے

تشریح:۔ احسان کا بوجھ اتنا بھاری ہوتا ہے کہ دیوار بھی اپنے معمار مزدور کے احسان کے بار سے خم ہے۔ اس لئے اے برباد و مسمار گھر کے مالک! کسی کا احسان اٹھا کر اپنے گھر کی تعمیر دوبارہ مت کر۔ مطلب

یہ کر احسان نہیں اٹھانا چاہیئے۔

۴۔ یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیئے
یا پردۂ تبسمِ پنہاں اٹھائیے

تشریح:۔ تو رقیب کے ساتھ دربردہ ہنستا ہے۔ جب میں اسکی شکایت کرتا ہوں تو یہ کہہ کر کہ تو رشک کرتا ہے مجھے رسوا کرتے ہو حالانکہ میرا رشک کرنا ہی ہے۔ اس لئے یا تو میرے زخم رشک کو رسوا نہ کر یا پھر رقیب کے ساتھ پردے کے پیچھے مسکرانا چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ میرے لئے ناقابل برداشت، باعث آزار اور وجہ رشک ہے۔

۳

۱۔ مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیئے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیئے

خرابات۔ شراب خانہ۔ قبلۂ حاجات۔ شیخ یا واعظ سے مراد ہے۔

تشریح:۔ اے شیخ! خدا نے جو ابرووں کے پاس آنکھ بنائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کے پاس شراب خانہ ہو۔ ابرو مسجد کی محراب کی شکل کے ہیں۔ اور آنکھ اپنی مستی کی وجہ سے شراب خانہ ہے۔

۲۔ عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

مکافات۔ بدلہ

تشریح:۔ اے میرے محبوب! تم نے جو مجھ پر ستم ڈھائے ہیں ان کا بدلہ ہونا ہی چاہیئے تھا۔ اور اس کا بدلہ اب یہ ہے کہ تو کسی پر عاشق ہوا ہے

اور اس کے عشق میں اب تو جور و ستم سہے گا تب پتہ چلے گا۔ لفظ "کچھ" میں خاص لطف ہے کہ جتنے ظلم تو کرتا رہا ہے۔ گو اتنے تو تجھ پر نہیں ہوں گے۔ ہاں کچھ تھوڑا سا بدلہ تو لیا ہی جائے گا

۳۔ دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے

مافات ۔ خطائیں

تشریح:۔ اے آسمان! تو ہم پر ظلم کرتا رہا۔ اور ہمارا دل حسرتوں کی پرستش کرتا رہا۔ اب تو کوئی ایک آدھ آرزو پوری کر دے جس سے کہ تیری خطاؤں کا تھوڑا بہت ازالہ ہو سکے۔

۴۔ سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

تشریح:۔ حسینوں سے ملاقات کرنے کے لئے کچھ تو ذریعہ ہونا چاہیے اسی لئے ہم نے تصویر کھینچنے کا فن سیکھا ہے کیونکہ حسین اپنی تصویر بنوانے کی خواہش رکھا کرتے ہیں۔

۵۔ مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بےخودی مجھے دن رات چاہیے

تشریح:۔ ہم شراب پیتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد کسی قسم کا عیش یا خوشی حاصل کرنا نہیں بلکہ اس سے ہم ایک طرح کی بےخودی حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

۶ - ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے

تشریح :- لالہ، گلاب، اور سیوتی - ان سب پھولوں کے رنگ اگرچہ الگ الگ ہیں، مگر ان سب رنگوں میں بہار کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے - مطلب یہ کہ دنیا کے تمام موجودات میں اسی ایک ذاتِ الٰہی کا جلوہ ہے

۷ - سر پائے خم پہ چاہیئے ہنگام بے خودی
رُو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے

تشریح :- دعا کے وقت منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیئے - اور شراب کے مٹکے ہی مے نوشوں کے لئے قبلہ ہیں - اس لئے شراب کے نشہ کی حالت میں اپنا سر شراب کے مٹکوں کے قدم پر جھکا دو -

۸ - یعنی بہ حسبِ گردشِ پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیئے

تشریح :- ذاتِ الٰہی کی صفات کا پیمانہ ہر وقت دور میں رہتا ہے - اس لئے عارف کو چاہیئے کہ ہمیشہ ذاتِ باری کی شراب میں مست و بے خود رہے

۹ - نشو و نما ہے اصل سے غالبؔ فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیئے

فروع - جمع فرع کی بمعنی شاخ

تشریح :- اے غالب! ٹہنی کی نشو و نما جڑ سے ہوتی ہے - اسی طرح وزن دار بات وہی ہے جو خاموشی سے نکلے ہے یعنی پہلے خاموشی

رہ کر بات سوچ لی جائے اور پھر منھ سے نکالی جائے۔

۳

۱۔ بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرۂ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے بہ اندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

بساط۔ سرمایہ۔ عجز۔ بے چارگی۔ عاجزی

تشریح:۔ بے چارگی اور عاجزی میں میرا سرمایہ صرف ایک دل تھا جو کہ محض ایک خون کا قطرہ تھا۔ اور اب تو وہ ایک خون کا قطرہ بھی ٹپکنے کو سر جھکائے ہے۔ یعنی اس کا بھی خاتمہ قریب ہے۔

۲۔ رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

تشریح:۔ اس شوخ محبوبہ سے ہم نے تھوڑی دیر خفا ہونے کی بناوٹ کی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے مصنوعی خفگی بھی ہمارے جنونِ عشق کا ایک انداز تھا۔ ورنہ ہم اس سے کہیں خفا ہو سکتے ہیں۔

۳۔ خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی

زبوں۔ کمزور

تشریح:۔ موت کی خواہش بھی میرے ستائے ہوئے دل کو تسکین نہیں دے سکتی۔ کیونکہ وہ بھی میری تمناؤں کے جال میں پھنسے ہوئے ایک کمزور شکار کی طرح ہے۔

۴۔ نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

باعثِ افزائشِ دردِ دروں :۔ دردِ دل میں زیادتی کا باعث

تشریح :۔ اے محبوب! اگر میں جانتا کہ نالوں سے میرے دل کا درد اور بھی بڑھ جائے گا تو میں کبھی بھی آہ و فریاد نہ کرتا۔

۵۔ نہ اتنا برشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

برّش۔ کاٹ

تشریح :۔ جس تیغِ جفا سے تم مجھے قتل کرتے ہو اس کے کاٹ کی تیزی پر اتنا ناز نہ کرو کیونکہ وہ تو میری بے تابی کے دریا کی سینکڑوں تلملاتی ہوئی موجوں میں سے ہی ایک ہے۔ یہ کوئی خاص بات نہیں میرے لئے۔

۶۔ مئے عشرت کی خواہش ساقیٔ گردوں سے کیا کیجے
لئے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی

ساقیٔ گردوں۔ آسمان کو ساقی مانا ہے۔ اک دو چار۔ ۴+۲+۱ = ۷

جام واژگوں۔ الٹے جام

تشریح :۔ آسمان سے خوشی کی شراب کی آرزو کرنا بے سود ہے کیونکہ وہ تو خود چھ سات الٹے پیالوں کو لئے بیٹھا ہے۔ آسمان کو اوندھے پیالہ سے تشبیہہ دی ہے۔ (سات آسمان مانے جاتے ہیں)

۷۔ مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۴۔ نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہم دم
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

باعثِ افزائشِ دردِ دروں :۔ دردِ دل میں زیادتی کا باعث

تشریح :۔ اے محبوب! اگر میں جانتا کہ نالوں سے میرے دل کا درد اور بھی بڑھ جائے گا تو میں کبھی بھی آہ و فریاد نہ کرتا۔

۵۔ نہ اتنا بُرِّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

بُرِّش۔ کاٹ

تشریح :۔ جس تیغ جفا سے تم مجھے قتل کرتے ہو اس کے کاٹ کی تیزی پر اتنا ناز نہ کرو کیونکہ وہ تو میری بے تابی کے دریا کی سینکڑوں تلملاتی ہوئی موجوں میں سے ہی ایک ہے۔ یہ کوئی خاص بات نہیں میرے لئے۔

۶۔ مئے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں سے کیا کیجے
لئے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

ساقیِ گردوں۔ آسمان کو ساقی مانا ہے اک دو چار۔ ۴+۲+۱ = ۷

جامِ واژگوں۔ الٹے جام

تشریح :۔ آسمان سے خوشی کی شراب کی آرزو کرنا بے سود ہے کیونکہ وہ تو خود چار ستقالی الٹے پیالوں کو لئے بیٹھا ہے۔ آسمان کو اوندھے پیالہ سے تشبیہہ دی ہے۔ (سات آسمان مانے جاتے ہیں)

۷۔ مرے دل میں ہے غالبؔ شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

تشریح :- میرے دل میں وصالِ صنم کا شوق اور فراقِ صنم کی شکایت کرنے کی آرزو ہے - خدا کرے وہ دن بھی آئے جبکہ میں تمام گلے اس کے سامنے نکالوں - یا دیدار یار کے ساتھ شبِ ہجر کے شکوے کرنے کی خواہش ہے یہ شب ختم ہو اور خدا صبح لائے تو میں اپنے دل کی بھڑاس نکالوں -

---

۴

۱- بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیٔ کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

تشریح :- مانا کہ دنیا کے غم بہت ہیں. مگر ان غموں سے نجات پانے کے لئے شراب بھی کم نہیں - اس لئے مجھ کو کیا غم جبکہ کوثر کے ساقی کا غلام ہوں - اس لئے مجھے یہاں بھی اور بہشت میں بھی شراب ملتی رہیگی

۲- رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

تشریح :- اگر تو آج رقیب پر مہربان ہے تو یہی اس پر ستم ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تو بے وفا ہے اور ایک دن تیرا وہ شیدائی جب تیری بیوفائی کا تجربہ کرے گا - تو اس کی کیا حالت ہو گی - وہ بے چارہ تو تیری وفا پر مرتا ہے اور وفا تیری خو میں نہیں -

۳- کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

تشریح :- تیری زلف شبِ ہجر کے نہ کٹنے کی طرح دراز ہے اور اگر یہ کسی کو کاٹ لے تو سانپ سے کم زہر کا اثر نہیں چھوڑتی - پہلی

تو سمجھ سے باہر ہے کہ یہ خمِ ارزلف حقیقت میں پیچ ہے کیا۔

۴۔ لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

تشریح:۔ پیدا ہونے والے کی قسمت کے حکم بے شک جوتشی وغیرہ لکھیں مگر کون جانتا ہے کہ خدا نے اپنے قلم سے کیا تحریر کیا ہے؟

۵۔ نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

تشریح:۔ محبوب نہ تو اسلام پر یقین رکھتا ہے نہ قیامت کی آمد ہی مانتا ہے اور نہ ہی کسی مذہب و ملت کا قائل ہے۔ تو بتاؤ ایسے کافر کی قسم کیا قیمت رکھتی ہے! اس کا کیا بھروسہ۔

۶۔ وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے

تشریح:۔ خدا کی بخشش اور اس دنیا کا تماشہ ہر چیز کے قیمتی ہونے کے لئے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہرِ سلیمان میں حکومت بخشنے کی طاقت تھی اور جامِ جم میں اس جہان کے تمام نظارے نظر آتے تھے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو ان کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔

۷۔ سخن میں خامۂ غالبؔ کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس دم کیا ہے

تشریح:۔ غالبؔ کے کلام میں گرمی و آتش بیانی کا ہمیں یقین ہے مگر اب اس میں وہ سخن گوئی کا پہلا سا حوصلہ نہیں رہا۔

۱- آپ نے مَسَّنِیَ الضُّرّ کہا ہے تو سہی

یہ بھی یا حضرتِ ایوبؑ گلا ہے تو سہی

مَسَّنِیَ الضُّرّ - مجھے نقصان پہنچا -

تشریح :- اے حضرت ایوب! بے شک آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض ہی کیا "مجھے نقصان پہنچا" مگر یہ بھی گلا تو ہے ہی - اس لئے آپ کا صبر کامل تو نہیں رہا - حضرت ایوب کا صبر مشہور ہے -

۲- رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ پیٹوں کیوں کر

ذہن میں خوبیٔ تسلیم و رضا ہے تو سہی

تشریح :- محبوب کی رضا میں خوش رہنے کا خیال میرے دماغ میں ہے تو سہی مگر رنج و الم اس قدر ہیں کہ میں ان کو ہی نہیں سنبھال پا رہا ہوں -

۳- ہے غنیمت کہ بہ امید گزر جائے گی عمر

نہ ملے داد مگر روزِ جزا ہے تو سہی

تشریح :- قیامت کے روز میری وفاؤں کی داد ملنے کی امید ہے ہو سکتا ہے اس دن بھی داد نہ ملے - مگر روز قیامت تو لازمی طور پر آئے گا اور شکر ہے کہ اسی امید کے سہارے زندگی تو گذر جائے گی -

۴- دوست گر کوئی نہیں ہے جو کرے چارہ گری

نہ سہی ایک تمنائے دوا ہے تو سہی

تشریح :- اگر چارہ سازی کرنے کو کوئی دوست نہیں رہا تو کیا دوا سے ہی علاج ہو جانے کی امید ہے اور اس دوا کی تمنا ہے اسی امید و تمنا میں زندگی گذر ہی جائے گی -

۵ - غیر سے دیکھئے کیا خوب نباہی اس نے
نہ سہی ہم سے پر اس بت میں وفا ہی تو سہی

تشریح :- اسے ہم بے وفا نہیں کہہ سکتے - اگر اس نے میرے ساتھ وفا نہیں کی تو نہ سہی - غیر کے ساتھ تو وفا نباہی -

۶ - نقل کرتا ہوں اسے نامۂ اعمال میں میں
کچھ نہ کچھ روز ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

تشریح :- اے روز ازل! جو کچھ تو نے میرے مقدر میں تحریر کر دیا میں اسی کو اپنے نامۂ اعمال میں نقل کر رہا ہوں - اپنی طرف سے بڑے کو اچھا یا اچھے کو برا تو نہیں لکھ رہا -

۷ - کبھی آجائے گی کیوں کرتے ہو جلدی غالب
شہرہ تیزی شمشیر قضا ہے تو سہی

تشریح :- اے غالب! تم موت کے آنے کی جلدی کیوں کرتے ہو - وہ تو آئے گی ہی اور جلدی آئے گی کیونکہ اس کی تلوار کی تیزی کل جہان میں مشہور ہے - اس لئے بھلا اسے تیرے پاس آنے میں دیر ہی کتنی لگے گی -

---

۶

۱ - ہے بزم بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

تشریح :- محفل معشوقاں میں ان خوشامد پسند حسینوں کی خوشامد کرتے کرتے ہم تنگ آگئے ہیں اب تو بات بھی ہمارے ہونٹوں سے خفا ہو گئی ہے

یہ جان کر کر لب تک آنا بے سود ہے۔ کیونکہ محبوب ہماری باتوں پر کان ہی نہیں دھرتا۔

۲۔ رندانِ درِ مے کدہ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف اِن بے ادبوں سے

تشریح:۔ اے زاہد! میخانہ کے دروازے پر جو رند کھڑے ہیں وہ بے حد گستاخ ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کو کہیں شراب کی مذمت نہ کر بیٹھنا۔ یہ بہت بے ادب ہیں کہیں تیری شان میں کوئی گستاخی یا بے ادبی نہ کریں۔

۳۔ بیداد وفا دیکھ کے جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

تشریح:۔ میری جان کو ہر وقت میرے ہونٹوں سے تعلق وفاداری بنا تھا۔ مگر آخر میں میری وفا پر جور و ستم کی کوئی انتہا نہ دیکھ کر وہ بھی ہونٹوں کا ساتھ چھوڑ گئی۔

۷

۱۔ تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

تشریح:۔ اگرچہ ہمارا محبوب خود ہمارا کوئی ذکر نہیں کرتا مگر دوسروں کے منہ سے میری باتیں چپ ہو کر سن لیتا ہے۔ جس سے کہ ہم ان سے کوئی شکایت بھی نہ کر سکیں کہ آپ ہم سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ میرا نام تو آپ منہ پر لاتے نہیں۔

۲۔ غالبؔ ترا احوال سنا دیں گے ہم اُن کو
وہ سُن کے بُلا لیں یہ اجارہ نہیں کرتے

تشریح:۔ معشوق ناراض ہے۔ عاشق میں اس کے سامنے جانے کی ہمت نہیں۔ مگر دیدار و ملاقات کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ احباب تسلی دینے کو کہتے ہیں کہ اے غالبؔ! تیری یہ حالت زار ہم اس سے کہہ تو دیں گے مگر اس بات کا ذمہ نہیں لیتے کہ اسے سن کر وہ تجھے اپنے پاس بلا لے گا۔

۸

۱۔ گھر میں تھا کیا جو ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

تشریح:۔ تیری محبت کے غم کے تباہ کرنے کے لئے اب میرے گھر میں کچھ بھی باقی نہیں تھا۔ مگر گھر کو دوبارہ تعمیر کرنے کی حسرت باقی تھی وہ اب بھی ہے۔ تیرا غم اسے غارت نہیں کر سکا۔

۹

۱۔ غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

تشریح:۔ اگر اس دنیا کے غم سے کبھی فرصت مل جاتی ہے تو سر اٹھاتے ہی نظر آسمان پر جاتی ہے۔ تب تیری یاد آجاتی ہے کیونکہ آسمان بھی تیری طرح جور پیشہ ہے۔

۲۔ کھلیگا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یا رب
قسم کھائی ہے اس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

تشریح :۔ محبوب نے تو میرا خط تک جلانے کی قسم کھا رکھی ہے اسے پڑھنا تو درکنار ۔ اگر وہ میرا خط جلا ہی دیتا تو اس سے نکلنے والے شعلوں سے میرے دل کا سوز ظاہر ہو جاتا ۔ اب اس پر میرے خط کا مضمون عیاں کرنے کی کیا صورت ہو؟

۳ - لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
وَلے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

پرنیاں - ایک کپڑے کا نام

تشریح :۔ ریشمی کپڑے میں آگ کا شعلہ نہیں رہ سکتا ۔ کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ پرنیاں میں آگ کا شعلہ تو رہ جائے مگر دل میں آتشِ غم چھپانا ناممکن ہے ۔

۴ - انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

تشریح :۔ سیرِ گل کا بہانہ کر کے وہ اٹھے ۔ حالانکہ وہ اپنے تیرِ عشق کے زخمیوں کو دیکھنا چاہتے تھے ۔

۵ - ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

تشریح :۔ اے ظالم محبوب! میرے پاس تو آیا ۔ میں نے اسے تیری مہربانی خیال کیا اور اس پر ناز کرنے لگا ۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ تیری آمد سوائے تیرے جانے کی تمہید کے کچھ نہ تھا ۔ یعنی تو جانے کے لئے ہی آیا تھا ۔

۶ - لکدکوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

ملکد۔ لتاڑ۔ کوب - لات

تشریح :- میری طاقت تو حسینوں کے ناز اٹھانے کی ذمہ دار تھی - یہ زمانہ کی آفات و آلام کی لاتیں برداشت نہیں کر سکتی -

۷ - کہوں کیا خوبیٔ اوضاع ابنائے زماں غالب

بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

اوضاعِ ابنائے زماں - اہل زمانہ کی طرز

تشریح :- اے غالب! اہل زمانہ کی خوبیٔ طرز کیا بیان کروں ؟ ہم نے جس کسی کے ساتھ بھی نیکی کی اسی نے ہم سے بدی کی -

۱۰

۱ - حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی

دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

آرزو خرامی - آرزو کے لئے ادھر ادھر بھٹکنا

تشریح :- آرزو کی تکمیل کے لئے ادھر اُدھر پھرنے سے کچھ حاصل نہیں کیونکہ دل تو کثرت گریہ میں ڈوبی ہوئی آسامی بن چکا ہے - جس سے کہ کچھ وصول ہونے سے رہا -

۲ - اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے

میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

تشریح :- میں عشق میں جلے ہوؤں میں اس طرح ادھ جلا ہوں جس طرح کہ کسی نے شمع کو مکمل جلے بغیر گل کر دیا ہو - مطلب یہ کہ میں عاشق کامل نہیں بن سکا -

۱۱

۱۔ کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہاں ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسماں ہے

بیضہ۔ انڈہ۔ مور۔ چیونٹی

تشریح:۔ ہم مظلوموں کا جہاں اتنا تنگ ہے کہ اس میں چیونٹی کا انڈہ وسعت کے لحاظ سے آسمان کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

تشریح:۔ جس طرح ہر ذرہ کی جان کا دارومدار آفتاب کی روشنی پر ہے اسی طرح کائنات کی حرکت اور زندگی بھی اسی کے ذوقِ بخشندگی کے سبب سے ہے۔

۳۔ حال آنکہ ہے یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشہ پہ مے کا گماں ہے

سیلی۔ تھپڑ۔ خارا۔ سخت پتھر۔

تشریح:۔ میرے دل کی لال رنگت کو دیکھ کر غافل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں شراب ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عشق کے سخت پتھر کی چوٹ سے اس کا رنگ لال ہو گیا ہے۔

۴۔ کی اس نے گرم سینۂ اہل ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

تشریح :- ہوس پرست رقیب کے ٹھنڈے دل کو محبوب نے اپنے شوقِ محبت سے گرما دیا ہے۔ اور محبوب کو یہ مکان ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے پسند ہے۔ مطلب یہ کہ رقیب کا سینہ عاشقِ صادق نہ ہونے کی وجہ سے گرمیٔ عشق سے خالی اور ٹھنڈا ہے۔ محبوب نے وہاں جگہ بنا کر اسے گرم کر دیا ہے۔ یہ گرمی ہوس کی ہے محبت کی نہیں۔

۵- کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ہے
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

تشریح :- تم نہیں مانتے کہ تم نے غیر کو بوسہ دیا ہے۔ بس چپ رہو ورنہ ہم یہ جان سکتے ہیں کہ تم نے ایسا کیا ہے یا نہیں کیونکہ ہمارے بھی منہ میں زبان ہے جس سے چکھ کر ہم بتا دیں گے یا پھر یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر ہم نے زبان کھولدی تو تم کو قائل ہونا پڑے گا

۶- بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے

تشریح :- عاشق جو کہ معشوق کی دیوار کے سایہ میں بیٹھا ہے ہندوستان کا فرماں روا ہے چونکہ سایہ کالا ہوتا ہے اور ہندوستان بھی ایک کالا ملک ہے اسی نسبت سے سایہ کو ہندوستان کہا ہے۔

۷- ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

تشریح :- سوزِ محبت میں جل جل کر جگر کی جگہ اب صرف اس کا ایک داغ رہ گیا ہے۔ اب اگر لوگوں سے کہوں کہ یہ نشان جگر ہے یعنی اس جگہ کبھی

جگر تھا تو لوگ نہیں مانتے۔ اس غم محبت نے تو میرے جگر کے وجود تک کا اعتبار مٹا دیا ہے۔

۸۔ ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالبؔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے

تشریح:۔ ہم اس میں خوش ہیں کہ ہمارا معشوق ہم پر نامہربان ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ کہ اس کو ہماری وفاداری پر یقین ہے کہ اس کے نامہربان ہونے پر بھی ہم اس سے وفاداری نہیں چھوڑیں گے۔

۱۲

۱۔ درد سے میرے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تشریح:۔ محبوب کو حالت نزع میں دیکھ کر کہتے ہیں کہ میرے دردِ عشق کی وجہ سے تو بے قرار ہوا اب تیری غفلت شعاری کہاں گئی۔ اب کیوں نہیں غفلت برتتا جس سے کہ تو بے قرار ہو کر اپنے آپ پر ظلم نہ کرتا۔

۲۔ تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

تشریح:۔ اگر تیرے دل میں غم برداشت کرنے کی ہمت نہ تھی تو پھر تو کیوں میرا غمخوار بنا۔

۳۔ کیوں میری غم خوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہائے ہائے

تشریح :- تجھے میری غمگساری کرنے کی کیا ضرورت تھی - میرے ساتھ دوستی نبھا کر تو نے اپنے ساتھ دشمنی کی - یعنی مجھ بدنصیب کی دوستی تیرے لئے جی کا زیاں ثابت ہوئی

۴ - عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا،
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے

تشریح :- تو نے اگر اپنی طرف سے تمام عمر وفا نبھانے کا اقرار کیا تو اس کا کیا بنا؟ عمر نے خود ہی ساتھ نہیں دیا - جب عمر ہی پائیدار نہیں تو تیرے پیمان کی کیا قیمت ہے۔

۵ - زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

تشریح :- چونکہ آب و ہوائے زندگی تیرے موافق نہیں آئی اس لئے مجھے یہ زہر لگتی ہے -

۶ - گل فشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

تشریح :- تیرے پھول برسانے والے جلوے کے ناز و انداز کو کیا ہو گیا اب تو تیری خاک یعنی قبر پر پھول کھلے ہیں -

۷ - شرم رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

تشریح :- عشق کی رسوائی سے بچنے کی خاطر جو تو خاک کے نقاب میں

جا چھپا ہے یہ الفت کی پردہ داری کا خاتمہ ہے

۸۔ خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

تشریح :۔ پیمان وفا کی عزت (یعنی محبوب جسے وفا مجسم کہا ہے) خاک میں مل گئی۔ گویا وفاداری و عشق کی راہ و رسم ہی اس دنیا سے اٹھ گئی۔

۹۔ ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

تشریح :۔ میرے دل پر ابھی تیری تلوار کا زخم لگنے بھی نہ پایا تھا کہ تیرا ہاتھ بیکار ہو گیا۔ یعنی تیری تیغ کے زخم سے پیدا ہونے والے درد و لذت سے محروم رہا۔

۱۰۔ کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشگال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

شب ہائے تارِ برشگال۔ برسات کی اندھیری راتیں

تشریح :۔ تیرے فراق میں آنکھوں کو تارے گننے کی عادت پڑ گئی ہے اب برسات کی اندھیری راتیں کیوں کر بسر ہوں۔

۱۱۔ گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایک دل تس پہ یہ نا امیدواری ہائے ہائے

تشریح :۔ میرے کان تیری محبت کا پیغام سننے کو ترس رہے ہیں اور آنکھیں تیرے حسن و جمال کے دیدار سے محروم ہیں۔ باقی بچا دل، اس کی نا امیدی کا اب حال کیا بیان کروں۔

۱۲- عشق نے پکڑا نہ تھا غالبؔ ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

تشریح :- اے غالبؔ! ابھی میرا عشق جنون کی حد تک نہیں پہنچا تھا اور نہ ہی ابھی عشق میں خوار ہونے کے ذوق کی تسکین ہوئی تھی کہ معشوق ہی نہ رہا اور یہ حسرت دل کی دل میں ہی رہ گئی۔

۱۳

۱- سر گشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

تشریح :- تسکین جو ہم سے دور رہتی ہے، کو یہ مژدہ سناؤ کہ جنونِ عشق میں ہم زندگی سے ناامید ہو چکے ہیں اور اب مرنے کی ہی امید ہے۔ اب تو خوش ہو جا کیونکہ تیرا مانگنے والا ختم ہونے کو ہے۔

۲- لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

تشریح :- معشوق ابھی تک اس غلط فہمی میں ہے کہ میرا دل میرے پاس ہے میرے قابو میں ہے اور اسی لئے وہ صحرائے عشق کے آوارہ کی کوئی خبر نہیں لیتا۔ اصل میں اسے خبر ہی نہیں کہ میرا دل اس کے عشق میں میرے اختیار سے جاتا رہا

۳- کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک
ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

تشریح :- محبت کے غم کے سوز نے جو لطف دیا ہے میں اس کے بارے میں

کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرے جسم کے ہر بال کی جڑ اس سوز کا شکریہ ادا کرنے کو زبان بن گئی ہے۔

۴۔ ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہرچند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

تشریح:۔ میرا حق شناس دل اس کے پاس ہے۔ اس سے اُسے وفاداری کا سبق سیکھنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ اپنے حسن کے غرور کی وجہ سے ابھی تک وفا سے ناواقف ہے۔

۵۔ پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

تشریح:۔ شب مہتاب ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اس وقت بلغمی مزاج والوں کو گرم چیزیں ہی موافق آتی ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں کہ بلغمی مزاج والا ہونے کی وجہ سے شب مہتاب کی ٹھنڈک سے بچاؤ کے لئے اتنی شراب پی جتنی کہ زیادہ سے زیادہ تجھے حاصل ہے۔

۶۔ ہر اک مکاں کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

تشریح:۔ مکان میں رہنے والے سے ہی مکان کی رونق ہوتی ہے اسی وجہ سے مجنوں کی موت کے باعث اس کا مکان جنگل اداس ہو گیا ہے

۱۴

۱۔ گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

تشریح:- مرزا کے کلام کو مہمل کہنے والوں کو سنا کر غالب نے کہا ہے کہ خاموش رہنے سے اگر یہ فائدہ ہو کہ اپنا راز کسی پر ظاہر نہیں ہوتا تو میں خوش ہوں کہ میری بات عام آدمی نہیں سمجھ پاتے۔ جس سے میرا رازِ دل پوشیدہ ہے۔ یعنی ناقابل آدمی اگر میری بات نہیں سمجھ سکتے تو اچھا ہے۔

۲۔ کس کو بتاؤں حسرتِ اظہار کا گلہ
دل فردِ جمع و خرچ زباں ہائے لال ہے

لال۔ گونگا

تشریح:- لوگوں کی گونگی زبانوں کے خلاف میرا دل شکایت سے بھرا ہوا ہے شکایت اس وجہ سے کہ میرے دل میں اپنا غم ظاہر کرنے کی حسرت ہے مگر کس کو بتاؤں کسی کی زبان پوچھتی ہی نہیں۔ سب کی زبانیں گنگ ہو گئی ہیں۔

۳۔ کس پردہ میں ہے آئینہ پرداز اے خدا
رحمت کہ عذر خواہِ لبِ بے سوال ہے

آئینہ پرداز۔ روشنی دینے والی۔

تشریح:- اے خدا! تیرا کرم و بخشش جو کہ روشنی عطا کرنے والا ہے کس پردے کے پیچھے چھپ گیا ہے۔ کیونکہ میرے ہونٹ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے تک کو بند ہیں۔ یعنی اپنے کئے پر اس قدر نادم ہیں کہ معافی تک کا سوال کرنے کی ہمت نہیں رہی ان میں۔

۴۔ ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوقِ منفعل تجھے یہ کیا خیال ہے

تشریح:- اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کی وجہ سے شرمندہ اے

شوق محبت! تو یہ خیال مت کرکہ اسے تجھ سے دشمنی ہے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ کہاں وہ اور کہاں دشمنی۔ ان دونوں کا ایک ہونا ناممکن ہے

۵۔ مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان
ناف زمیں ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

تشریح:۔ نافِ زمین کعبہ کو بھی کہتے ہیں۔ کعبہ کے چاروں طرف پھیلنے والی خوشبو حضرت علی کی عنایت سے ہے۔ یہ نافہ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال یعنی ہرن کی ناف جس سے کہ خوشبو اس کے لباس میں آجائے۔

۶۔ وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا
دریا زمیں کو عرقِ انفعال ہے

تشریح:۔ زمین پر بہنے والے دریا اصل میں ندامت کی وجہ سے زمین کو آیا ہوا پسینہ ہے۔ کیونکہ عشق کی دیوانگی کے لئے زمانہ کا میدان تنگ ہے۔ اسی وجہ سے زمین شرمندہ ہو رہی ہے

۷۔ ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

تشریح:۔ اے اسدؔ! زندگی کے فریب میں مت پھنس جانا یہ سارا جہان خیال ہی کے جال کا پھندا ہے۔ حقیقت میں انسانی وجود عارضی ہے اور ناپائیدار۔ اس لئے اس کے فریب سے بچنا۔

۱۵

۱۔ تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

حذر کرو - ڈرو - بچو
تشریح :- میں تم سے جب شکایتیں کرتا ہوں تو تم انہیں شکوہ سمجھ کر کرید کرید کر مت پوچھو کیونکہ یہ ایک آگ ہے میرے دل میں دبی ہوئی - اس سے ڈرو - کہیں ایسا نہ ہو کرید نے کی وجہ سے یہ آگ تم تک پہنچے -

۲- دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے، نہ آہِ نیم شبی ہے

مغتنم - غنیمت
تشریح :- اے دل! اس صبح و شام کے درد و الم کو غنیمت سمجھ کیونکہ یہ جتنا شدید ہوگا - اتنی جلدی میرا خاتمہ ہوگا - تب نہ صبح کا رونا رہے گا نہ آدھی رات کی سرد آہیں -

---

۱۶

۱- ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

غلط بردار - وہ کاغذ جس پر سے لکھے ہوئے حروف اڑ سکیں
تشریح :- اے محبوب! تیرے خط میں ایک جگہ پر لفظ 'وفا' تحریر تھا - مگر وہ بھی مٹ گیا - اس سے صاف ظاہر ہے کہ تیرے خط کا کاغذ غلط بردار تھا جس کی وجہ سے کہ یہ لفظ غلط حرف کی طرح مٹ گیا یعنی یہ بات تو نے سچے دل سے نہیں لکھی تھی -

۲- جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں
ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

تشریح :- اگرچہ میری آہیں آگ برسا رہی ہیں مگر ہم پھر بھی نہیں جلتے۔ اس لئے فنا ہونے کے ذوق کی تسکین اگر نہ ہو تو ہمارا جی کیوں نہ جلے

۳- آگ سے پانی میں بجھتے وقت اُٹھتی ہے صدا

ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے

تشریح :- عاجزی اور بے چارگی کی حالت میں ہر آدمی خواہ کتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہو، فریاد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دینے والی آگ بھی جب پانی میں بجھنے لگتی ہے تو عاجز ہو کر فریاد کرتی ہے (آگ پر پانی ڈالتے وقت آواز پیدا ہوتی ہے)

۴- ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ

جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

تشریح :- جس کے جلووں سے زمیں سے لیکر آسمان تک کی ہر شے بدمست ہے۔ وہ خود ہی اس بدمستی کا جوابدہ ہے نہ کہ بدمست۔

۵- مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی

زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

تشریح :- عاشق کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر معشوق نے اس سے کہا کہ تو تو مجھے اپنی جان کہا کرتا تھا۔ اب کیا ہوا؟ تو عاشق جواباً کہتا ہے تو مجھ سے مت کہہ کہ میں تجھے اپنی زندگی کہتا تھا۔ کیوں کہ آج کل تو میں اپنی زندگی سے بھی بیزار ہوں۔ مطلب یہ کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو کر بھی محبوب سے بیزار نہیں ہونا چاہتا۔

۶- آنکھ کی تصویر سر نامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

تشریح :- خط کے لفافہ پر سر نامہ کے ساتھ آنکھ کی تصویر اس لئے بنائی ہے تاکہ تو جان جائے کہ کاتب خط تیرے دیدار کی حسرت رکھتا ہے۔

۱۷

۱- مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

تشریح :- میری زندگی تمناؤں کے حیرت کدے کا میدان ہے اور اس حالت میں جس کو فریاد کہتے ہیں وہ بھی عنقا بن گئی ہے۔ یعنی ناپید ہے۔

۲- خزاں کیا فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

تشریح :- خزاں ہو، بہار ہو یا اور کوئی موسم ہو ہمارے لئے سب برابر ہے۔ ہر موسم میں ہم ہیں، وہی قفس کی قید اور وہی بال و پر کا ماتم۔

۳- وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

تشریح :- معشوق سے وفا ہو جائے تو یہ اتفاق کی بات ہے وگرنہ کس نے غمگین دلوں کی فریاد کا اثر ظالم معشوق پر ہوتے دیکھا ہے یعنی حسین وفا سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور ان پر چاہنے والوں کی آہ و فریاد کا اثر نہیں ہوا کرتا۔

۴- نہ لائی شوخیٔ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی
کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنّا ہے

تشریح:- میری شوخیٔ اندیشہ میں ناامیدی کے رنج کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر جو میں انہیں مل رہا ہوں اس کا مطلب افسوس کرنا نہیں بلکہ آرزوئے محبت پیدا کرنے کا نئے سرے سے عہد ہے

۱۸

۱- رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے
نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے

تشریح:- اے ظالم! میری حالت پر رحم کر۔ میری زندگی ایک بجھے چراغ کی سی ہے۔ اور تیری وفا کے بیمار (میری) کی نبض اس بجھتے ہوئے چراغ کے دھوئیں کی مانند ہے۔

۲- دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

تشریح:- دل لگی کی آرزو نے ہمیں بے چین کر رکھا ہے۔ ورنہ اس دل لگی (عشق) کا حشر ہم جانتے ہیں کہ ہمیں لے ڈوبے گی۔ یہاں تو چراغ کا سا حال ہے۔ جس طرح چراغ اگر پر رونق (روشن) ہو تو اپنے ہی لئے نقصان دہ ہے یعنی خود ہی جل جل کر ختم ہو جائے گا۔

۱۹

۱- چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ تو کہدے کہ دودِ شعلہ آواز ہے

تشریح :- حسینوں کی آنکھیں چپ رہ کر بھی باتیں کر جاتی ہیں - اور سرمہ جو ان کی آنکھ میں ہوتا ہے آواز کے شعلہ کا دھواں ہے -

۲- پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ گویا گردشِ سیّارہ کی آواز ہے

تشریح :- عاشقوں کا جسم ان کی ناساز قسمت کی آواز دینے والا باجہ ہوتا ہے - یا پھر ان کی قسمت کا ستارہ گردش میں آیا ہوا فریاد کرتا ہے

۳- دست گاہِ دیدۂ خوں بارِ مجنوں دیکھنا
یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

تشریح :- مجنوں کی لہو رونے والی آنکھ کا کمال دیکھ - اس نے ایک صحرا کو اپنے خونی آنسوؤں سے گلزار بنا دیا -

---

۲۰

۱- عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

تشریح :- اے محبوب! تو میرے عشق کو عشق نہ جان کر جنون سمجھتا ہے تو ایسا ہی سہی - اس کا بھی تجھ کو فائدہ ہے کیونکہ میری دیوانگی کے باعث تیری شہرت ہے -

۲- قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

تشریح :- اگر تم مجھ سے محبت کا رشتہ نہیں رکھ سکتے تو نہ سہی

دشمنی کا تعلق توڑ رہنے دو۔ بالکل بیگانہ نہ بنو۔

۳- میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی

اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

تشریح:۔ اگر میری مجلس میں تیری موجودگی تیرے لئے باعث رسوائی ہے تو مجلس میں نہ سہی تنہائی میں ہی مل لیا کر۔

۴- ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے

غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

تشریح:۔ اگر غیر کو تجھ سے محبت ہے اور تو اسے جانتا ہے تو ہم بھی کوئی تیرے دشمن تو نہیں ہیں۔ جو ہم سے اتنی نفرت ہے

۵- اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو

آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

تشریح:۔ جو کچھ بھی کرو اپنی ہستی سے کرو خواہ زندگی کی حقیقت سے واقف ہو کر یا اس کی طرف سے لاپرواہ ہو کر۔

۶- عمر ہر چند کہ ہے برق خرام

دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

تشریح:۔ بے شک زندگی بجلی کی سی تیز رفتار سے گذرتی ہے پھر بھی یہ قلیل سی مدت ہی دل کا خون کرنے کو کافی ہے۔

۷- ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں

نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

تشریح :- تم ہمیں ترک وفا کا الزام دیتے ہو۔ چلو ہم نے مان لیا اور یہ بھی کہ ہمارا عشق عشق نہیں بلکہ ہمارے سر ایک مصیبت ہے۔ مصیبت بھی تو قابل رحم ہوا کرتی ہے۔ اسی خیال سے ہی کچھ رحم وکرم فرماؤ

۸- کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

تشریح :- اے نا انصاف آسمان! اگر تو اور کچھ نہیں دیتا تو آہ و فریاد کی اجازت ہی دیدے۔

۹- ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

تشریح :- اگر بے نیازی ہی تیری عادت ہے۔ تو ہم بھی تسلیم و رضا کے پابند ہونے کی مشق کریں گے۔ تمہاری بے نیازی سے ہم تو بے نیاز ہونے سے رہے۔

۱۰- یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

تشریح :- اے اسدؔ! محبوب سے کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ تو چلتی ہی رہنی چاہیئے۔ اگر اس سے ملاقات نہیں ہوتی تو حسرت کا اظہار ہی کرتے چلے جاؤ۔

۲۱

۱- ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

نکوہش - ملامت

تشریح :- یار کی جدائی میں آرام سے گھر میں بیٹھے رہنا میرے لئے باعث ملامت ہے۔ اسی لئے صبح وطن مجھ پر ہنس رہی ہے کہ یار کی تلاش میں گھر چھوڑ دے۔

۲- ڈھونڈے ہے اس مغنّیِ آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے

تشریح :- میرا دل اس گانے والے کو ڈھونڈ رہا ہے۔ جس کی آواز میں آگ بھری ہو اور جو میرے لئے فنا کرنے والی بجلی بن جائے۔

۳- مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

تشریح :- میں خیالات کی وادیوں کو مستانوں کی طرح اس دنیا سے بے پرواہ پار کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے واپس آنے کی کوئی غرض نہ رہے۔

۴- کرتا ہے بس کہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

تشریح :- میں تو نکہتِ گل کو اس کی بے حجابی پر الزام دیا کرتا تھا مگر اب تو باغ میں بے حجاب ہونے لگا ہے اور نکہتِ گل کے آگے میں شرمسار ہو رہا ہوں۔ اصل عاشق کا مقصد یہ ہے کہ معشوق بے پردہ نہ ہو جس سے کہ غیر اس کے حسن کا تماشا کر سکیں۔

۵ - کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

تشریح:- میں نے جن اشعار کا انتخاب کیا انہوں نے لوگوں کے سامنے میرے دل کی باتیں ظاہر کر دیں - جس سے کہ میری رسوائی ہوئی - اگر میں نے ایسا انتخاب نہ کیا ہوتا تو میرے دل کی باتوں کا کیوں غیروں کو پتہ لگتا

۲۲

۱- اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کئے

تشریح:- اگرچہ معشوق کی محفل میں لوگوں نے مجھ پر اشارے کئے یعنی انگلیاں اٹھائیں - مگر میں بھی وہیں بے غیرت ہو کر پڑا رہا - اس کی بزم میں شرم کرنے سے کام نہیں چلا -

۲ - دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے

تشریح:- میں تیرے دروازہ پر پہنچ جاؤں تو صدا لگائے بغیر واپس آنے والا نہیں - اگر آج ایسا ہو گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا دل درباں کی دھمکیوں سے ڈر گیا ہے -

۳ - رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کئے

خرقہ - فقیر کی گودڑی - سجادہ - مصلےٰ

۵ - کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

تشریح:۔ میں نے جن اشعار کا انتخاب کیا انہوں نے لوگوں کے سامنے میرے دل کی باتیں ظاہر کردیں۔ جس سے کہ میری رسوائی ہوئی - اگر میں نے ایسا انتخاب نہ کیا ہوتا تو میرے دل کی باتوں کا کیوں غیروں کو پتہ لگتا

۲۲

۱۔ اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کئے

تشریح:۔ اگرچہ معشوق کی محفل میں لوگوں نے مجھ پر اشارے کئے یعنی انگلیاں اٹھائیں ۔ مگر میں بھی وہیں بے غیرت ہو کر پڑا رہا۔ اس کی بزم میں شرم کرنے سے کام نہیں چلا -

۲۔ دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے

تشریح:۔ میں تیرے دروازہ پر پہنچ جاؤں تو صدا لگائے بغیر واپس آنے والا نہیں - اگر آج ایسا ہو گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا دل درباں کی دھمکیوں سے ڈر گیا ہے -

۳۔ رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کئے

خرقہ - فقیر کی گودڑی - سجادہ - مصلےٰ

تشریح :- موسم بہار کی دعوت کئے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے کیونکہ میں مفلس و نادار ہو چکا ہوں۔ اسی لئے اب گودڑی اور مصلےٰ شراب کی خاطر گروی رکھ رہا ہوں۔

۴- بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

تشریح :- دنیاوی جھنجھٹوں میں پھنس کر کتنی بھی لمبی عمر کیوں نہ ہو۔ دُکھوں ہی جاتی ہے۔ خضر بھی اتنی لمبی عمر گذارنے کے بعد قیامت کے دن یہی کہیں گے کہ یہ زندگی ضائع گئی۔ ذات حق کی طرف کوئی دھیان ہی نہیں دیا۔

۵- مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

لئیم - کنجوس

تشریح :- اگر مجھے قدرت حاصل ہو جائے تو میں خاک سے یہ پوچھوں کہ اے کنجوس! جو اتنے قیمتی خزانے تیرے اندر دفن کئے گئے وہ سب تو نے کہاں بغیر کسی وجہ کے چھپا رکھے ہیں

۶- کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

تشریح :- دشمن لوگ ہر وقت ہم پر فرضی الزام لگاتے رہتے ہیں اور یہ تہمتوں کے آرے ہمارے سر پر چلتے ہی رہتے ہیں۔

۷۔ صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کئے

تشریح :۔ محبوب جو بغیر مانگے بوسے دینے لگا ہے کہیں اس کی وجہ غیر کے ساتھ زیادتی اختلاط و بے تکلفی تو نہیں۔

۸۔ ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کئے

تشریح :۔ میرا معشوق ضد پر آجائے تو اور بات ہے۔ ویسے فطرت کا وہ برا نہیں۔ ثبوت کے طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس نے بھولے سے سینکڑوں وعدے پورے کئے ہیں۔ اگر وہ بد خو اور بے وفا ہوتا تو بھولے سے بھی کوئی وعدہ وفا نہ کرتا۔

۹۔ غالبؔ تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

تشریح :۔ اے غالبؔ! مان لیا کہ تم معشوق کے آگے جا کر اپنا حال زار عرض کرو گے اور وہ سن بھی لیں گے۔ تو بھی تمہیں جواب کیا ملے گا؟ وہی جواب جو اب تک ملتا آیا ہے اس لئے اس کے پاس جانا بے سود ہے

۲۲

۱۔ رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

تشریح :۔ اس سال کا حساب لگانے کو برق ہی سورج کا کام دے گی

کیونکہ زندگی برق کی سی رفتار سے راستہ طے کرنے لگی ہے۔

۲- مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

تدرو - چکور

تشریح :- بہار کی خوشی سے شراب کی صراحی سرو بن گئی ہے۔ اور چکور کے بال شراب کی رقصاں موجوں کا جلوہ دکھا رہے ہیں۔

۳- زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

پاشنہ - ایڑی

تشریح :- پائے استقلال کی ایڑی زخمی ہو گئی ہے۔ اب تو نہ بھاگنے کی ہمت ہے اور نہ ٹھہرنے کی طاقت۔ یعنی راہِ محبت میں اب ایڑیاں رگڑنے کے سوا ہمارے لئے کچھ نہیں رہا۔

۴- جادا ز بادہ نوشی رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

گیتی خراب - بے سروسامان

تشریح :- غافل لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ رند بے سروسامان و آوارہ ہیں مگر حقیقت یہ کہ کل عالم شراب نوشوں کی جاگیر ہے۔

۵- نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا
جوشِ بہار جلوہ کو جس کی نقاب ہے

تشریح:۔ اس کے بجلی گرانے والے حسن کے دیدار کی تاب تو نظارہ میں بھی نہیں۔ اس کے حسن کے واسطے جوش بہار نقاب کا کام کرتا ہے

۶۔ میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں

مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

تشریح:۔ بے شک تیرے دیدار سے میری نظر کی پیاس بجھ گئی ہے مگر یہ بتا کہ اپنے نامراد دل کو کس طرح تسلی دوں۔

۷۔ گزرا اسدؔ مسرتِ پیغام یار سے

قاصد پہ مجھکو رشکِ سوال وجواب ہے

تشریح:۔ معشوق کے پیغام کی خوشی سے میری توبہ۔ مجھے تو پیغام لانے والے قاصد پر رشک آتا ہے جس کے ساتھ وہ سوال وجواب کریگا۔

۲۴

۱۔ دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے

میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

تشریح:۔ عاشق کی تنگ دلی اور انتہائے رشک ملاحظہ ہو کہتے ہیں کہ میری شومئ قسمت دیکھئے کہ جب محبوب کا دیدار ہوا تو مجھے اپنے آپ سے رشک ہونے لگا۔ کہ میں کیوں اس کا نظارہ کروں۔ اس رشک کے مارے میں اس کے دیدار سے بھی محروم ہوگیا۔

۲۔ ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشہ میں ہے

آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھلا جائے ہے

تشریح :- اگر عشق کے خیالات کی گرمی اتنی ہے کہ دل جو کہ جام شراب ہے محبت کی شراب سے پگھل جاتا ہے تو تو کب تک دل کو سنبھال کر رکھے گا- ایک نہ ایک دن یہ جاتا رہے گا-

۳- غیر کو یارب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

تشریح :- اے خدا! غیر جب اس سے گستاخی کرتا ہے تو وہ کس طرح اسے منع کرے- کیونکہ جب اس کو اس چھیڑ چھاڑ سے حیا آجاتی ہے تو وہ اس غیر سے شرم کے مارے تکرار بھی نہیں کرتا-

۴- شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

تشریح :- شوقِ عشق کو تو ہر وقت آہ و فریاد کرنے کا چکر پڑا ہوا ہے مگر دل کی ضعف و ناتوانی کے باعث یہ حالت ہے کہ سانس تک لینے سے بیزار ہے- میری جان تو مصیبت میں پھنسی ہے -

۵- دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

تشریح :- تیری بزم طرب کو میری نظر نہ لگے - اس کا کیا کہنا- تیری محفل نشاط میں تو جا کر میری فریاد بھی نغمہ بن جاتی ہے -

۶- گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

تشریح :۔ غفلت سے گرچہ ہماری کوشش یہ ہے کہ رازِ عشق پر
پردہ پڑا رہے مگر ہم اس غفلت میں بھی جوشِ عشق سے اتنے بدحواس ہو
رہے ہیں کہ محبوب پر ہمارا راز آشکارا ہو رہا ہے۔

۷۔ اس کی بزم آرائیاں سن کر دلِ رنجور یاں
مثلِ نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

تشریح :۔ اس کی محفل کی آرائشوں کی باتیں سن کر میرا رنجیدہ دل اس
طرح بیٹھنے لگتا ہے جس طرح کہ غیر کے مدعا یعنی محبت کا نقش اس کے دل پر
بیٹھتا ہے

۸۔ ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

تشریح :۔ میرا محبوب کسی اور پر عاشق ہو گیا ہے اور اس کے عشق میں
اس کا رنگ جتنا اڑتا جاتا ہے اتنا ہی کھلتا جاتا ہے۔ یعنی اس پری وش میں
نزاکت بڑھتی جا رہی ہے۔ عاشق کی نظر دیکھئے معشوق کے رنگ کا اڑنا بھی اسے
رنگ کا کھلنا نظر آتا ہے۔

۹۔ نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

تشریح :۔ اس کی تصویر اپنے مصور کے ساتھ بھی اس قدر
زیادہ شوخی کے ساتھ پیش آتی ہے کہ جوں جوں تصویر کھینچتا ہے توں
توں تصویر بھی کشیدگی اختیار کرتی جاتی ہے۔

۱۰۔ سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسدؔ
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

تشریح:۔ میری جان میں ایک آگ لگی ہے۔ ایسی حالت میں بھلا میرے پاس کون ٹھہر سکتا ہے۔ میرا سایہ بھی مجھ سے اس طرح بھاگ رہا ہے جس طرح آگ سے دھواں۔

۲۵

۱۔ گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

شکلِ نہالی۔ قالین پر بنی ہوئی تصویر۔ برد۔ سردی لیالی۔ جمع لیل کی یعنی راتیں۔

تشریح:۔ قالین کی تصویر نے تیری جدائی کی راتوں میں مجھے سردی سے محفوظ کر کے گرمِ فریاد رکھا۔ مطلب یہ کہ قالین کی تصویر سے تو یاد آیا اور تیری یاد سے میں فریاد کرنے لگا اور اس فریاد کی گرمی سے سردی کی شدت زائل ہو گئی۔

۲۔ نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے

تشریح:۔ ادھار اور نقد دونوں کی حقیقت مجھے معلوم ہے یعنی میرے آگے ان دونوں کی کوئی وقعت نہیں (نقد جو کچھ یہاں مل رہا ہے اور نسیہ جو عاقبت میں حاصل ہوگا) میری ہمتِ عالی نے ان دونوں سے اوپر اٹھ کر مجھ کو خرید لیا۔ مطلب یہ کہ میری ہمتِ عالی کے آگے دنیا اور عاقبت

دونوں کی قیمت کم ہے۔

۳۔ کثرت آرائی وحدت ہے پرستاریٔ وہم
کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

اصنام۔ صنم کی جمع ۔ بت

تشریح:۔ وحدت کو کثرت سمجھنا وہم ہے اور اس وہم نے ہی مجھے پہلے خیالی بتوں کی پرستش میں لگایا اور ان خیالی بتوں کی پرستش سے میں کافر بن گیا۔

۴۔ ہوسِ گُل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

تشریح: جب سے میرے بال و پر کٹے ہیں مجھے آرام مل گیا ہے کیونکہ اب خیال میں بھی باغ کی سیر کی یاد نہیں آئے گی جس سے کہ دل میں خلش پیدا ہوتی ہے۔

۲۶

۱۔ کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے

تشریح:۔ ہستی کے کارخانہ میں گُل لالہ کو افسردگی کا داغ ملا ہے۔ کسان کا خون جو کہ محنت و مشقت سے گرم ہو جاتا ہے اس کے خرمنِ راحت کے لئے بجلی بن کر موت کا پیغام دیتا ہے۔

۲۔ غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم
باوجودِ دلجمعی خوابِ گُل پریشاں ہے

تشریح :- غنچہ جب شگفتہ ہوکر پھول بن جائے تب تک اس کی آسائش مٹ جاتی ہے۔ غنچہ کے پتیوں سے ملے ہونے اور اس سے دل کو کچھ اطمینان ہونے کے باوجود پھول کا خواب تو شہ کا پھول بننے کا خوب ہر پریشاں ہی رہتا ہے۔

۲ - ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے

داغ پشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدنداں ہے

تشریح :- لاغری اور ناتوانی کی وجہ سے دستِ عجز کو گھاس کا تنکا مانا ہے اور ہاتھ کی پشت کو شعلہ جس سے کہ تنکا جل رہا ہے کہتے ہیں کہ جب ہاتھ تنکا اور ہاتھ کی پشت اس کو جلا دینے والا شعلہ بن گئی ہو تو بے تابی کے رنج کو کس طرح برداشت کیا جائے۔

۲۷

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ

ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

تشریح :- ہم تو فراق سے گھر چھوڑ کر ویرانے میں نکل آئے۔ ادھر ہمارے گھر میں برسات سے سبزہ اُگ آیا۔ یعنی بہار آگئی۔ دیوانگی عشق دیکھئے کہ گھر میں آئی ہوئی بہار کو ٹھکرا کر ہم بیاباں میں بھٹک رہے ہیں۔

۲۸

۱- سادگی پر اس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے

بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

تشریح :- ہمارے دل میں تو اس کی سادگی پر مرنے کی خواہش ہے۔ مگر وہ ہمارے قتل کو ہاتھ میں خنجر لئے پھرتا ہے قتل کے اس سامان کو

دیکھ کر اس کی سادگی پر مر مٹنے کی حسرت ہمارے دل ہی میں رہ جاتی ہے۔

۲- دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

تشریح :- حسن بیان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے طرز بیان کی کیا تعریف بیان کروں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے گویا میرے ہی دل کی بات کہہ رہا ہے۔

۳- گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

تشریح :- اگرچہ وہ اپنی محفل میں مجھے ہمیشہ برائی سے یاد کرتے ہیں مگر میرے لئے یہی باعث مسرت ہے کہ میرا ذکر مجھ سے بہتر ہونے کی وجہ سے ان کی محفل میں ہوتا تو ہے

۴- بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

تشریح :- ہماری کوششیں جو بے کار جاتی ہیں ہمیں ان میں بھی ایک لذت حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے ہماری کوششوں کا سلسلہ چل رہا ہے مگر نا امیدی کے ہجوم اتنا نہ بڑھے کہ ہم کوشش کرنا ہی چھوڑ دیں اور ہماری یہ لذت بھی خاک میں مل جائے۔

۵- رنج وہ کیوں کھینچے واماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

تشریح :- نامرادی کو ہم سے عشق ہوگیا ہے اور وہ ہمیں آگے بڑھنے سے روکتی ہے اس لئے راہ منزل پر ہمارا جو قدم پڑا ہے آگے نہیں اٹھ سکتا۔ اور نہ ہی ہم کبھی اپنی منزل تک پہنچیں گے۔ اس لئے کیوں خواہ مخواہ راہ کی مصیبتیں جھیلیں۔

۶- جلوہ زار آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کس کے آب و گل میں ہے

تشریح :- ہم نے تمہارے کہنے کے مطابق مان لیا کہ ہمارا دل دل نہیں بلکہ دوزخ کی آگ کی جلوہ گاہ ہے۔ یہ تو بتاؤ کہ شورِ قیامت کا فتنہ کس کے خمیر میں شامل ہے (یعنی محبوب کے)

۷- ہے دلِ شوریدۂ غالبؔ طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

تشریح :- غالبؔ کا دیوانہ دل تو جادو کا ایک چکر سا بنا ہوا ہے اور اس کی قید میں تیری تمنا پھنس گئی ہے۔ اے محبوب تو اپنی اس تمنا پر ہی رحم کر اگر مجھ پر نہیں تو۔ یعنی تجھے حاصل کرنے کی تمنا میرے دل میں ہے اگر تو مجھے حاصل ہو جائے تو یہ تمنا نکل جائے۔ مطلب براری کا کیا خوب ڈھنگ نکالا ہے۔

۲۹

۱- دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

تشریح :- محبوب کی نظر پڑتے ہی عاشق کا دل اور جگر دونوں

اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تیر نگاہ سے دونوں چھلنی ہو کر رہ جاتے ہیں معشوق کی ہر ادا عاشق کو بھاتی ہے اور وہ اس پر مرتا ہے ؎
بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات ؛ عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

۲ - شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراق
تکلیف پردہ داریِ زخمِ جگر گئی

شق ہونا - پھٹ جانا خوشا - مرحبا - مبارک - واہ واہ
تشریح :- فرقتِ یار میں زخمِ جگر کے پھیلنے سے سینہ بھی شق ہو گیا ہے اور زخم بالکل باہر نکل آیا ہے جس سے زخمِ جگر کو چھپانے کی تکلیف بھی جاتی رہی - اب تو لذتِ ہجر کو مبارک ہو کہ وہ زخمِ جگر سے پورا پورا لطف اٹھا سکتی ہے - اب کسی پردہ کی ضرورت نہیں - پردہ داری کی تکلیف تو سینہ پھٹ جانے سے رفع ہو گئی - مطلب یہ کہ شدتِ غم کے سبب رازِ محبت اب کھل چکا ہے - اسے دبانے اور تکلیف اٹھانے کی حاجت نہیں رہی ؎
تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ ؛ سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا

۳ - وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

بادۂ شبانہ - رات کی شراب کنایہ جوانی سے ہے جو رات کی مانند تاریک ہوتی ہے اور غفلت کی نیند اور مستی میں گذرتی ہے - خوابِ سحر :- صبح کی نیند - جوان آدمی غفلت سے دیر تک سویا رہتا ہے -
تشریح :- جوانی کی رات ختم ہو گئی ہے - اب شرابِ غفلت پی کر مستی میں سو رہنا مناسب نہیں اب پیری کی صبح نمودار ہو چکی ہے - بیدار ہونے اور یادِ الٰہی میں باقی زندگی گذارنے کا وقت ہے -

۴۔ اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی

تشریح:۔ صیاد نے بلبل کے پر اور بال نوچ ڈالے تھے اور اسے زندگی بھر یہ ہوس ستاتی رہی کہ بال و پر ہوں تو اڑ کر کوئے یار میں پہنچ جاؤں مگر اب مرنے کے بعد ہوا نے مجھ پر احسان کیا اور میری خاک کو کوچۂ یار میں اڑائے پھر رہی ہے۔ اور بال و پر کی خواہش اب جاتی رہی۔ مگر عاشق صادق کو تو ہوا کا سہارا بھی نہیں لینا پڑتا۔ اس کی خاک خود جذبۂ عشق کے بل بوتے پر ہی محبوب کی تلاش میں اڑا کرتی ہے ؂

اگر میں خاک بھی ہوں گا تو آتش گرد باد آسا
رکھے گی مجھ کو سرگشتہ کسی کی جستجو برسوں

۵۔ دیکھو تو دلفریبیٔ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گُل کتر گئی

گُل کترنا۔ شگوفے چھوڑنا۔ فتنے برپا کرنا۔

تشریح:۔ جس طرح موجِ ہوا سے جا بجا کلیاں چٹک جاتی ہیں اسی طرح محبوب کی موجِ خرام (شوخیٔ رفتار و ناز بھری چال) سے اس کے پاؤں زمین پر خوشنما نقش چھوڑ رہے ہیں۔ جو شگوفوں اور پھولوں کا منظر پیش کرتے ہیں محبوب کی بہار رنگین کے ہوتے ہوئے عاشق کو معمولی گل و گلزار نہیں بھاتے ؂

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

۶۔ ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

بوالہوس - ہوس و شہوت کا شکار - عشق صادق سے عاری -
شعار - شیوہ طریق - اہل نظر - حسن کی قدر کرنے والے - عاشقان صادق
تشریح :- ہر بوالہوس عشق کا دم بھرنے لگا اور جھوٹے عاشقوں کی بھرمار سے عاشق صادق کی قدر جاتی رہی ہے
دل اپنا بیچتے پھرتے ہیں لاکھوں ؎ محبت آج کل پیسے دھڑی ہے (داغ)

۷- نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

نظارہ - دیدار - تماشہ
تشریح :- محبوب کو دیکھتے ہی عاشق پر مستی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اس کی آنکھیں جلوۂ یار سے چندھیا جاتی ہیں اور تار نظر کے بکھرنے سے ایک نقاب پیدا ہو جاتا ہے - جو حسن محبوب پر پردے کا کام کرتی ہے - اور عاشق کو دیدار سے محروم کرتی ہے
پردے میری نگاہ کے حائل رہے آخر ؎ ارمان وصل میں بھی رہا دیدار کا

۸- فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

فردا - آنے والی کل - قیامت کا دن - دی - کل جو گذر چکی ہے - تفرقہ - فرق تمیز - قیامت گزرنا - انتہائی مصیبت نازل ہونا -
تشریح :- کہتے ہیں فردا (مستقبل) کو قیامت آئے گی - مگر اب اس کی ضرورت ہی کیا ہے - کل (دی گذشتہ روز) محبوب کی جدائی سے ہی ہم پر قیامت آگئی - اس سے بڑھ کر اور کون سی قیامت ہوگی جو کل (فردا) آئے گی - گویا

محبوب کی فرقت سے فردا اور دی کا فرق مٹ گیا - دی ہی عاشق کے لئے فردا بن گیا - بالکل اسی خیال کا ایک اور شعر ہے ؎

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز ٭ پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

۹- مارا زمانہ نے اسد اللہ خاں تمہیں

وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

ولولہ - جوش - امنگ - جذبہ - زمانہ - وقت - مراد پیری

تشریح :- پیری میں تمام ولولے مٹ جاتے ہیں زندگی جوش اور جذبات سے عاری ہو جاتی ہے زندگی کا مزہ تو صرف جوانی میں آتا ہے ؎

کہتے ہیں جن کو زندگانی کے مزے ٭ ہیں بہر وہ عالم جوانی کے مزے

۳۰

۱- تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے

حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

تشریح :- اگر یہاں تیرے دیدار سے نگاہوں کو لذت ملے تو ہم دل کی تسکین کا رونا چھوڑ دیں - مگر ایسا کبھی تو ہوتا نہیں - شاید موت کے بعد بہشت میں جا کر حوروں میں کہیں تیری صورت نظر آ جائے تو آنکھوں کو کچھ تسلی ہو -

۲- اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل

میرے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

تشریح :- اے میرے محبوب ! مجھے قتل کرنے کے بعد تو مجھے اپنی گلی میں مت دفنانا کیونکہ اس سے لوگ میرے مزار کے بہانے سے تیرے گھر

پہنچ جائیں گے اور پھر میری قبر سے لوگوں کو تیرا میرا معشوق ہونا معلوم ہو جائے گا۔ یہ تیرے لئے باعث رسوائی اور بدنامی ہوگا۔

۳۔ ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

تشریح:۔ اے ساقی! اپنی تو عادت ہی ہے جتنی مل جائے پی لیا کرتے ہیں مگر آج تو تم اپنے ساقی بننے کی شرم رکھ کر جی بھر کر پلا دو۔

۴۔ تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

تشریح:۔ اے ساتھی! مجھے تجھ سے تو کچھ نہیں کہنا۔ ہاں اگر کہیں قاصد مل جائے تو میرا اسلام کہہ دینا۔ سلام کہنے کا مقصد اس کی غفلت کی شکایت کرنا ہے۔

۵ تم کو بھی ہم دکھائیں گے مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے

تشریح:۔ غم پنہاں کو چھپائے رکھنے کی کشمکش سے اگر کبھی فرصت مل گئی تو ہم بھی مجنوں کے نقش قدم پر چل کر تمہیں بتا دیں گے کہ اس نے عشق یار میں یہ کچھ کیا۔

۶۔ لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

تشریح:۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم خضر کو اپنا راہبر مانیں کیونکہ عشق کی وجہ سے

ہم ان سے کم درجہ کے نہیں ہیں - ہاں اتنا مان لیتے ہیں کہ ایک اچھا ہمسفر مل گیا

۷- اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

تشریح :- اے کوچۂ محبوبہ میں رہنے والو ! اگر تمہیں کہیں عشق میں دیوانہ غالب مل جائے تو اسے دیکھنا اور پھر مقابلہ کرنا اس کے ساتھ اپنا تمہارا دعوئ دھرے کا دھرا رہ جائے گا -

---

۳۰

۱- کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

تشریح :- اگر یار کے فراق نے جینے کی کچھ دن اور مہلت دی تو ہم یہ راہ بدل ڈالیں گے- یعنی محبوب سے تعلق قطع کرنے کی ٹھان لی ہے -

۲- آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

تشریح :- عشق کے غم پنہاں کی آگ میں جلاکر راکھ کر دینے کی جو طاقت ہے وہ دوزخ کی آگ میں کہاں مطلب یہ کہ عشق کی آگ کے سامنے دوزخ کی آگ ہیچ ہے -

۳- بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں
پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

تشریح :- محبوب کی ناراضگیاں ہم نے کئی بار دیکھی ہیں مگر اب کے

جو رنجش ہے وہ غیر معمولی ہے

۴۔ دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

تشریح :۔ خط دے کر قاصد میرے منہ کی طرف تک رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ پیغام انہوں نے زبانی بھی بھیجا ہے۔ اور یہ زبانی پیغام وہ بتانے سے جھجک رہا ہے۔ شاید یہ پیغام زبانی گالیاں ہی ہوں جو اس نے خط دیتے وقت دی ہوں گی۔

۵۔ قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

تشریح :۔ ستارے لوگوں کی عمر کو کاٹنے والے ہوتے ہیں۔ یعنی بہت ظالم ہیں۔ مگر وہ محبوب تو کچھ اور ہی بلا ہے جو عمر کے ساتھ ساتھ ارمانوں اور امیدوں کو بھی برباد کر دے

۶۔ ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

تشریح :۔ زمانہ بھر کی مصیبتیں تو مجھ پر پڑ کر ختم ہو چکی ہیں۔ بس ایک موت کی بلا باقی ہے جس کا کہ کوئی وقت معین نہیں۔

۳۲

۱۔ کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

بر آنا - پوری ہونا - صورت - شکل - تدبیر

تشریح :- شاعر پر انتہائی بے چارگی کا عالم طاری ہے - اس کی کوئی امید پوری نہیں ہوتی بلکہ امید بر آنے کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی - اس کی ہر تدبیر ناکام ہو جاتی ہے سے

دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو ؛ اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

۲ - موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

معین - مقرر - ایک دن - ایک وقت - دن اور رات میں صنعت تضاد کی رعایت ملحوظ ہے ۔

تشریح :- شاعر لفظ "دن" سے ایک شاعرانہ نکتہ پیدا کرتا ہے ۔ اشتباہ لفظی سے کام لیتا ہے - موت آنے کا وقت مقرر ہے اس کے لئے ایک دن مخصوص ہے - جب موت دن کو آئے گی تو رات آرام سے کٹنی چاہیے کیا وجہ ہے کہ رات کو نیند نہیں آتی - شعر کا اصل مفہوم یہ ہے کہ جب موت کا ایک وقت مقرر ہے - وہ نہ اس سے پہلے آئے گی نہ بعد میں اور جب آئے گی تو اسے ٹالا نہ جا سکے گا - تو خوف اور بے چینی بے معنی ہے ۔

۳ - آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

ہنسی :- ہنسی خوشی کی بھی ہوتی ہے - اور اظہار نفرت کے لئے بھی تاسف اور غم کی حالت میں بناوٹی یا غیر فطری مسکراہٹ بھی آجاتی ہے ۔

حالِ دل - مراد دل کی حالت زار -

تشریح :- شاعر اپنی حالت زار کا خاکہ کھینچتا ہے - پہلے وہ کبھی کبھی

اپنی خستہ حالی پر ہنس رہا تھا اور وہ ہنسی محض اس کے درد و غم کی شدت پر دلالت کرتی تھی - وہ محض نالہ کی ہنسی ہوتی تھی - مگر اب تو یہ عالم ہے کہ وہ معنوی ہنسی بھی نہیں آتی اور فقط رونا ہی رونا باقی ہے - اب آہ اور گریہ وزاری کے سوا کچھ کام نہیں گویا وہ سراپا درد کی تصویر یا غم مجسم بن کر رہ گیا ہے -

۴ - جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ثواب - نیک اجر - نیکی کا پھل - پُن - **طاعت** - بندگی عبادت - زہد - پرہیز گاری

تشریح :- عبادت اور تقویٰ کے ثواب سے باخبر ہوں - عابد اور زاہد کو جنت نصیب ہو گی - حور و غلماں ملیں گے - مگر میں کیا کروں میرا دل ان باتوں کو مانتا ہی نہیں - میری طبیعت ادھر مائل نہیں ہوتی بلکہ مجھے تو جنت ایک کہانی معلوم دیتی ہے محض دل بہلانے کے لئے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن ؛ دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

۵ - ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

ایسی ہی بات :- خاص وجہ یعنی رازِ محبت کے فاش ہونے کا ڈر - رسوائی کا خوف

تشریح :- عاشق صادق ضبطِ غم سے کام لیتا ہے - اور انتہائی درد و الم کے باوجود خاموش رہتا ہے - شکوہ اور گلہ اس کو زیب نہیں دیتا - کیونکہ اظہار غم سے رسوائی کا خوف ہے - ورنہ عاشق کے منہ میں بھی زبان ہے اور وہ ہر بات کا جواب دے سکتا ہے - مگر وہ محبوب کی بے رخی کا شاکی نہیں ؎

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں ؛ کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

۶ - کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی

چیخوں - فریاد کروں

تشریح :- عاشق کی گریہ وزاری اور چیخ و پکار سے محبوب کو لطف آتا ہے جب عاشق معشوق کے جور وستم سے نالاں ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اس لیے جب کبھی عاشق خاموش ہوتا ہے تو محبوب متعجب ہوکر عاشق کو یاد کرتا ہے کہ اس کی آہ و فریاد کو کیا ہوا۔ کیونکہ وہ عاشق کی فریاد سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ لہذا عاشق محبوب کو خوش کرنے کے لیئے پھر چلانا شروع کردیتا ہے۔ تاکہ اس کی فریاد محبوب کی دل لگی کا سامان بنے۔

۷ - داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

داغِ دل :- دردِ عشق اور سوزِ غم سے دل میں پیدا ہوا داغ

تشریح :- یہ ٹھیک ہے کہ داغِ دل سینے کے اندر ہے اور نظر نہیں آتا مگر زخم کی بو تو آتی ہے۔ اس لیئے چارہ گر (معالج) کو زخم کی بو سے ہی اس کی نوعیت کا علم ہونا چاہیئے۔ اور اس کے مطابق علاج کرنا روا ہے خیال رہے کہ جب آگ سے گوشت یا اور کوئی چیز جلتی ہے تو بو پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح دل کو آتشِ عشق جلا رہی ہے اور داغ پیدا کر رہی ہے۔ اس داغ کی بو سے ہی معالج دردِ محبت کی تشخیص کر سکتا ہے۔ درمان درد بتا سکتا ہے۔ عاشق بیچارگی کے عالم میں چارہ گر پر برس رہا ہے۔ مگر یہ تملاہٹ عبث ہے۔ دردِ محبت کا کوئی علاج نہیں سہ

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی ⁂ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

۸ - ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

تشریح :- عاشق عالم بے خودی میں اس مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں اسے اپنی بھی سدھ بدھ نہیں رہی - جنون کی انتہائی شدت کا اظہار مقصود ہے جب دیوانہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ؛ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

۹ - مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

مرتے ہیں - جان دیتے ہیں - دل سے چاہتے ہیں - مرنا بمعنی مجازی مرنا میں استعمال ہوا ہے - دوسرا مرنا حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے -
موت آتی ہے - مجازی معنی میں یعنی ہم مرتے ہیں - دل سے چاہتے ہیں -
پر نہیں آتی - حقیقی معنی میں حقیقی موت نہیں آتی -
تشریح :- ہم موت کی آرزو میں مرتے ہیں (دل سے موت چاہتے ہیں) مگر باوجود مرنے کے (چاہنے کے) موت (حقیقی موت) نہیں آتی - شاعر نے اشتقاق لفظی سے کام لیا ہے "مرتے ہیں" ذو معنی ہے - لہٰذا صنعت ایہام پائی جاتی ہے - زورِ کلام ملاحظہ ہو - مرتے ہیں - لیکن باوجود اس کے مرتے نہیں مفہوم یہ ہے کہ مجازی موت (مرنا بمعنی شوق رکھنا یا دل سے چاہنا) تو آتی ہے - مگر حقیقی موت نہیں آتی - شاعر دل سے موت کا طالب ہے مگر اس کی یہ حسرت بھی پوری نہیں ہوتی ؎

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے ؛ ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

عاشق زندگی میں کئی بار مرتا ہے - وہ محبوب کی ایک ایک ادا پر جان دیتا ہے

درد فرقت میں بار بار موت کا سامنا ہوتا ہے اگر ایک ہی دفعہ مرنا ہوتا تو کیا مشکل تھا ۔

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا۔ اگر ایک بار ہوتا

۱۰۔ کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

کس منہ سے۔ کس برتے پر۔ کون سی نیکی کے بل بوتے پر

تشریح :۔ غالب شراب پینے کا عادی تھا اور شراب نوشی ایک گناہ ہے اور شریعت اسلام کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ کعبے کے حج کو کیسے جاوے۔ کون سا منہ لے کر جائے۔ اس کے منہ سے تو شراب کی بو آرہی ہے۔ ساری زندگی رندی اور گنہگاری میں بسر ہو گئی۔ اب حج کے کیا معنی ہے

عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مومن ؛ آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

۲۳

۱۔ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

تشریح :۔ عاشق اپنے ناسمجھ دل سے مخاطب ہو کر کہتا ہے تو کتنا سادہ ہے۔ جب اس دردِ عشق کی کوئی دوا ہی نہیں تو کس لئے علاج کی فکر میں مبتلا ہو خدا کے رحم پر اپنے آپ کو ڈال دو۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

تشریح:- عاشق تعجب کے عالم میں خدا سے پوچھتا ہے کہ یہ کیا تماشہ ہے کہ وہ تو درد محبت میں تڑپ رہا ہے - اور سرتاپا عشق مجسم بن رہا ہے - مگر محبوب پھر بھی اس سے بیزار ہے اور دور دور رہتا ہے -

۳- میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

تشریح:- شعر کی جان ایک ہی لفظ "کاش" ہے - اس سے عاشق کی یہ حسرت ٹپکتی ہے محبوب کم از کم یہ تو پوچھے کہ تمہارا مقصد کیا ہے - آخر عاشق کے منہ میں بھی تو زبان ہے اور وہ اپنا منشا بیان کر دے گا -

۴- جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

تشریح:- اے خدا جب ہر جگہ تو ہی تو ہے اور تیری ذات کے سوا کوئی موجود نہیں تو پھر دنیا میں یہ ہنگامے کیسے ہیں؟

۵- پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزۂ و عشوۂ و ادا کیا ہے

۶- شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگۂ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

۷- سبزۂ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

غمزہ - آنکھ کا اشارہ - عشوہ - دلفریبی - دھوکا - عنبریں - عنبر کی سی خوشبو والا - سرمہ سا - جس میں سرمہ ڈالا گیا ہو - سرمگیں -
تشریح :- جب ذات الٰہی کے سوا کچھ نہیں تو پھر حسین محبوب اور اس کے دلفریب آنکھ کے اشارے سے کیا مطلب ہے - اس کی معطر زلفیں کیوں دلوں کو بھاتی ہیں اس کی سرمگیں آنکھیں کیوں قیامت بپا کرتی ہیں! اور ہریالی اور پھول کہاں سے عالم وجود میں آئے ہیں - بادل کیا ہیں اور ہوا کیوں ہے -

۸ - ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

تشریح :- محبوب کی لغات میں تو "وفا" کا لفظ سرے سے ہی غائب ہے - پھر اس سے وفا کی امید رکھنا عبث ہے - یہ عاشق کی سادہ لوحی ہے کہ بے وفا معشوق سے وفا کی امید باندھے ہوئے ہے -

۹ - ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صدا کیا ہے

تشریح :- شعر اخلاقی تعلیم کا پہلو رکھتا ہے اور شاعر درویش کی حیثیت اختیار کر کے ہر کسی سے بھلا کرنے کی تلقین کرتا ہے - یہ فقیرانہ صدا ہے کہ کر بھلا ہو بھلا ، یعنی تو نیکی کر خدا تجھے نیکی کا اجر دے گا - اور تیرا بھی بھلا ہو گا

۱۰ - جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

تشریح :- دعائے خیر دینا تو معمولی بات ہے - عاشق تو اپنی جان تک

محبوب پر نثار کر دیتا ہے۔

۱۱- میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ

مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

تشریح:- مان لو غالبؔ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ مگر مفت کا غلام مل جائے تو کیا برا ہے؟

۲۲

۱- کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے

یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

غالیہ مُو - جس کے بالوں میں خوشبو لگی ہو۔

تشریح:- میری غم خواری کی خاطر تم سب ہی کہتے ہو کہ خوشبو دار زلفوں والا محبوب آجائے۔ ارے کوئی گھبرا کر اتنا کہہ دو کہ وہ آگیا ہے دل کو کچھ تسکین تو ملے خواہ جھوٹی اور عارضی ہی سہی۔

۲- ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت

کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

تشریح:- اے جذبۂ محبت! میں قریب المرگ ہوں۔ اور بے شک مجھ میں بولنے کی ہمت نہیں رہی پھر بھی تو اپنی کشش سے ان کو میری پرسشِ حال کے لئے آنے کو مجبور کر دے۔

۳- ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم

آنا ہی سمجھ میں آتا نہیں گو آئے

صاعقہ :۔ چمکنے والی بجلی
تشریح :۔ ان کے (محبوب کے) آنے کا عالم چمکنے والی بجلی اور شعلے یا پارے کی طرح بے قرار یا بغیر ٹکاؤ کے ہے۔ یعنی وہ آے بھی تو بجلی کی چمک کی طرح یا شعلے کی طرح بھڑکے یا پھر پارے کی طرح تھرکتے ہوئے آئے اور چل دیے ان کی آمد سمجھ میں نہیں آئی۔ مطلب یہ کہ ان کے آنے میں بھی شک ہے۔

۴۔ ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

بادۂ دوشینہ۔ رات کی پی ہوئی شراب
تشریح ۔ اگر میں چاہوں کہ فرشتے میرے گناہوں کی بابت سوال و جواب کیے بغیر بھاگ جائیں تو یہ ہونے سے رہا۔ ہاں اگر موت سے قبل میں نے رات کی شراب پی لی تو شاید میرے منہ سے شراب کی بو آنے سے وہ بھاگ جائیں۔ اور میں اپنے گناہوں کے استفسار سے بچ جاؤں۔

۵۔ جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے

تشریح :۔ ہم خدا کو ہر بھیس میں پہچاننے کی تمیز رکھتے ہیں خواہ وہ جلاد بن کر آئے یا واعظ بن کر۔ حقیقت میں وہی ہے اس لئے کیا جلاد سے ڈرنا اور کیا واعظ سے جھگڑنا۔

۶۔ اے اہلِ طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

نایافت ۔ ناکامی۔

تشریح:۔ خدا کی تلاش میں ناکامی کا طعنہ سننے کا اپنا دماغ نہیں ہے اس لئے جب اسے ڈھونڈ کر ہار تھک گئے تو اپنے آپ کو کھو کر خود فراموش ہوگئے

۷۔ اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے

بار ۔ داخلہ

تشریح ۔ یار کے حصول میں ناکام ہو کر چپ بیٹھ رہنے والوں میں سے ہم نہیں ہیں ۔ اگر محبوب کے در پر اپنی رسائی نہ ہو سکی تو کعبہ ہی محبوب حقیقی کے پاس ہو آئے ۔ کچھ نہ کچھ تو ملا ۔ خالی ہاتھ تو نہیں لوٹے ۔

۸۔ کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
اچھے رہے آپ اس سے اگر مجھ کو ڈبو آئے

تشریح :۔ دوستوں نے میرے محبوب کے پاس جا کر میری آہ و فریاد کے اثر کی بات کہی ۔ مگر اس نے الٹا ان کو یہ کہہ کر قائل کر دیا کہ میری نالہ و زاری تو بے اثر ہے ورنہ کچھ تو اثر ہو گیا ہوتا ۔ دوست مان گئے ۔ اس لئے محبوب ان سے خوش ہو گیا ۔ اب دوست تو اس کے سامنے اچھے بن گئے مگر انہوں نے میری لٹیا ڈبو دی ۔ یعنی میرے دوست ہو کر اس کی ہاں میں ہاں ملا کر انہوں نے مجھے حقیر بنا دیا ۔

۹۔ اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

تشریح :۔ تیرے محبوب کی بزم ناز کے جلوے کا بیان ممکن نہیں ۔ اے غالب! ہم بھی وہاں گئے ۔ اور دیکھا کہ سب لوگ وہاں جا کر محظوظ ہوتے

ہیں۔ مگر ایک تو ہے کہ وہاں تک تیری رسائی نہیں۔ یہی دیکھ ہمیں تیرے مقدر پر رونا آگیا۔

۳۵

۱۔ پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے
سینہ جویائے زخمِ کاری ہے

تشریح:۔ آج پھر دل بے قرار ہو رہا ہے اور سینہ زخم کھانے کی تمنا رکھتا ہے گویا دل کی بے قراری کا علاج عشق کی چوٹیں اور زخم ہیں۔

۲۔ پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

تشریح:۔ بہار کی فصل آرہی ہے اور اس موسم بہار میں میرے عشق کا جوش پھر اپنے جوبن پر آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جگر کی خلش دور کرنے کے لئے ناخن جگر کے زخموں کو کریدنے لگا ہے۔

۳ قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز
پھر وہی پردۂ عماری ہے

عماری = سواری

تشریح:۔ محبوب کی سواری گذر رہی ہے اور اس کا پردہ میری نگاہ کے واسطے قبلہ ہے یعنی محبوب کی سواری کا پردہ بھی عاشق کے لئے قابل سجدہ ہے

۴۔ چشم دلّالِ جنس رسوائی
دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے

تشریح:- رسوائی کی جنس کی خرید کرنے کے لئے آنکھ دلال بن گئی ہے اور دل بے عزتی و خواری کا گاہک ہے۔ مطلب یہ کہ دل کو خوار کرنے کے لئے آنکھ رسوائی کا سودا طے کر رہی ہے۔

۵- وہی صد رنگ نالہ فرسائی
وہی صد گونہ اشک باری ہے

تشریح:- وہی سینکڑوں قسم کی آہ فریاد ہے اور وہی بار بار کا رونا ہے

۶- دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر
محشرستانِ بے قراری ہے

تشریح:- معشوق کے خرامِ ناز کے شوق سے میرا دل بے قرار ہو کر حشر کے میدان کا منظر پیش کر رہا ہے۔

۷- جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے
روز بازارِ جاں سپاری ہے

تشریح:- حُسن کا جلوہ اپنے ناز و ادا کی نمائش میں لگا ہے اور جاں نثاری کا بازار گرم ہے (مینا بازار کی طرح روز بازار بھی لگا کرتے تھے)

۸- پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

تشریح:- ہماری زندگی وہی زندگی پہلی کی سی ہے۔ پہلے بھی اسی بے وفا پہ مرتے تھے اور زندگی کے دن کاٹتے رہے۔ اب بھی وہی صورت ہے۔ جی بھی رہے ہیں، مر بھی رہے ہیں۔

۹- پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز

گرم بازار فوجداری ہے

تشریح:- ناز و ادا کی عدالت لگی ہے اور حسن نے دل زخمی کرکے عدالت کے لیے مقدموں کا بازار گرم کر دیا ہے۔

۱۰- ہو رہا ہے جہان میں اندھیر

زلف کی بھی سرشتہ داری ہے

تشریح:- حسن کی بجولی زلف عدالت میں سرشتہ دار ہے اس لئے انصاف کی کیا امید؟

۱۱- پھر دیا پارۂ جگر نے سوال

ایک فریاد آہ و زاری ہے

تشریح:- جگر کے ٹکڑے نے عدالت سے انصاف کے لیے دست سوال دراز کیا ہے۔ دل فریاد اور جگر آہ و زاری کرنے لگا ہے۔

۱۲- پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب

اشک باری کا حکم جاری ہے

تشریح:- عشق کے گواہوں کو عدالت ناز نے طلب فرمایا ہے۔ اور آنسوؤں کے بہانے کا حکم جاری ہوا ہے۔ یعنی آنسوؤں کا بہنا عشق کے گواہوں کی آمد ہے۔

۱۳- دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا

آج پھر اس کی روبکاری ہے

تشریح: عاشق کے دل اور محبوب کی پلکوں کے درمیان جو مقدمہ چل رہا تھا آج اس کی پیشی ہے۔

۱۴۔ بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

تشریح:۔ آج جو ہم بے خود ہو رہے ہیں اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ مقصد چھپا ہے۔ شاید رازِ عشق کی پردہ داری ہی مقصود ہے۔

۳۶

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی

تشریح:۔ اگر میں نے گھڑی دو گھڑی خوشی کی تو میرے عشق پر تسکین پا جانے کی تہمت نہ لگاؤ۔ اور اس شادمانی کی وجہ یہ ہے کہ بغیر عشق کے میری بے مزہ زندگانی نے میرے دل کے زخموں پر نمک چھڑکا ہے اور اسی سے میں خوش ہوں۔

۲۔ کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیٔ آزادی
ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت روانی کی

تشریح:۔ زندگی کی کشمکش سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے کیا حاصل! روانی کی اجازت ہی پانی کی لہر کے لئے قید کی زنجیر بن جاتی ہے۔ یعنی آزادی کی کوشش ہی گرفتاری بن جاتی ہے۔

۳۔ پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

تشریح: عاشق کے دل اور محبوب کی پلکوں کے درمیان جو مقدمہ چل رہا تھا آج اس کی پیشی ہے۔

۱۴۔ بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

تشریح:۔ آج جو ہم بے خود سے ہو رہے ہیں اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ مقصد چھپا ہے۔ شاید راز عشق کی پردہ داری ہی مقصود ہے۔

۳۶

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی

تشریح:۔ اگر میں نے گھڑی دو گھڑی خوشی کی تو میرے عشق پر تسکین پا جانے کی تہمت نہ لگاؤ۔ اور اس شادمانی کی وجہ یہ ہے کہ بغیر عشق کے میری بے مزہ زندگانی نے میرے دل کے زخموں پر نمک چھڑکا ہے اور اسی سے میں خوش ہوں۔

۲۔ کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت روانی کی

تشریح:۔ زندگی کی کشمکش سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے کیا حاصل! روانی کی اجازت ہی پانی کی لہر کے لئے قید کی زنجیر بن جاتی ہے۔ یعنی آزادی کی کوشش ہی گرفتاری بن جاتی ہے۔

۳۔ پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

تشریح :- مرنے سے قبل تو مجھے میری دیوانگی عشق کے باعث مجھ پر پتھر مارتے تھے۔ میری موت کے بعد میری قبر بچوں کے لئے زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ اور وہ میرے مزار پر پتھر مارنے لگے اور ان پتھروں سے نکلنے والی چنگاریوں نے اس پر پھول برسائے۔

۳۷

۱- نکوہش ہے سزا فریادیٔ بیدادِ دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبح محشر کی

تشریح :- بیداد معشوق کے جور و ستم کے خلاف فریاد کرنے والوں کے لئے خفت و ملامت کی سزا ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے روز بھی صبح ان عشاق پر ہنسے۔ باوفا عشاق پر ہنسنا ان سے ناانصافی ہے۔

۲- رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے
اگر بو دے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

تشریح :- اگر کسان بیابانِ مجنوں میں بجائے اناج کے نشتر کی نوک بو دے تو اس مٹی سے رگ لیلیٰ اُگ آئے گی۔ یعنی عشق کا اثر دونوں پر پڑتا ہے جس طرح کے لیلیٰ کے فصد کھلوانے پر مجنوں کے ہاتھ سے بھی خون بہہ نکلا تھا۔

۳- پر پروانہ شاید بادبانِ کشتیٔ مے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

تشریح :- محفل میں شاید شمع کے روشن ہونے پر آئے ہوئے پروانے کا پر شاید کشتیٔ مے کا بادبان تھا اور مجلس کی گرمی نے جب ہوا دی تو بادبان کے متحرک ہونے سے کشتیٔ مے میں روانی آگئی۔ اور یہ روانی کشتیٔ مے ہی دورِ ساغر

کی روانی تھی۔

۴۔ کرو بیداد ذوق پرفشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

تشریح:۔ پر پھڑ پھڑانے کی لذت کے ظلم کو بیان کرنے کی قدرت مجھ میں نہیں بس اتنا ہے کہ اڑنے سے قبل میرے شہپر کی طاقت اڑ گئی اور پھڑ پھڑانے کی حسرت ویسی کی ویسی رہ گئی۔

کہاں تک روؤں اس کے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

تشریح:۔ محبوبہ کے خیمہ کے پیچھے میں کب تک روتا رہوں۔ آخر کوئی حد تو ہونی چاہیئے۔ اے خدا! کیا میری قسمت میں ایک پتھر کی دیوار بھی نہیں جس سے ٹکرا کر میں اپنے پرجنوں سر کو توڑ لیتا۔

۳۸

۱۔ بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

تشریح:۔ اپنی بے اعتدالیوں کے باعث ہم لوگوں کی نظر میں ہلکے ہو گئے یعنی ذلیل ہو گئے۔ جتنا زیادہ بے اعتدال ہوتے گئے اتنے ہی زیادہ ہماری قدر و قیمت کم ہوتی گئی۔

۲۔ پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

تشریح :- شروع زندگی میں ہی جبکہ ہم ابھی اڑنے کے بھی لائق نہ تھے زمانہ کی مصیبتوں کے جال میں گرفتار ہو گئے۔ یہ جال ہمارے آشیانے کے بالکل قریب بچھایا گیا تھا۔

۳- ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

تشریح :- ہماری ہستی ہی اس کے فنا ہونے کا ثبوت ہے۔ غم عشق میں ہماری ہستی اس قدر مٹ گئی کہ قسم کھانے کی بات ہو گئی۔ جس طرح کسی چیز کے ختم ہو جانے پر اس کی قسم کھائی جاتی ہے اسی طرح ہماری زندگی بالکل ختم ہو چکی ہے۔

۴- سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تشریح :- عشق کی مصیبتوں کا کیا پوچھتے ہو۔ ان مصائب کو اٹھانے والے عشاق خود مجسم الم بن جاتے ہیں یعنی غم عشق میں گھل گھل کر اسی میں مل جاتے ہیں اور ان کی اپنی کوئی ہستی نہیں رہتی۔

۵- لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

تشریح :- اپنی داستان عشق لکھنے کی سزا اگرچہ محبوب نے ہمیں دی اور ہمارے ہاتھ کاٹ دیئے پھر بھی ہم ہو رو کر اپنی حکایات جنوں بیان کرتے ہی رہے۔

۶- تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

تشریح:- ہم پر جتنے ستم کئے گئے ہیں ان سب کی تلافی تیرے وفا کرنے سے کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ صرف تیری ہی جفاؤں کے ستم ہم پر نہیں ہوئے بلکہ زمانے نے ان کے علاوہ اور بھی بہت ظلم ہم پر ڈھائے ہیں۔

۷- اللہ رے تیری تندیٔ خو جس کے بیم سے
اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

تشریح:- تیری تندخوئی کا کیا کہنا۔ اس کے خوف سے میرے دل کے نالوں کے اجزا ایک دوسرے کی روزی بن کر رہ گئے۔ یعنی دل سے نکلنے والی آہ و زاری کو میں نے دل میں ضبط کئے رکھا اور وہ باہر نہ آ سکی۔

۸- اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق
جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

تشریح:- اہل ہوس اپنی فتح عشق کی جنگ ترک کر دینے میں سمجھتے ہیں اور اس جنگ میں میدان چھوڑنے کے لئے جو قدم وہ اٹھاتے ہیں وہی ان کی فتح کے جھنڈے ہیں۔

۹- نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

تشریح:- ملک عدم میں حکم الٰہی سے چند نالے کھینچنے کو ہمارے سپرد کئے گئے۔ یہاں آنے تک کچھ تقاضا رہ گئے۔ وہ اب یہاں کھینچ رہے ہیں۔

۱۰- چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

تشریح:- ہم بھیک مانگنے کی نوبت آنے پر بھی دل لگی نہیں چھوڑ پائے جس نے کچھ دے دیا اسی سے دل لگا لیا۔

۳۹

۱- جو نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
تو فسردگی نہاں ہے بہ کمینِ بے زبانی

تشریح:- عشق کا شعلہ دل کے داغوں کے سرمایہ کی حفاظت کرتا ہے اگر ایسا نہ تو افسردگی جو کہ چھپ کر بیٹھی ہے اس دولت کو لوٹ لے۔ مطلب یہ کہ شعلۂ عشق کی وجہ سے میرے دل میں سوزِ غم کی گرمی ہے۔ اگر یہ شعلۂ عشق نہ ہو تو میرا دل ٹھنڈا ہو جائے۔

۲- مجھے اس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی
کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

تشریح:- جس نے بچپن میں میری داستانِ غم نہیں سنی اب وہ بھلا جوانی میں کیا سنے گا۔ جبکہ جوانی کے ساتھ غرورِ حسن بھی جوانی پر ہوتا ہے

۳- یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا
کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

تشریح:- کسی کو دکھ دینا مقصود نہیں ورنہ میں اپنی زندگی بھی دشمن کو دے دینے کی دعا خدا سے کرتا۔ زندگی کے رنج والم سے اس قدر

بیزار ہوں کہ زندگی کی خواہش ہی نہیں رہی۔ مگر دشمن کو اپنی عمر دے کر اس کے مصائب کو بڑھانا نہیں چاہتا۔

۴۴

۱۔ ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

ظلمت کدہ۔ تاریکی کا گھر۔ تاریک گھر۔ دلیلِ سحر۔ صبح کی علامت
خموش۔ بجھی ہوئی۔

تشریح:۔ عاشق کی شبِ غم اس قدر تاریک ہے کہ یاس کے سبب گھر میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کہیں امید کی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں شمع بجھنے کے قریب ہو تو یہ صبح کی دلیل ہوتی ہے۔ مگر ہماری تو شمع بھی بجھ چکی ہے اور تاریکی کا عالم اس شدت سے طاری ہے۔

۲۔ نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

آشتی۔ صلح

تشریح:۔ پہلے تو کبھی کبھار وصال کی خوشخبری کان کی راہ سے آجاتی تو کان پھولا نہ سماتا اور آنکھ اس پر رشک کرتی۔ پھر آنکھ کو دیدار نصیب ہوتا تو کان اپنی محرومیٔ قسمت پر کڑھنے لگتا۔ اور آنکھ سے رقابت رکھتا گویا دونوں میں دشمنی کا سامان بنا رہتا۔ مگر اب تو مدت سے نہ وصال کا مژدہ آیا نہ حسنِ یار کا دیدار ہوا۔ جس سے آنکھ اور کان کے درمیان عداوت کی وجہ دور ہوئی اور ان میں صلح ہو گئی۔

۳- مے نے کیا ہے حسنِ خودآرا کو بے حجاب
اے شوق ہاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے

تسلیم ہوش - ہوش و حواس کھونا -

تشریح :- محبوب شراب پی کر بے پردہ ہوگیا ہے - اسے حجاب کرنے کا ہوش نہیں رہا - تو پھر عاشق کو بھلا دیدارِ حسن پر ہوش کہاں رہتا - جلوۂ یار کی تاب عاشق نہیں لا سکتا ؎

کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

۴- گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

عقد - مالا - ہار - اوج - بلندی -

تشریح :- گوہر فروش نے ہاتھ سے موتی پرو کر مالا بنائی جو محبوب کی گردن کی زینت بنی - گوہر فروش کی قسمت بھی کیا خوب چمکی کہ اس کی مالا محبوب کی گردن میں حمائل ہے - گویا اس کے ہاتھ کا تعلق محبوب کی گردن سے پیدا ہوگیا ہے عاشق اس پر رشک کرتا ہے کیونکہ وہ اس خوش نصیبی سے محروم ہے ؎

تیری گردن میں میرے ہاتھ حمائل ہوتے ؛ ہار لایا ہوا دشمن کا نہ ڈالا ہوتا

۵- دیدارِ بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست
بزمِ خیال مے کدۂ مے فروش ہے

تشریح :- عاشق کی محفل تصور ایک شراب خانہ ہے - مگر اس میں کوئی شور و شر نہیں - اس بزمِ خیال میں محبوب کا دیدار شراب کا کام دیتا ہے - حوصلہ ساقی کا پارٹ ادا کرتا ہے اور نگاہ میخوار بن کر مست رہتی ہے -

۴۱ ; قطعہ

۱- اے تازہ واردانِ بساط ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوسِ ناؤ نوش ہے

۲- دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

۳- ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

بساط- فرش- تازہ وارد - نو وارد- نیا نیا عاشق - ہوائے دل
دردِ دل کی ہوا- فضائے محبت- ہوس - خواہش- ناؤ نوش- راگ رنگ
سرود و سرور- شراب - مے نوشی - مطرب گویا- نصیحت نیوش- نصیحت
سننے والا- نغمے- راگ- تمکین -خود داری

تشریح:- فضائے محبت میں نو وارد عاشقوں کو ذرا ہوش سے کام لینا
چاہیئے اگر ان کی آنکھ عبرت حاصل کرنے والی اور ان کا کان نصیحت سننے
والا ہے تو وہ میری حالت کا ملاحظہ فرمائیں - اور وہ میری بات سمجھیں- محبوب
اپنے جلوے سے ایمان اور عقل کو لوٹ لیتا ہے - اور دلکش نغموں سے ہوش و
حواس پر ڈاکہ ڈالتا ہے- مطلب یہ کہ بزم عشق میں عقل و ایمان اور ہوش و
حواس سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں ؎

عشق کی بارگاہ خاص ہے یہ ؎ اس کو عقل و خرد سے کیا مطلب

۴ یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

۵ - لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

کف - ہتھیلی

تشریح :- رات کو محفلِ عشق و نشاط گرم تھی - فرش کا ہر کونہ باغبان
کے دامن اور گل فروش کے ہاتھ کی طرح پھولوں سے بھرا ہوا تھا - یعنی
بزمِ حسینانِ گلرخ سے پررونق تھی اہلِ مجلس ساقی (محبوب) کے مٹک
مٹک کر چلنے سے لطف اندوز تھے اور چنگ کے نغمے سے لذت اٹھا رہے
تھے - ساقی کی چال گویا آنکھ کو نظارہ جنت پیش کر رہی تھی اور صدائے
چنگ سے کان کے لئے بہشت کا سماں بندھ رہا تھا - یعنی اہلِ بزم کی
آنکھوں اور کانوں کو بہشت کا سرور حاصل تھا - مراد یہ ہے کہ محبوب کی محفل
جنت سے کم نہیں ہے

حوروں سے کیا غرض تھی عبث بدگمان ہو
جنت میں لے گئی تیری محفل کی آرزو

۶ - یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

۷ - داغِ فراق و صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

تشریح :- صبح ہوئی تو نقشہ ہی بدل گیا - رات کی محفل کا سرور کا نور
اور جوش و خروش غائب - صرف ایک شمع محفل کی یاد باقی ہے - مگر اسے
بھی صحبتِ شب کی جدائی کے داغ نے جلا دیا ہے - اور اب وہ بجھ چکی ہے -

اب سوائے حسرت و غم کے کچھ باقی نہ رہا۔

۸۔ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

صریر۔ قلم چلنے کی آواز۔ سروش۔ فرشتہ غیب۔ نوا۔ آواز
تشریح :۔ غالب کے دماغ میں نازک اور حسین خیال غیب سے آتے ہیں گویا وہ الہام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معمولی انسان کو ایسے باریک مضمون نہیں سوجھتے۔ غالب کے قلم سے جو آواز نکلتی ہے وہ فرشتہ غیب کی آواز ہے۔ شعر فخریہ ہے سے

پاتا ہوں داد اس سے کچھ اپنے کلام کی ؛ روح القدس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں

۴۲

۱۔ آ کہ میری جان کو قرار نہیں ہے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے

تشریح :۔ اے میرے محبوب ! جلد آ کیونکہ میری جان نکلنے کو بے قرار ہے اور انتظار کی تکلیف اٹھانے کی ہمت اس میں نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تیرے دیدار کی حسرت میں ہی دم توڑ دوں

۲۔ دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے
نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

تشریح :۔ زندگی کے خمار کے مقابلہ میں جنت کا نشہ کم ہے۔ یعنی اس جہان میں زندگی کاٹنے میں جتنی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ جنت اس کا پورا معاوضہ نہیں۔

۳۔ گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

تشریح:۔ میری آہ وزاری کا بہانہ بنا کر تم مجھے اپنی محفل ناز سے نکالتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ میں جان بوجھ کر نہیں روتا۔ بلکہ رونا بے اختیار آتا ہے

۴۔ وہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

تشریح:۔ ہمارے بارے میں جو آپ کو رنجش دل کا گمان ہو گیا ہے۔ وہ فضول ہے کیونکہ عاشقوں کی خاک میں غبار نہیں ہوا کرتا۔ اور میں بھی تو عاشق ہوں۔ پھر میرے دل میں غبار کہاں؟ غبار خاطر کا مطلب رنجش دل ہوتا ہے۔

۵۔ دل سے اُٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی
غیرِ گل آئینۂ بہار نہیں ہے

تشریح:۔ بہار کا آئینہ گل ہوتا ہے یعنی بہار کا لطف اٹھانا ہو تو پھول سے لطف اٹھاؤ۔ اسی طرح اگر معانی کے جلوہ کا لطف اٹھانا مقصود ہو تو دل کے آئینہ پر نظر ڈالو۔

۶۔ قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تشریح:۔ شکر ہے کہ اس نے میرے قتل کرنے کا عہد تو کیا۔ اب اگر یہ وعدہ مضبوط نہ رہا تو افسوس ہے۔

۷ - تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

تشریح :- بے شک تو نے شرابنوشی کی قسم کھائی ہے - مگر یہ تو قسم نہیں کھائی کہ مے کشی ترک کر دی - اس لئے ہمیں تیری قسم کا کیا اعتبار -

---

۴۲

۱ - ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

تشریح :- کثرتِ غم کی وجہ سے میرا سر اس قدر جھک گیا ہے کہ تارِ دامن کے ساتھ تارِ نظر مل گیا ہے - اور اب ان میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے -

۲ - رفو کے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

تشریح :- میں زخم کو رفو کراتا ہوں تو اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں دردِ عشق کو بنائے رکھنے کے لطف سے واقف نہیں - اس سلائی کا مطلب تو یہ ہے کہ سوئی لگنے سے زخم کی لذت حاصل کروں -

۳ - وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچہ و گل کا صدائے خندۂ دل ہے

تشریح :- اے غالب ! وہ پھول سا محبوب جس باغ میں جا کر اپنے جلوے کی نمائش کرے وہاں ہر غنچہ و پھول چٹک کر اپنے ہنستے ہوئے دل کی تائید کرتا ہے - یعنی ہر گل اور پھول کا دل ہنسنے لگتا ہے -

۴۴

۱۔ پا بہ دامن ہو رہا ہوں جب کہ میں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

تشریح:۔ میں جو کہ صحرا نوردی کا عادی تھا اب دامن میں پاؤں دبائے گھر پہ پڑا ہوں۔ اور صحرا نوردی کے وقت کے جو کانٹے میرے پاؤں چبھ گئے تھے اب وہ میرے زانو کے آئینہ میں جوہر بن گئے ہیں۔

۲۔ دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مو مجھے

تشریح:۔ جب میں تجھ سے ہم آغوش ہوں گا تو میرے دل کی حالت دیکھنا وہ بے حد خوش ہوگا۔ کیونکہ تیرے بال کا ہر سرا میری طرف دوستانہ نگاہوں سے دیکھے گا۔ اس لئے کہ وہ میرے واقف ہیں کیوں کہ میں مدتوں تیری زلفوں کا قیدی رہا ہوں۔

۳۔ ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

تشریح:۔ میں سر سے لیکر پاؤں تک شکایتوں سے بھرا ہوا ساز ہوں۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ تو مجھے لوگوں سامنے مت چھیڑ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے نکلنے والی سریں تیرا راز فاش کر دیں اور تیری رسوائی ہو۔

۴۵

۱۔ جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

کالبد ۔ جسم ۔ تصویر

تشریح :۔ جس محفل میں تو ناز و ادا کے ساتھ گفتگو کرنے لگے ۔ اس بزم میں دیوار پر لگی ہوئی تصویروں میں بھی جان آجائے ۔

۲ ۔ سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قدِ دل کش سے جو گلزار میں آوے

تشریح :۔ اپنے دل کش قد کے ساتھ تو جس باغ میں بھی جاوے سرو اور صنوبر کے درخت سایہ کی طرح تیرے آگے پیچھے پھریں گے یعنی تیرے اس دلکش قد پر رشک کریں گے ۔

۳ ۔ تب نازِ گراں مایگی عشق بجا ہے
جب لختِ جگر دیدۂ خوں بار میں آوے

تشریح :۔ جب جگر کے ٹکڑے خون بن کر آنکھوں سے بہنے لگیں ۔ تب عشق ناز اور قدر و قیمت کے قابل ہے ۔ اس سے قبل نہیں ۔

۴ ۔ دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

تشریح :۔ اے ظالم : تو مجھے شکایت کرنے کی اجازت دے ۔ اس سے تجھے بھی مجھ پر جور و ستم کرنے کا لطف حاصل ہوگا ۔ کیونکہ میری شکایت سے تو بگڑے گا اور زیادہ آزار دے گا جس سے تجھے مزہ ملے گا ۔

۵ ۔ اس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

تشریح :- اگر تیری جادو کرنے والی آنکھ کا ایک اشارہ آئینہ کو ہو جائے تو وہ بھی طوطی کی طرح بے تحاشہ بولنے لگے۔

۶- کانٹوں زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پُر خار میں آوے

تشریح :- مدت ہو گئی بیابانِ عشق میں کوئی عاشق نہیں آیا۔ جس کے پیروں کے آبلوں سے کانٹوں کو پانی نصیب ہوتا۔ اس لئے ان کی زبان سوکھ گئی ہے اور اب دعا ہے کہ اس کانٹوں بھری وادی میں کوئی آبلوں سے بھرے پاؤں والا نامراد عاشق وارد ہو۔

۷- مرجاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقۂ زنّار میں آوے

تشریح :- محبوب زنّار کے حلقہ میں آئے تو کیوں نہ میں رشک سے مرجاؤں کیونکہ میں تو اس خوش نصیبی سے محروم ہوں۔

۸- غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر
کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے

تشریح :- عزت و آبرو کو برباد کرنے والی دولت کی ہوس اگر نہ ہوتی تو پھول بازار میں بکنے کیوں آتا۔ اور جب بازار میں آگیا تو عزت و آبرو کی قیمت لگنے لگی۔

۹- آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے
اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

تشریح :- مرا سینہ عشق کے رازِ نہاں کی وجہ سے آتش کدہ بنا ہے اگر یہ ظاہر ہو گیا تو مجھے افسوس ہوگا کیونکہ اس کی آگ سے یہ جہاں جل کر راکھ ہو جائے گا۔

۱۰- تب چاکِ گریباں کا مزا ہے دلِ نالاں
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

تشریح :- اے دلِ نالاں ! جنونِ عشق میں گریباں پھاڑنے کا مزہ تو تب ہے۔ جب کہ چکیدہ گریبان کے ہر تار میں سانس کا تار الجھ کر رہ جائے۔ اور اس طرح دم ختم ہو جائے۔

۱۱- گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

تشریح :- جو لفظ میں نے اپنے اشعار میں استعمال کر دیا اس کو معانی کے خزانہ کا طلسم جانو۔ کیونکہ قدیم طلسمی دولت کے خزانوں کی طرح یہ بھی طلسمی ہیں۔ شعر فخریہ ہے۔

۴۶

۱- حسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

ہنگامِ کمال :- پورا ہونے کا وقت۔ ماہ کامل یا بدر ہونے کی حالت
مہ خورشید جمال :- آفتاب کا سا حسن اور نور رکھنے والا چاند حسین۔ محبوب
تشریح :- اس میں شک نہیں کہ پورا چودھویں کا چاند بہت دلکش ہوتا ہے مگر میرا چاند کا سا نکھار رکھنے والا محبوب اس سے کہیں زیادہ حسین ہے سہ

نظر فروزیٔ انجم فروغ ماہ سلام ؂ کسی کے ایک تبسم پہ بک چکا ہوں میں
۵ چاند اور سورج کی بھلا کیا اوقات ہے
چاند ہے جس سے ماند خورشید کو جو شرماتا ہے
کمال اور جمال میں تجنیس ناقص پائی جاتی ہے۔ دوسرے مصرع میں دعویٰ مستضمن دلیل ہے۔ محبوب کو خورشید جمال اس لیے کہا ہے کہ ماہ کامل پہ اسے فوقیت حاصل ہو کیونکہ خورشید ماہ سے افضل ہے اور چاند اپنا نور آفتاب سے مستعار لیتا ہے۔

۲۔ بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ۔
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

تشریح:۔ خود تو بوسہ دینے سے انکار کرتے ہو مگر میرے دل پر نظر رکھتے ہو کہ اگر بغیر بوسہ دیئے ہی مفت میں ہاتھ آجائے تو مال اچھا ہے

۳۔ بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

تشریح:۔ اگر بغیر مانگے کسی کو کچھ دیا جائے تو اس سے زیادہ لطف آتا ہے یہ سچی سخاوت ہے ؎
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ ؂ تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں
اگر انسان کسی کو کچھ دے نہ سکے تو کم از کم سوالی کے ساتھ مروت کا سلوک روا رکھے۔ مانگنے کی عادت بے شک بری ہے۔ لیکن گداگر کو لعن طعن کرنا بھی اچھا نہیں ؎
یہ سچ ہے کہ مانگنی خطا ہے نہ صواب ؂ زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب۔

۴- اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

ساغرِ جم:- بادشاہ جمشید کا پیالہ جس میں وہ تمام عالم کے حالات دیکھ سکتا ہے۔ جامِ سفال۔ مٹی کا پیالہ۔

تشریح:- مٹی کا پیالہ جامِ جم سے کہیں بہتر ہے کیونکہ اگر ٹوٹ جائے تو بازار سے اور خرید سکتے ہیں۔ مگر جامِ جم تو ایک ہی پیالہ تھا۔ اس کے گم ہو جانے یا ٹوٹ جانے پر دوسرا نہیں مل سکتا۔ شعر میں سادہ زندگی کی تلقین ہے۔ جامِ جم سے کنایہ تکلف ہے ؎

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر

جام اور جم میں تجنیس زائد کی رعایت پائی جاتی ہے۔

۵- دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

بتوں - محبوبوں، حسینوں "برہمن" کے ساتھ بتوں کی مناسبت ملحوظ ہے۔

تشریح:- ایک برہمن نجومی نے پیش گوئی کی ہے کہ یہ سال اچھا ہے۔ اگر یہ سال دنیا کے لئے اچھا ہے۔ تو عاشقوں کو تو بتوں سے ضرور فیض حاصل ہونا چاہیے۔ جب ایک برہمن اس سال کو نیک فال کہہ رہا ہے تو بتوں کی عشاق پر نظرِ کرم ہونی چاہیے۔

۶- ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

بیمار - بیمار محبت - عاشق - درد عشق میں مبتلا -
تشریح :- دیدار یار سے عاشق کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس ظاہری حالت سے محبوب سمجھتا ہے کہ عاشق درد محبت میں مبتلا نہیں حالانکہ عاشق شدید غم کا شکار ہوتا ہے۔ محبوب کی موجودگی میں اس کی خوشی عارضی اور ظاہری ہوتی ہے۔ اور اس کے وداع ہونے پر پہلے کی طرح مغموم اور مایوس ہو جاتا ہے -

۷ - ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کسی میں ہو کمال اچھا ہے

ہم سخن ہمکلام - فرہاد - شیریں کا عاشق جس نے کے کوہ بے ستون کو کاٹ کر شیریں کے لئے نہر کھود دی تھی - اس شرط کو پورا کرنے کے بعد ہی وہ شیریں سے ہمکلام ہوا -
تشریح :- فرہاد نے تیشہ چلانے میں کمال دکھانے پر ہی شیریں سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کیا - تیشہ چلانا ایک مزدور کا ادنیٰ سا کام ہے - مگر جب اس میں بھی کمال حاصل ہو جائے اس کی قدر و عظمت بڑھ جاتی ہے - لہذا کمال خواہ کسی قسم کا ہو اچھا ہوتا ہے - اور تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا ہے مگر کمال ہمیشہ محنت کا نتیجہ ہوتا ہے -
آتا ہے ہر کمال مصیبت اٹھا کے ہاتھ :: پایا کلیم نے ید بیضا جلا کے ہاتھ

۸ - قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

دریا - سمندر - مآل - نتیجہ
تشریح :- قطرہ اپنی ہستی کو کھو دیتا ہے - مگر اس ایثار سے اس کا درجہ

بڑھ جاتا ہے - وہ ایک ادنیٰ قطرہ سے ایک عظیم سمندر بن جاتا ہے اس لئے جس کام کا انجام اچھا ہو وہی اچھا ہوتا ہے خواہ شروع میں اس کام سے نقصان ہی ہو ؎

دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر ؛ ہم اس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا

ع - عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا -

ڈاکٹر اقبال نے بھی نیستی کو ہستی سے تعبیر کیا ہے ؎

ع عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے

بقول فانی ؎ زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

ایک اور شاعر کا شعر ملاحظہ ہو ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر تو مرتبہ چاہے ؛ کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

۹- خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

تشریح :- خدا شہزادہ خضر سلطان کو خوش و خرم رکھے اور شاہنشاہ کے باغ کا یہ تازہ پودا یعنی نوجوان شہزادہ ایک اچھا پیڑ ہے -

۱۰- ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

حقیقت :- اوقات - وقعت

تشریح :- ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جنت کی کیا حقیقت ہے یعنی کچھ بھی نہیں - یہ ایک وہم باطل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی - یہ محض ایک سبز باغ ہے جو شیخ سادہ لوح مسلمانوں کو دکھاتا ہے ہاں دل کے بہلانے کے لئے یہ خیال اچھا ہے - عاشقان رند کی نگاہ میں اس کی جو وقعت ہے وہ ذیل

کے شعر سے عیاں ہے ؎

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا

حقیقی جنت تو سرورِ دل ہے ؎

بہارِ تازۂ دل دیکھ اگر شوقِ تماشا ہے
بہشت ایک پھول مرجھایا ہوا ہے اس گلستاں کا

۱۔ نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

تشریح:۔ اگرچہ میں تیرے جور و ستم کا شکار ہو چکا ہوں مگر دیکھتا ہوں کہ تیری ابھی تسلّی نہیں ہوئی اگر کوئی اور امتحان باقی رہ گیا ہو تو وہ ہوس بھی پوری کرلو۔ میری لاش حاضر ہے۔

۲۔ خار خارِ الم حسرتِ دیدار تو ہے
شوقِ گل چینِ گلستانِ تسلّی نہ سہی

تشریح:۔ اگر عشق کے باغ میں شوقِ محبت کو تسلّی حاصل نہیں ہو سکی تو کیا۔ اس کے بجائے حسرت دیدار کے رنج و غم کے کانٹے تو ہیں۔ ان سے بھی تو اطمینان حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ مے پرستاں خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

تشریح:۔ اگر ایک دن محفل میں ساقی نہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا

ہے۔ اے مے پرستو! شراب کے مٹکے سے ہی منہ لگالو۔ اس میں بھی مزہ ہے۔ جی بھر کر تو پی سکتے ہو۔ ساقی تو تھوڑی دے گا۔

۴۔ نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لیلیٰ نہ سہی

تشریح:۔ اگر مجنوں کی روح لیلیٰ کے اندھیرے گھر کا چراغ نہ بن سکی تو نہ سہی۔ وہ ریگستان کے لیے تو چشم و چراغ یعنی عزیز ہے۔ یہ بھی کیا کم ہے؟

۵۔ ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

تشریح:۔ گھر کی رونق کا انحصار ایک ہنگامے پر ہے۔ وہ کسی بھی طرح کا ہو۔ اگر خوشی کا ہنگامہ نہیں تو غم کا ہنگامہ ہی سہی۔ عارف لوگوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۶۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

تشریح:۔ مرزا نے کلام کو بے معنی سمجھنے والوں سے کہا ہے کہ عام آدمی اگر میرے کلام کو نہیں سمجھ سکتے تو نہ سہی۔ مجھے نہ ستائش کی خواہش ہے نہ انعام واکرام کی پرواہ جو میں اس بات کا دھیان رکھوں

۷۔ عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالبؔ اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

تشریح :- حسینوں کی صحبت کی تھوڑی سی خوشی کو ہی غنیمت سمجھو۔ اگر عشق کے صدمات نے قدرتی حد تک کی عمر گذارنے کی اجازت نہیں دی تو نہ سہی۔

۴۸

۱۔ عجب نشاط سے جلاّد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

تشریح :- عشق میں شہید ہونے کو ہم جلاد کے آگے عجب خوشی سے چلے ہیں اس جنون میں قدم تو تیزی سے بڑھ ہی رہے ہیں۔ سر کا سایہ ان سے بھی آگے دوڑ رہا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ہمارا سر قتل ہونے کو بے قرار ہے

۲۔ قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

تشریح :- مقدر نے میری قسمت میں الفت شراب میں مست ہونا لکھا تھا مگر لفظ خراب لکھنے کے بعد اس کا قلم نہ چل سکا اور میں خراب یعنی خانہ خراب رہ گیا۔

۳۔ غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اُٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

تشریح :- زمانے کے غم کی آمد سے قبل ہم غمِ عشق میں لذت پاتے تھے مگر زمانے کے رنج و الم نے غمِ عشق کی مستی جسے ہم شادیٔ عشق سمجھتے تھے اُتار دی۔

۴ - خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

تشریح: ہمارے جنون عشق کی داد دو۔ معشوق کے گھر پر ہم ہمارا خط لے جانے والے قاصد سے پہلے ہی خط کا جواب لینے کو پہنچ جاتے ہیں

۵ - یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

تشریح:۔ اے زلفو! تمہاری خاطر جو میں نے عمر بھر پریشانیاں اٹھائی ہیں خدا کرے ان کا بدلہ تمہارے آگے آئے۔ یعنی تم بھی پریشان رہو۔

۶ - دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

تشریح:۔ ہم گمان میں جسے اپنا سانس سمجھے ہوئے تھے وہ ہمارے دل و جگر میں تڑپتی ہوئی خون کی اک لہر نکلی۔

۷ - قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالبؔ
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے۔

تشریح:۔ پہلے جو میری جان کی قسم کھاتے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ میں انہیں بہت عزیز ہوں۔ اب میرے جنازہ پر بھی آنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں۔ یعنی یہ بھی گوارا نہیں۔

---

۱ - شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے [۱۴۹]
یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلہ ہوتا ہے

تشریح :- شکوہ شکایت کرنے سے اس کی خفگی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب ہم نے یہ کہا کہ ہمیں شکایت ہے تو وہ شکایت سننا تو درکنار شکایت کا نام لیتے ہی سے ناراض ہونے لگا اور اتنی بات کہنے کا بھی وہ گلہ کرنے لگا

۲- پُر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

تشریح :- جس طرح راگ سے باجا بھرا ہوتا ہے، اسی طرح میں شکایتوں سے بھرا ہوا ہوں۔ بس ذرا چھیڑنے کی دیر ہے پھر دیکھو اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے!

۳- گو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو
شکوہ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

تشریح :- کیے گئے شکوے کی تلافی کرنے کا ڈھنگ ملاحظہ ہو۔ اگرچہ بوجہ کم سنی وہ سمجھنے کے قابل نہیں پھر بھی شکوہ کی تلافی کرنے کو اور جفا کرنے لگتا ہے یعنی انجانے میں ہی ادائے معشوق اپنا لے بیٹھا ہے۔

۴- عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

تشریح :- راہ عشق میں ستاروں سے پُر آسمان کی چال اس سست چال والے شخص کی سی ہے جس کے پاؤں میں آبلے پڑے ہوں۔

۵- کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

تشریح :- اگر ہم پر پھینکا گیا تیر ستم خطا ہو جائے تو ہم اسے اٹھا کر تیر مارنے والے کو دیدیتے ہیں کہ دوبارہ آزماؤ۔ جب تیر کھانے کی ہوس ایسی ہو تو کیوں نہ ہم تیر ستم کا نشانہ بنیں۔

۶ - خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

تشریح :- ہم جب بھی کسی کا بھلا چاہتے ہیں بدلے میں ہمارا ہی برائی ہوتی ہے اس لئے یہ کہیں اچھا تھا کہ ہم اپنے دشمن ہوتے۔ جس کے نتیجہ میں ہمارا بھلا ہوتا۔

۷ - نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

تشریح :- کوئی وقت تھا کہ میری فریاد آسمان سے بھی پرے جاتی تھی مگر اب یہ حالت ہے کہ بہت ہاتھ پیر مارے تو اس کی رسائی ہونٹ تک ہو جاتی ہے۔ کمزوری اور ناتوانی کی انتہا ہے۔

۸ - خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

باربد - ایک گویے کا نام

تشریح :- میرا قلم جو بزم سخن کا باربد ہے بادشاہ کی تعریف یوں کرتا ہے۔

۹ - اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

تشریح:- اے شاہنشاہ! ستارے تیری فوج ہیں اور سورج تیرا جھنڈا۔ تیرے انعام و اکرام کے احسان کو کون اتار سکتا ہے

۱۰- سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

تشریح:- اگر سات سلطنتوں کے خزانوں کو اکٹھا کریں تو تیرے لشکر کے لئے سفر خرچ ہے۔

۱۱- ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

بدر اور ہلال - چاند کی حالتیں۔ ناصیہ سا - سجدہ کرنا۔

تشریح:- ہر مہینے چاند بدر سے گھٹ کر ہلال ہو جاتا ہے۔ اصل میں وہ تیرے آستانے پر سجدہ کرتا ہے۔

۱۲- میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

تشریح:- ترے ہی کرم کی شہ سے میں آئینِ غزل خوانی میں گستاخ ہو گیا ہوں۔

۱۳- رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

تشریح:- اے غالبؔ میری ان تلخ اور گستاخ باتوں کا برا نہ ماننا اور مجھے معاف کر دینا کیونکہ آج میرے دل میں درد کچھ بڑھا ہوا ہے

جس کی وجہ سے میں نے ایسی باتیں کیں۔

۵۰

۱۔ ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

تو کیا ہے؟ تیری اوقات کیا ہے۔ معشوق ہمیشہ عاشق کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے طنزیہ لہجے میں مخاطب کرتا ہے تمہیں کہو۔ تم خود ہی انصاف کرو

تشریح:۔ محبوب کا شیوہ ہمیشہ ناز و ادا ہوتا ہے۔ اور عاشق کا حصہ عجز و نیاز۔ وہ عاشق کو بات بات پر فرومائیگی اور نا اہلی کا طعنہ دیتا ہے مگر عاشق اس پر بھی تلملاتا نہیں بلکہ عاجزی اور انکساری کا پتلا بن کر دبی زبان میں شکایت کرتا ہے کہ محبوب خود ہی دیکھ لے کہ اس کا بات کرنے کا ڈھنگ کتنا اخلاق سے گرا ہوا ہے۔ عاشق کو دیدار یار سے مطلب ہے وہ ہر قسم کا ناز یبا سلوک برداشت کرنے پر آمادہ ہے۔ وہ تو محبوب کی گالیوں کو پھول سمجھتا ہے اور ان کے بدلے دعاؤں پر دعائیں دیتا ہے
واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

۲۔ نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

تشریح:۔ میرے شوخ محبوب کو تم کیا کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ وہ شعلہ نہیں۔ شعلہ میں یہ جادو نہیں جو اس میں ہے۔ نہ ہی ہم اسے برق کہہ سکتے ہیں کیونکہ برق کے پاس اس جیسی ادائیں کہاں؟

۳- یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے

تشریح:- میرا دشمن تم سے میرے خلاف بری باتیں کہے گا مجھے اس بات کا خوف نہیں - مجھے تو اس بات پر رشک آتا ہے کہ وہ تم سے باتیں کرتا ہے

۴- چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے

تشریح:- عاشق عالم دیوانگی میں اپنا گریبان چاک چاک کر دیتا ہے مگر ان چاکوں کو درست کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ عاشق کا جسم تو خون سے لت پت ہوتا ہے وہ جنون کی حالت میں ناخنوں کے ساتھ اپنے بدن کو لہو لہان کر لیتا ہے یا فرقت یار میں خونی آنسو بہاتا رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا پھٹا ہوا گریبان جسم کے ساتھ چپک جاتا ہے - اور رفو کی حاجت نہیں رہتی -

۵ - جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

تشریح:- جسم کے ساتھ دل بھی جل چکا ہے اب اس جسم کی راکھ میں دل کو ڈھونڈنا بے کار ہے -

۶ - رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

قائل - معترف - ماننے والا - تسلیم کرنے والا -

تشریح :- لہو کیا ہے ؟ رگوں میں دوڑنے پھرنے والی لال رنگ کی مائع - مگر عاشق اس تعریف سے اتفاق نہیں رکھتا - اس کی نظر میں تو لہو وہ ہے جو غم دوست میں آنکھوں سے قطرہ قطرہ ہو کر نکل جاوے - فراقِ یار میں خون کے آنسو بہانا عاشق کا شیوہ اور فرض ہے اور خون جگر کی ایک ایک بوند محبوب کی امانت ہے ؂

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

نہ صرف آنکھوں کی راہ سے بلکہ جسم کے ہر ہر بال کی جڑ سے عاشق یادِ یار میں اپنا خون بہا دیتا ہے ؂

ہر بنِ مُو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خوناب ؛ حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا

۷- وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفامِ مشکبو کیا ہے

گلفام - سرخ رنگ کی مشک بو - کستوری کی سی مہک رکھنے والی

تشریح :- عاشق کی نظر میں اگر کوئی وقعت بہشت کی ہے تو صرف اس لئے کہ وہاں سرخ رنگ کی خوشبودار شراب ملے گی - مگر جو سرورِ محفل میں ساقی (محبوب) کے ہاتھ سے شراب کے دور سے حاصل ہوتا ہے وہ جنت میں کہاں ؂

جنت میں خاک بلوہ پرستوں کا دل لگے ؛ نقشے نظر میں ہجرت پیرِ مغاں کے ہیں

۸- پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

تشریح :- جب تک دو چار مٹکے شراب کے سامنے نہ پڑے ہوں

تو شراب کیا پیوں۔ شیشہ، قدح - کوزہ یا سبو سے ہمارا کیا بنتا ہے؟

۹- رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

تشریح :- تم جو کہتے ہو کہ اب بوقت مرگ اپنی آرزو کہو تو کس بوتے پر کہوں؟ اول تو اب ناتوانی و ضعف کے باعث بولنے کی طاقت ہی نہیں رہی اور اگر کچھ جتنا بھی لوں تو کس امید پر کہوں کہ یہ آرزو ہے تمام عمر تو میری کوئی آرزو پوری کی نہیں اب مجھے کیا امید ہو سکتی ہے؟

۱۰- ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

تشریح :- بڑوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے چھوٹوں کی بھی عزت ہوتی ہے - اور وہ اس عزت پر اترانے لگتے ہیں - یہی حال غالبؔ کا ہے - شہر میں کوئی اسے جانتا تک نہیں کہ یہ کون سے باغ کی مولی ہے - مگر بادشاہ کی صحبت کے ناطے وہ اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی سمجھتا ہے اور اس بڑائی پر فخر کرتا ہے -

---

۵۱

۱- میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

تشریح :- میں نے ان سے چھیڑ خانی کی اور وہ چپ چاپ چلے گئے - یہ حیرانی کی بات ہوئی ہے - اگر کہیں وہ شراب پیے ہوتے تو پھر چل نکلتے - یعنی چھیڑ چھاڑ سے آپے سے باہر ہو کر اچھی طرح سناتے -

۲- قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کے تم مرے لئے ہوتے

تشریح :- میں تو اتنا چاہتا ہوں کہ تم میری قسمت میں ہوتے۔ کس صورت سے ہوتے اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ چاہے قہر ہوتے یا کوئی بلا ہی ہوتے جو کچھ بھی ہوتے۔ بس میرے لئے ہوتے۔

۳- میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

تشریح :- اے خدا! اگر میری قسمت میں اتنی تعداد میں غم لکھے تھے تو دل بھی کسی حساب سے دیتا۔ ایک دل ان سب کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

۴- آہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

تشریح :- اے غالب! تم نے مرنے میں بڑی جلدی کی۔ چند دن اور صبر کرتے وہ محبوب رستے پر آہی جاتا۔

۵۲

۱- غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

تشریح :- ہماری شومی قسمت دیکھئے کہ غیر تو محفل یار میں جام کے بوسے لے رہے ہیں اور ہم ہیں کہ بلاوے تک کو ترس رہے ہیں۔

تشریح:۔ عاشق محبوب کو آنے کی دعوت تو دے سکتا ہے مگر اس دعوت میں تاثیر تب ہی ہو سکتی ہے جب جذبۂ دل اس کے ساتھ شامل ہو عاشق اگر سچے دل سے محبوب کے وصال کی خواہش کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ شادکام نہ ہو سکے۔

خلوصِ دل سے سجدہ ہو تو اس سجدے کے کیا کہنے
وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی

صدقِ دل سے جو فریاد کی جاتی ہے وہ بلا شبہ اثر رکھتی ہے۔

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر ؛ پردہ میں گل کے لاکھ جگر ہو گئے

اس لئے عاشق جذبۂ دل سے التجا کرتا ہے کہ تو محبوب کو اپنی جادو بھری قوت سے کھینچ اور اسے اس قدر مجبور کر دے کہ وہ عاشق کے پاس آئے بغیر نہ رہ سکے

۳ - کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

تشریح:۔ محبوب کم سن ہے وہ عاشق کو ستانا کھیل سمجھا ہے۔ اس لئے عاشق کی دعا ہے۔ خدا کرے وہ ستم پروری چھوڑ نہ دے اور مجھے بھول نہ جائے بلکہ مجھے ستائے بغیر اسے چین نہ ہو۔ عاشق لذت آزار کا حریص ہوتا ہے۔

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ؛ ہم کو حریص لذتِ آزار دیکھ کر

عاشق کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ محبوب اپنے مظالم سراسر عاشق کے لئے مخصوص کر دے۔

قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو ؛ کاشکے تم میرے لئے ہوتے

۴ - غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

تشریح :- رقیب محبوب کا خط پاکر اس قدر خوش ہے کہ وہ اسے ہاتھ میں لیکر کھلے بندوں پھر رہا ہے اور کسی سے اسے چھپا نہیں سکتا۔ گویا اسے محبوب کی رسوائی کا مطلقاً ڈر نہیں۔ اس لئے محبوب کیوں ایسے بے وفا اور لاپرواہ بوالہوس کو خط لکھتا ہے جسے محبوب کی عزت کا ذرا بھی پاس نہیں ؎

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے ؛ ہوس کو پاسِ ناموس وفا کیا

۵۔ اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

تشریح :- محبوب اگر بھلا ہے تو اس سے کیا فائدہ وہ اس قدر نازک ہے کہ اسے ہاتھ لگنے سے ضرر پہنچتا ہے۔ وہ پھول کی طرح حسین ہے مگر برا ہو اس نزاکت کا چھونے سے مرجھا جائے گا۔ آتش کا شعر کا ملاحظہ ہو ؎

نزاکت اس گل رعنا کی دیکھیو انشا ؛ نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

۶۔ کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

جلوہ گری - ظہور - نمائش حسن - کنایہ صفات یا مجاز عالم سے ہے۔

تشریح :- ذات حق (محبوب حقیقی) صفات کے پردہ میں چھپی ہوئی ہے۔ وحدت کثرت کی صورت میں نمایاں ہے اور یہ پردہ اٹھانا نہایت دشوار ہے۔ درحقیقت ہماری اپنی نظر دھوکا کھا رہی ہماری آنکھوں پر خودی حجاب آویزاں ہے اس لئے ہم دیدارِ یار سے محروم ہیں ؎

پردے میری نگاہ کے حائل رہے اثر ؛ ارمان وصل میں رہا دیدار کا

اگر محبوب اپنے چہرے سے نقاب دور کر دے تو پھر بھی عاشق کو اس

دیدار نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ نورِ حسن کی تاب نہیں لا سکتا۔ اور فوراً غش کھا جائے گا۔ بقول غالبؔ ؎

کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

۷۔ موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے

تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

تشریح :۔ موت کی راہ دیکھنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔ وہ تو ضرور آ کے رہے گی۔ اسے یہ بھی کہہ دیں کہ "نہ آؤ" تو پھر بھی وہ آئے گی۔ اگر محبوب کو "نہ آؤ" کہہ دیں تو وہ نہیں آئے گا۔ یعنی فقرہ "نہ آؤ" کا اثر موت پر تو نہیں ہوتا مگر محبوب پر ہوگا۔ وہ تو پہلے ہی آنے کا نام نہیں لیتا۔ اب ہمارے "نہ آؤ" کہنے پر وہ اور بھی بگڑ جائے گا۔ اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ پھر ہم اسے بلا بھی نہیں سکتے۔ جب ایک بار "نہ آؤ" کہہ دیا تو پھر کس منہ سے اسے بلا سکتے ہیں کہ آؤ۔

۸۔ بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

تشریح :۔ عاشق بارِ محبت کو نہ سنبھال سکا۔ وہ اس کے سر سے گر پڑا اور اسے اٹھانا دشوار ہے۔ یہ ایک ایسا کام آن پڑا ہے کہ بن نہیں سکتا۔ شرطِ وفا اور صدقِ محبت کا تقاضہ ہے کہ اس بوجھ کو اٹھایا جاوے مگر ضعف اور ناتوانی کے سبب وہ اس قابل بھی نہیں۔ اس لئے عجیب الجھن میں گرفتار ہے عشق کا نبھانا نہایت مشکل ہے ؎

محبت کرو اور نباہو تو پوچھوں ⁂ یہ آسانیاں ہیں کہ دشوار یاں

۹- عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

تشریح:- عشق پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ بڑے بڑے زور آور اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں ؎
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
یہ وہ آگ ہے جو لگانے سے نہیں لگتی بلکہ خود بخود حسن محبوب کی ایک ہی جھلک سے لگ جاتی ہے اور جب شعلہ محبت بھڑک اٹھتا ہے تو پھر بجھایا نہیں جا سکتا۔ یہ آتش محبت تو موت کے بعد بھی عاشق کو جلاتی رہتی ہے ؎ بجھنے کی دل کی آگ نہیں زیر خاک بھی ؛ ہوگا درخت گور پہ میری چنار کا۔

٦۳

۱- چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے
صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے

تشریح:- اگر جنون عشق کے باعث چاک کرنے کو کچھ نہ رہے مگر کچھ پھاڑنے کی اس کو خواہش ہو تو وہ میرے زخم دل کو گریبان سمجھ کر گریبانِ صبح کی طرح چاک کر دے۔

۲- جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے اگر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

تشریح:- تیرے جلوۂ حسن کا کیا بیان کریں۔ دیکھنا تو دور، اگر اس کا محض خیال تک کریں تو اس خیال سے ہی دل کی آنکھ زیارت گاہ بن جائے اس قدر حیران کن ہے تیرا جلوہ کہ آنکھ خود حیران ہونے سے بھی

آگے بڑھ جائے۔

۳۔ ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے

تشریح:۔ دل کی مراد پوری ہونی تو ایک طرف اب تو اس کے ٹوٹ جانے کی بھی امید نہیں رہی۔ مطلب یہ کہ محبوب اتنا سنگ دل وغافل ہے کہ میری طرف ذرا بھی توجہ بھی نہیں کرتا۔ جس سے کہ میرا شیشہ جیسا دل اس کے پتھر جیسے دل سے ٹکرا کر چور چور تو ہو سکے۔

۴۔ میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست
موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

تشریح:۔ اگر شراب خانہ تیری ناز و ادا سے مست آنکھوں سے شکست کھا جائے تو بوتلوں میں ٹوٹنے سے جو بال پڑیں گے وہ پیالہ کی پلک بن جائیں گے اور پیالہ اپنی ان آنکھوں سے تجھے دیکھ دیکھ کر حیران ہوگا

(اگلے صفحہ کی طرف رجوع کیجئے)

۵۔ خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

تشریح:۔ میری الفت نے میرے محبوب کی زلف کو رخسار کے خط سے عہد نامہ لکھ کر دیا ہے۔ جس سے کہ وہ جس قدر پریشانی دینی چاہے مجھے منظور ہے۔

۶۴

۱۔ وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
دے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے

تشریح:۔ محبوب تو اس قابل ہے کہ مجھے خواب میں آکر اپنے جلوے سے میری بے قراری کو چین دے سکتا ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ دل کی محبت کی تپش سونے کا موقع تو دے۔

۲۔ کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

تشریح:۔ محبت میں تیری آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا تیری تیغ نظر کو آب یعنی چمک بمعنی تیزی دیتی ہے جس سے کہ یہ آبدار تلوار مجھے قتل کر رہی ہے یعنی تیرا رونا میرے لئے قتل کا سامان ہے۔

۳۔ دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

تشریح:۔ اگر تو اپنے منہ کا بوسہ نہیں دیتا تو میری بات کا منہ سے جواب تو دے دے تاکہ تیرے ہونٹ کی جنبش سے ہمارا کام تمام ہو جائے۔ کچھ تو حاصل ہو۔

۴۔ پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

تشریح:۔ اے ساقی! اگر مجھ سے نفرت ہے اور تو پیالہ میں شراب نہیں پلانا چاہتا تو نہ سہی۔ اوک سے ہی پلا دے کم از کم شراب سے انکار تو نہ کر۔

۵۔ اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

تشریح:۔ جب محبوب نے مجھے اپنے پاؤں دابنے کا شرف بخشا تو یہ سنکر ہی میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

۶۵

۱۔ تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے

مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

تشریح:۔ سوزِ عشق کی گرمی سے میرے بستر کا ہر تار تکلیف میں پھنسا ہے۔ میرا سر تکیہ کیلئے باعثِ رنج اور میرا جسم بستر کے لئے بوجھ ہے۔

۲۔ سرشکِ سر بصحرا دادہ نورالعین دامن ہے

دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

تشریح:۔ جو آنسو میں نے صحرا میں بہائے میرے دامن نے انھیں آنکھوں کا نور سمجھ کر روک لیا ہے۔ اور جب میرا دل بے بس و کمزور و نحیف ہو کر بستر پر گر پڑا تو بستر نے اسے ایک نعمت سمجھ کر اپنا لیا۔

۳۔ خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو

فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

تشریح:۔ میری بیماری میرے لئے خوش قسمتی ہے کہ تم میری مزاج پرسی کو آئے۔ اس سے میرے سرہانے جلنے والی شمع کی روشنی پر جاگتا ہوا (روشن) نصیب بن گئی ہے۔

۴۔ بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی

شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

تشریح:۔ شامِ فراق میں میری بے قراری کے جوش کے باعث ایک طوفان بپا ہے اور میرے بستر کا ہر تار مجھے قیامت کے سورج کی شعاع دکھائی دیتا ہے۔

۵۔ ابھی آتی ہے بو بالش سے اس کی زلف مشکیں کی
ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے

تشریح:۔ ہمارے تکیے سے ابھی تک میرے محبوب کی عنبریں زلف کی خوشبو آ رہی ہے۔ محبوب کے ساتھ ہمارے دیدار کے حقیقی واقع کے سامنے زلیخا کا خواب (جس میں اس نے یوسف کا وصل حاصل کیا تھا) ہیچ ہے۔ وہ خواب تھا یہ حقیقت۔

۶۔ کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب
کہ بے تابی سے ہر اک تار بستر خار بستر ہے

تشریح:۔ معشوق کے فراق میں میرے دل کی بے تابی کی جو حالت ہے وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ اس بے قراری کے باعث میرے بستر کا ہر تار میرے جسم میں ایک کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے۔

۶۶

۱۔ خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جائے
غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

تشریح:۔ اے محبوب! تو جو میری رفاقت پر فخر محسوس کرتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوستی تیرے گلے کا پھندا بن جائے اور تو اس سے چھٹکارہ پانے کی خاطر میرا دشمن بن جائے۔

۲۔ سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب
اگر گل سرو کی قامت پہ پیراہن نہ ہو جائے

تشریح:۔ اگر موسم بہار میں پھول کی شاخ اپنی سرد یکے تمام جسم پر کرتیکی مانند نہ چھا جائیں تو سمجھو کہ اس کی نشو و نما میں کوئی کسر رہ گئی ہے

۶۷

۱۔ فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

تشریح:۔ فریاد کرنے کے لئے کسی خاص سر تال کی ضرورت نہیں۔ دل نے جیسا بے میں اسے گا لیا وہی ٹھیک ہے۔ اور نالہ بھی کسی بنسری کا محتاج نہیں۔ کسی بھی طرح سے ہو مطلب اس کے پر اثر ہونے سے ہے۔

۲۔ کیوں بوتے ہیں باغباں تو نبے
گر باغ گدائے مے نہیں ہے

تشریح:۔ اگر باغ شراب حسن کا بھکاری نہیں تو باغباں تو نبے کس لئے بوتا ہے مطلب یہ کہ باغ شراب جلوہ کی بھیک مانگتا ہے اور اسی کی خاطر باغباں اسے تو نبے دیتا ہے۔

۳۔ ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

تشریح:۔ مانا کہ ہر چیز میں تیرا وجود ہے پھر بھی ایسی کوئی چیز اس دنیا میں نظر نہیں آتی جو تیری طرح ہو۔

۴۔ ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

تشریح:۔ لوگ اگرچہ کہیں کہ زندگی کی حقیقت ہے مگر تو اس کا بالکل یقین نہ کرنا۔ اس زندگی کے جال میں مت پھنسنا۔ حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں۔

۵ شادی سے گذر کہ غم نہ ہووے

اردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

اردی:۔ رومیوں کا ایک مہینہ موسم بہار کا۔ دے۔ سخت سردی کا مہینہ (روم کے کلینڈر کے مطابق)

تشریح:۔ خوشی کا لطف لئے بغیر اسے گذار دے کیونکہ اس طرح جس طرح کہ اگر بہار کا مہینہ نہ ہوگا تو خزاں بھی باعث آزار نہیں ہوگی۔

۶۔ کیوں رد قدح کرے ہے زاہد

مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

تشریح:۔ اے زاہد تو شراب کے پیالے کو کیوں ٹھکراتا ہے۔ یہ شراب ہے، مکھی کی قے نہیں جس سے کراہیت ہو مکھی کی قے یعنی شہد پر چوٹ کی ہے جسے کہ زاہد ثواب جانتا ہے۔

۷ ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب

آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے۔

تشریح:۔ اے غالب! تو جو یہ کہتا ہے کہ نہ ہستی ہے اور نہ عدم ہی کچھ ہے تو بتا کہ تو خود کیا ہے؟ کیا تو ہستی (ہے) اور عدم (نہیں) دونوں کا مجموعہ نہیں۔

۶۸

۱۔ نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا
کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ اعظم ہے

تشریح:۔ زخم دل کے لیے جو نسخہ پوچھتا ہے، مت پوچھ۔ کیونکہ اس میں ہیرے کا ٹکڑا پڑتا ہے۔ جو کہ تیرے زخم دل کو اور گہرا اور چوڑا کر دیگا۔

۲۔ بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

تشریح:۔ تیرے تغافل نے بہت دنوں کے بعد مجھ پر عنایت کی کہ تیری اک نگہ مجھ پر ہوئی جو کہ مکمل نگاہ بھی نہیں۔ یعنی تو نے جی بھر کر میری طرف دیکھا بھی نہیں لفظ نگہ اور نگاہ میں بھی الف کا فرق ہے۔

۶۹

۱۔ ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں مگر ان کی تمنا نہیں کرتے

تشریح:۔ ہم اپنے معشوق پر مرتے تو ہیں مگر بوجہ رشک ان کی خواہش نہیں کرتے رشک بھی اپنے سے ہے جو کہ محبوب پر مرتا ہے۔

۲۔ در پردہ انہیں غیر سے ہے ربط نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

تشریح:۔ غیر سے بے پردہ ہونے کا بہانہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ غیر کے لیے

اجنبی ہے اس لئے اس سے پردہ کیا؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ انھیں غیر کے ساتھ محبت ہے اور اسی وجہ سے پردہ نہیں کرتے۔

۳۔ یہ باعث نومیدیٔ ارباب ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

تشریح:۔ تم جو وفادار غالب کو برا کہتے ہو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ یہ بات سنکر جو ہوس رقیب تمھاری طرف سے ناامید ہوجائیں گے یہ سوچ کر کہ غالب جیسے کو جس نے برا کہدیا اسکا کیا ایمان؟

۷۰

۱۔ کب مے ہے بادہ تیرے لب سے کسب رنگ فروغ
خط پیالہ سراسر نگاہ گل چیں ہے

تشریح:۔ شراب کا پیالہ جب تیرے ہونٹوں سے لگتا ہے تو شراب ان سے خوبصورتی کا رنگ حاصل کرتی ہے اور پیالے کا بال اسی وجہ سے گل چیں کی نگاہ کا کام کرتا ہے۔

۲۔ کبھی تو اس سر شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے

تشریح:۔ کبھی تو اس جنون سے بھرے سر کی داد ملنی بھی چاہیئے۔ وہ مدت سے اس سرہانے کی حسرت میں ہے جس پر کہ وہ آرام کر سکے۔

۳۔ بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبل زار
کہ گوش گل نم شبنم سے پنبہ آگیں ہے

تشریح :۔ اگر پھول بلبل کی آہ وزاری کی طرف دھیان نہیں دیتا تو یہ ٹھیک ہی ہے کیونکہ اس کے کانوں میں شبنم کی روئی بھری ہے جو کہ اسے کچھ سننے نہیں دیتی ۔

۴۔ اسدؔ ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا
مقام ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

تشریح :۔ اے بیوفا! اسد اس وقت نزع کی حالت میں ہے خدا کے واسطے اس کے پاس چل۔ یہ موقع حجاب کو چھوڑنے اور خودداری کو رخصت کرنے کا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے دیدار کی حسرت دل میں ہی لیتے چل بسے ۔

۱۷

۱۔ کیوں نہ ہو چشم بتاں محو تغافل کیوں نہ ہو
یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے

تشریح :۔ حسینہ کی آنکھ حسن وجوانی کے نشہ کی وجہ سے جھکی سی رہتی ہے جس طرح کہ ایک بیمار کی۔ اسی مناسبت سے حسینوں کی آنکھوں کو بیمار کہا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حسیناؤں کی آنکھیں عاشقوں کی طرف سے کیوں نہ غافل ہوں وہ تو بیمار ہیں اور بیمار کے لئے کئی پرہیز ہوتے ہیں۔ ان بیماروں کے لئے نظارہ کرنے سے پرہیز ہے۔

۲۔ مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کا خنجر تیز ہے

تشریح :۔ محبوب کا خنجر تیز ہے ۔ جو کہ جھٹ سے قتل کر دے گا اور اسکے دیدار کی آرزو پھر بھی پوری نہ ہوگی۔ اگر کند ہوتا تو قتل کرنے میں اسے کچھ وقت لگتا اور ہم اسے دیکھ تو لیتے۔

۳۔ عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ
جوشش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے

تشریح:۔ پھول کو جب دیکھا تو محبوب کا چہرہ یاد آگیا موسم بہار کا جوشش شوق محبت کو تیز کرتا ہے۔ کیونکہ پھولوں کی موجودگی ہر جگہ ہوگی جن پر نظر پڑنے کر ہر وقت محبوب کی یاد ستاتی رہے گی۔

۷۲

۱۔ دیا ہے دل گر اس کو بشر ہے کیا کہیے؟
ہوا رقیب تو ہو نامہ بر کو کیا کہیے؟

تشریح:۔ میرا نامہ بر خط لیکر جب محبوب کے پاس گیا تو اس کے حسن پر عاشق ہوگیا اور میرا رقیب بن گیا۔ اگر اس نے میرے حسین محبوب کو دل دے دیا ہے تو اب اسے کیا کہیں۔ آخر وہ بھی انسان ہے اور کسی بھی حسین شے پر دل کھو دینا انسان کی فطرت ہے۔

۲۔ یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے۔

تشریح:۔ موت آئے بغیر تو رہ نہیں سکتی۔ اسے ایک نہ ایک روز آنا تو ضرور ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ آج آئے۔ لیکن وہ آج نہ آنے پر بضد ہے۔ اب ہمیں قضا سے کس قدر گلہ ہے اس کو ہم کیا کہیں۔ ایک ناگزیر کام بھی ہماری خواہش کے مطابق نہیں ہو پاتا واہ رے شومی قسمت!

۳۔ رہے ہے یوں گہ و بے گہ کہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

تشریح:۔ ہمارا رقیب وقت بے وقت ہمارے محبوب کے کوچے میں پڑا رہتا ہے۔ اب اگر ہم اسے دشمن کا گھر نہ کہیں تو کیا کہیں۔

۴۔ زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کہیے

تشریح:۔ ان کے کرشموں کا جادو تو ملاحظہ ہو۔ ہم ان سے یہی سمجھتے ہیں کہ ہم جو کہنا چاہتے انھیں خبر ہے۔ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ کتنا بڑا فریب ہے۔

۵۔ سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال
کہ یہ کہے کہ سر رہ گزر ہے کیا کہیے۔

تشریح:۔ ہم تو بازار میں اس لیے چپ ہو جاتے ہیں کہ شارع عام ہے۔ یہاں پر اب کیا کہیں۔ مگر وہ ہماری اس کمزوری کو جان کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہمارا حال راستہ ہی میں پوچھتے ہیں۔ اپنی بات بھی رکھ لی اور ہماری بھی — عرض حال کا موقع بھی نہ دیا اور ہم پر احسان بھی رہا۔

۶۔ تمھیں نہیں ہے سر رشتہ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے۔

تشریح:۔ تمھیں تو وفا کا مطلق خیال نہیں۔ اور یہ بھی نہیں پتہ کہ اس کی ڈور کا سرا کہاں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے یہی بتاؤ کہ کیا ہے؟ محبت کا دھاگہ اپنے ہاتھ میں ہے یہ محبوب کو جتا کر بھی اسی سے سوال ہے وہ اس بات کو نہیں

سمجھے گا کیونکہ اس کو عاشق سے کوئی لگاؤ جو نہیں۔

۷۔ انھیں سوال پہ زعم جنوں ہے کیوں لڑیئے
ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیئے

تشریح:۔ ہمارے سوال کرنے پر وہ ہمیں دیوانہ کہہ کر چپ رہ جاتے ہیں کہ اس سے کیا لڑیں۔ ادھر ہم جواب سے ناامید ہیں سوال کریں بھی تو کیا کریں۔

۸۔ کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیئے

تشریح:۔ کوئی کہتا ہے کہ غالب برا نہیں۔ وہ تو برا ہے مگر اس کی برائی صرف یہ ہے کہ محبت میں دیوانہ ہے۔ اس کے سوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

۷۳

۱۔ دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

تشریح:۔ در پردہ یعنی عدم میں مجھے بے وجودی کی وجہ سے بیقرار دیکھ کر میری عریانی نے مجھ پر یہ مہربانی کی کہ مجھ باوجود کر گئی۔

۲۔ بن گیا تیغ نگاہِ یار کا سنگ فساں
مرحبا میں کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

تشریح :۔ نگاہ یار ایک تلوار ہے جس کی چوٹوں کو میں سہتا رہا گویا کہ میں سان کا پتھر بن گیا جس پر کہ یار کی تیغ نگاہ تیز ہوتی رہی۔ میری سخت جانی مجھے مبارک ہو ورنہ میں کیا تھا؟ جو محبوب کی نظر بار بار مجھ پر پڑتی۔

۳۔ کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے
جانتا ہے محو پرسش ہائے پنہانی مجھے

تشریح :۔ میرا محبوب میری طرف سے جو اتنا غافل اور مطمئن ہے تو اس کی وجہ ہے وہ یہ جانتا ہے کہ میں اس کے ساتھ کبھی خواب میں اور کبھی خیال میں معاملہ کرلیتا ہوں اور میرے لئے یہی کافی ہے۔ اسی وجہ سے وہ میری طرف سے بے التفاتی برتتا ہے۔

۴۔ بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاش کے
اس قدر ذوقِ نوائے مرغ بستانی مجھے

تشریح :۔ مجھے بلبل کی آہ و فریاد سننے کا بہت شوق ہے۔ کاش کہ مجھے یہ شوق نہ ہوتا کیونکہ اس کی وجہ سے وہ کافر میری طرف سے بدگماں ہوگیا ہے۔ یہ خیال کرتا ہے کہ میں اس کی نسبت بلبل سے زیادہ لگاؤ رکھتا ہوں۔

۵۔ وائے واں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

تشریح :۔ فرماتے ہیں۔ میری شومیٔ قسمت دیکھئے۔ میں آرام کے شوق کی تسکین کی خاطر قبر میں گیا مگر وہاں پر بھی قیامت کے شور نے مجھے آرام نہ کرنے دیا۔

۶۔ وعدہ آنے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے

تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

تشریح:۔ تم مدت سے میرے گھر آنے کا وعدہ کرتے آرہے ہو جس کے باعث کہیں گھر سے باہر بھی نہیں جا سکتا۔ اب تو اپنا وعدہ پورا کرو۔ اس طرح تو میں اپنے ہی گھر کا دربان بن کر رہ گیا ہوں۔

۷ ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ

پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

تشریح:۔ موسم بہار کی آمد باعث خوشی ہے کیونکہ میرے دل میں پھر غزل کہنے کا جنون جاگ رہا ہے۔

۸۔ میرے غم خانے کی قسمت رقم ہونے لگی

لکھ دیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

تشریح:۔ میرے گھر کی ویرانی و بربادی کی وجوہ پر جب غور کیا جانے لگا تو میرے مقدر کے فیصلے میں یہ بھی لکھ دیا کہ اس ویرانی کے اسباب میں میرا جنون عشق بھی ایک وجہ ہے

۹۔ دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی

میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

تشریح:۔ خدا نے میرے بھائی کو بیماری سے شفا بخش کر دوبارہ زندہ کیا ہے

میرا بھائی یوسف میرے لئے یوسف ثانی ہے یعنی اس نے دوبارہ زندگی پائی ہے۔

۷۴

۱۔ یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے
سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

تشریح:۔ خوشی کے شور میں بھی مجھے خدا یاد ہے جس طرح زاہد کی تسبیح سے آہستہ آہستہ خدا کا ذکر ہوتا رہتا ہے اسی طرح خوشی میں بھی میرے منہ سے یارب یارب ہی نکلتا ہے یعنی خوشی کو فضول جان کر میرا شور اور زیرِ لب مسکرانا دونوں دہائی دے رہے ہیں۔

۲۔ ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن
تھا طلسم قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے

تشریح:۔ میرے بند دل کے کھلنے کا انحصار اچھے کلام پر ہے یعنی کوئی کام کی بات شعر میں آئے تو میرا دل کھل جاتا ہے۔ یہ بات میں نے قفلِ ابجد کے طلسم سے سیکھی ہے جو کہ چند حروف کے جڑ جانے یعنی بات بن جانے پر کھل جاتا ہے۔

۳۔ یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے
رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

تشریح:۔ اے خدا! اپنی دیوانگی و جنونِ عشق کی داد کس سے طلب کریں۔ اب تو مجھے قیدیوں کی خوش نصیبی پر رشک آتا ہے جو کہ مجھ سے کہیں زیادہ آسائش و

تمام میں ہی۔

۴۔ طبع مشتاق لذت ہائے حسرت کیا کروں

آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

تشریح:۔ میری طبیعت حسرت میں اسقدر لذت حاصل کرتی ہے کہ کیا کہوں اسکے شوق کی تسکین کے لئے ہی میں آرزو کرتا ہوں۔ کیونکہ جب آرزو پوری نہ ہوگی تو اسکی حسرت سے میری طبیعت لطف اندوز ہوگی۔

۵۔ دل لگا کر آ[illegible] مجھی سے ہو گئے

عشق سے آ[illegible] ح میرزا صاحب مجھے

تشریح:۔ اے مرزا صاحب (غالب) آپ تو عشق سے روکتے تھے کیونکہ یہ انسان کو دیوانہ بنا دیتا ہے۔ اب دا[illegible] ر جناب خود ہی میری طرح مجنوں بن گئے

۷۵

۱۔ حضور شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے

چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے

تشریح:۔ آج بادشاہ کے دربار میں شاعروں کی قابلیت کا امتحان ہے۔ دوسرے مصرعہ کا بھی یہی مطلب ہے چمن سے مراد دربار شاہی اور خوش نوایان چمن سے مراد شعرا ہے۔

۲۔ قدِ گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

تشریح:۔ مجنوں اور فرہاد کی آزمائش تو اپنی اپنی معشوقہ کے قد و گیسو سے ہوئی مگر جہاں ہم ہیں وہاں سولی اور پھندے سے ہماری آزمائش ہوگی۔

۳۔ کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحاں آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

تشریح:۔ ابھی تو عاشق کے جسم کی طاقت کا امتحان ہو رہا ہے۔ آخر میں جاکر فرہاد کا امتحان ہوگا۔ فرہاد تو حوصلے کی آزمائش میں پورا نہ اتر سکا اور شیریں کی موت کی خبر سن کر مر گیا۔

۴۔ نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

تشریح:۔ اگر مصر کی ہوا یوسف کے کرتہ کی خوشبو کو حضرت یعقوب تک اڑا کرلے گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کی خیر خواہ ہے۔ اس کا مقصد تو اس خوشبو کی وسعت اور پہنچ کی آزمائش کرنا تھا۔

۵۔ وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے۔

تشریح:۔ اہل انجمن سے خطاب ہے کہ سنبھلو! پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ وہ

معشوق دلربا محفل میں آرہا ہے اور اہل بزم کے صبر و ضبط کی آزمائش ہونیکو ہے۔

۶۔ رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شست بت ناوک فگن کی آزمائش ہے

تشریح :- تیر انداز محبوب کے نشانہ کی آزمائش سے مقصد ہے ۔ اگر اس کا تیر دل میں رہ جائے تو بھی ٹھیک اور اگر جگر کے پار ہو جائے تو بھی خوب

۷۔ نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

تشریح :- تسبیح یا زنار کے پھندے میں گرفت کی طاقت نہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ شیخ و برہمن میں سے عشق کی کسوٹی پر کون پورا اترتا ہے اور کس کی گرفت مضبوط ہے ۔ شیخ کی تسبیح پر یا برہمن کی زنار پر۔

۸۔ پڑا رہ اے دل وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تاب زلف پرشکن کی آزمائش ہے

تشریح :- اے محبت میں بندھے دل بےقرار بے تاب نہ ہو۔ کیوں کہ بے تابی اس بات کا ثبوت ہے کہ تو ابھی محبوب کی پیچدار زلفوں کی آزمائش کرنے کی تمنا رکھتا ہے اور انھیں آزمانا چاہتا ہے۔

۹۔ رگ وپے میں جب اترے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

تشریح:- غم عشق کا زہر ابھی تو حلق و منہ میں ہی اپنی تلخی دکھا رہا ہے۔ اسکے اثر کا تو تب پتہ چلے گا جب جسم کی ہر رگ میں سرایت کر جائے گا یعنی ابھی تو ابتدا ہے عشق کی انتہا نہ جانے کہاں اور کیسی ہوگی۔

۱۰- وہ آئیں گے میرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالبؔ
نئے فتنوں میں اب چرخ کہن کی آزمائش ہے

تشریح:- تم کہتے ہو کہ اس نے میرے گھر آنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ نہیں آئیں گے۔ وہ کسی وعدہ کا پاس نہیں رکھتے۔ تم دیکھنا کہ آسمان کی جفائیں کرنے میں آزمائش ہے کہ وہ کتنی مصیبتیں اور فتنے مجھ پر گرا سکتا ہے۔

۷۶

۱- کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھسے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

تشریح:- محبوب عاشق پہ اکثر ظلم و ستم ڈھاتا رہتا ہے اور جب کبھی اس کے دل میں رحم آتا ہے اور عاشق پر کرم کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اسے گذشتہ ظلم و ستم یاد آجاتا ہے اور شرم کے مارے عاشق کو منہ نہیں دکھا سکتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی نیکی کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

جنوں سے باز آتے پر باز آ میرؔ کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

۲۔ خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

تشریح:۔ اے خدا! میرے دل کے جذبۂ محبت کی الٹی تاثیر ہے۔ میں جسقدر اس کو اپنی طرف کھینچنے یعنی مائل کرنے کی کوشش کرتا ہوں وہ اتنا ہی خفا ہو کر مجھ سے پرے ہو جاتا ہے۔

۳۔ وہ بدخو، اور میری داستان عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

تشریح:۔ محبوب کا مزاج بگڑا ہوا ہے۔ اس کا سر آسمان پر ہے۔ وہ کسی کی بات نہیں سنتا۔ وہ بھلا عاشق کی داستان بھلا کیسے سنے گا جو بہت طویل ہے اور حسب سے قاصد بھی گھبرا جاتا ہے حالانکہ قاصد کو عاشق سے پوری پوری ہمدردی ہے۔

۴۔ ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

تشریح:۔ محبوب عاشق سے بدگمان ہے اور اس کے عشق کو جھوٹا سمجھتا ہے اسلئے اس کا حال نہیں پوچھتا۔ ادھر عاشق اسقدر کمزور ہے کہ اس میں بولنے کی بھی سکت نہیں اور اپنا حال بیان نہیں کر سکتا۔ عجب مشکل کا سامنا ہے۔ عاشق کی ناتوانی کو ایک اور جگہ غالب نے یوں بیان کیا ہے ؎

مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالبؔ
ناتوانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

۵۔ سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے،

کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تشریح:۔ عاشق خیال یار کے سہارے ہی زندہ رہتا ہے۔ اسی کی لگن میں مگن رہ کر وہ اپنے دن کاٹتا ہے ؎

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن

بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

جب تصور دوست کا دامن بھی ہاتھ سے چھٹنے لگتا ہے تو اس کیلئے قیامت آجاتی ہے۔ اس کا زندہ رہنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور یہ اس کی ناامیدی کی انتہا ہوتی ہے

۶۔ تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن

وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف۔ صاف بات یہ ہے۔ نظارگی۔ نظارہ کرنیوالا۔ دیکھنے والا۔ وہ دیکھا جائے۔ اس کو یعنی محبوب کو کوئی اور دیکھے۔

تشریح:۔ اس میں شک نہیں کہ میں بھی اس کا دیدار کرنے والا ہوں مگر صاف بات یہ ہے کہ مجھکو یہ گوارا نہیں کہ کوئی دوسرا بھی اسے دیکھے۔ باوجود محبوب کے ظلم و ستم کے عاشق اسے جی جان سے چاہتا ہے اور اکیلا ہی اس کے حسن سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے ؎

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ بھی ہو
کاش کہ تم میرے لئے ہوتے

۷۔ ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

تشریح:۔ پاؤں جن پر کہ عشق کے وار سہے جا سکتے تھے۔ ابتدائے عشق میں ہی زخمی ہو گئے ہیں۔ اب نہ تو عشق سے بھاگنے کے قابل رہا ہوں اور نہ اس کے شدائد کو برداشت کرنے کی ہمت ہے۔

۸۔ قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

مدعی۔ عشق کا جھوٹا دعوےٰ کرنیوالا۔ بوالہوس عاشق رقیب۔
تشریح:۔ جب کوئی عزیز رخصت ہوتا ہے تو اسے خدا حافظ کہتے ہیں یعنی خدا کے سپرد کرتے ہیں تاکہ اس پر کوئی آفت نازل نہ ہو۔ مگر عاشق کے دل میں اس قدر رشک ہے کہ وہ محبوب کو کسی کے سپرد نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ وہ اسے رخصت کے وقت خدا کے سپرد بھی نہیں کر سکتا۔ یعنی خدا پر بھی اسے یقین نہیں۔ جب ایسی عالت ہو تو کہتے غضب کی بات ہے کہ وہی محبوب رقیب کے ساتھ ہمسفر ہے؟

۲۲

۱۔ زبس کہ عشق تماشا جنوں علامت ہے
کشاد و بست مژہ سیلی ندامت ہے

تشریح:۔ اس دنیا کی سیر کرنے کا شوق پاگل پن کی نشانی ہے اور آنکھ کھلنا اور بند ہونا ندامت کا تھپڑ ہے یعنی اس دنیا کی نیرنگیوں کا تماشا کرنے کے شوقین لوگوں کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔

۲۔ نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی
تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

تشریح:۔ اے محبوب! تو جو بناؤ سنگار کرتا ہے آئینہ بھی اس کی وجہ سے تجھ کو ملامت کرتا ہے کیونکہ یہ سب غیروں کے لئے ہے اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تیری وعدہ خلافی کا یہ داغ کس طرح مٹ سکے گا۔

۳۔ بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ
نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

تشریح:۔ ہوس کے پیچ و تاب میں پڑ کر یعنی بے قرار ہو کر اپنے آرام و عافیت کی لڑی کو مت توڑ بلکہ ہوس کو چھوڑ کر عاجز بن کیونکہ تیری سلامتی کا دھاگا نگاہِ عجز ہی ہے۔

۴۔ وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

تشریح :۔ محبوب کی غیروں سے گرمجوشی ، وفاداری اور غیروں کے عشق کے جھوٹے دعوے اکٹھے ہوں تو یہ اس طرح ہے جیسے کہ موسم بہار میں کوئی دیوانگی کا بہانہ کرے۔ مطلب یہ کہ وفادار محبوب بوالہوس عاشقوں کیساتھ مل بیٹھے تو یہ افسوس کی بات ہے۔

۴۸

۱۔ لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

تشریح :۔ محبوب کی بزم میں جانیکا راستہ کیا خوب نکالا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تو مجھے اپنی محفل میں لے چل۔ اس سے تیری رسوائی نہیں ہو گی کیونکہ میں اس قدر لاغر ہوں کہ اہل بزم مجھے دیکھ ہی نہیں سکیں گے تو کہیں گے کیا۔

۲۔ کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھکر آجائے رحم
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

تشریح :۔ معشوق کے فراق میں اسقدر نحیف و ضعیف ہو چکا ہوں کہ اگر کوئی کسی بہانے سے مجھے اس تک پہنچا دے تو شاید میری حالت دیکھکر اسے مجھ پر رحم آجائے۔

۳۔ منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ انداز عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ اگر مجھے تو اپنا منہ نہیں دکھلانا چاہتا تو نہ سہی۔ مزے سے نقاب اٹھا کر غصہ کی نظر ہی دکھا دے۔ اس طرح عاشق اس کا منہ بھی دیکھ لیگا

۴۔ یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھا دے مجھے

تشریح:۔ میرے محبوب کو میری گرفتاری سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ چاہے میں گرفتار ہو کر اس کی زلف ہی کیوں نہ بن جاؤں۔ کیونکہ تب وہ مجھے کنگھی میں الجھا کر تکلیف دے کر خوش ہو گا اس بات کی اسے پرواہ نہیں کہ اس سے اسے بھی تکلیف ہو گی۔

۷۹

۱۔ بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

تشریح:۔ یہ دنیا مرے لئے بچوں کے کھیل کی سی حقیقت رکھتی ہے اور رات دن میرے سامنے ایک تماشا سا ہوتا رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا بالکل ہیچ اور ناپائدار ہے۔ اسکی کوئی قیمت یا وقعت نہیں۔

۲۔ اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

تشریح:۔ سلیمان کا تخت میرے واسطے ایک کھیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کا معجزہ میرے لئے ایک عام بات کی طرح ہے۔

۳۔ جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے

تشریح:۔ اس دنیا کا وجود بس نام کا ہی ہے۔ کیونکہ یہ ناپائیدار ہے اور چیزوں کی ہستی بھی کچھ نہیں صرف وہم ہے۔

۴۔ ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا میرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

تشریح:۔ جنونِ عشق میں میں جو گرد اڑاتا ہوں صحرا اس میں گم ہو جاتا ہے اور میں وہ طوفان ہوں کہ دریا اپنے کو ہیچ جانکر میرے سامنے خاک پر اپنا ماتھا رگڑتا ہے۔

۵۔ مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

تشریح:۔ تیرے بعد میرا کیا حال ہوتا ہے؟ یہ تو مجھ سے مت پوچھ۔ اس کا اندازہ تو اپنی بے قراری و پریشانی سے لگا۔ جب کہ تو میرے سامنے ہے اور میری حالت کو دیکھ کر پریشان ہو رہا ہے۔

۶۔ سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا ہوں نہ کیوں میں
بیٹھا ہے بتِ آئینہ سیما مرے آگے

تشریح:۔ تم جو مجھے خود بین و خود آرا کہتے ہو سو سچ ہے کیونکہ تجھ سا آئینہ

جیسی پیشانی رکھنے والا! محبوب اگر سامنے بیٹھا ہو تو میں کیوں نہ اس آئینہ کا فائدہ اٹھا کر خود بین و خود آرا بنوں۔

۷۔ پھر دیکھیے انداز گل افشانیٔ گفتار

رکھ دیجے پیمانۂ صہبا مرے آگے

تشریح:۔ شراب کا بھرا ایک پیالہ میرے سامنے رکھ دو اور پھر دیکھیے اس کو پی کر میرے منہ سے کیا پھول جھڑتے ہیں۔ مطلب یہ کہ میری خوش بیانی کا مزہ لینا ہو تو شراب دو۔

۸۔ نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا

کیوں کر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

تشریح:۔ جب مجھے اس کا نام دوسروں کے منہ سے سنائی دیا تو میں مارے رشک کے جل گیا اور لوگوں کو محبوب کا نام نہ لینے کو کہا تو لوگوں کو مجھ پر یہ گمان ہونے لگا کہ میں اس سے نفرت کرتا ہوں، اور اس وجہ سے اس کا نام نہیں سننا چاہتا۔ یہ بات میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اس لئے اب میں کیسے کہوں کہ میرے سامنے اس کا نام نہ لو۔

۹۔ ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

تشریح:۔ شریعت کے قوانین کی پابندی مجھے کفر کی طرف جانے سے روکتی ہے اور کفر (حقیقی جلوے میں اپنے وجود کے مل جانے کے بعد عارف ''انا الحق''

یعنی میں خدا ہوں کا نعرہ لگاتا ہے۔ اسلام میں اسے کفر مانا گیا ہے۔) اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسطرح کعبہ میرے پیچھے ہے اور کلیسا (بت خانہ) مرے آگے ہے۔

۱۰۔ عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام

مجنوں کو برا کہتی ہے لیلےٰ مرے آگے

تشریح:۔ اگرچہ میں عاشق ہوں مگر میرا کام معشوقوں کو فریب دینا ہے۔ اسی فریب میں آکر میرے سامنے آنے پر لیلےٰ مجنوں کو برا اور مجھے اچھا کہنے لگتی ہے۔

۱۱۔ خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے

آئی شبِ ہجراں کی تمنا مرے آگے

تشریح:۔ خوشی کے موقع پر خوش ہوتے ہیں۔ وصال یار کی خوشی بے شک بیحد ہوتی ہے مگر خوشی کی حد سے آگے بڑھ کر اس میں میری طرح کوئی مرتا نہیں یعنی وصال یار کی خوشی میں پاگل ہو گیا ہوں آگے کہتے ہیں شب فراق میں جو میں نے موت کی تمنا کی تھی شاید وہی میرے آگے آئی ہو۔

۱۲۔ ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو

آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

تشریح:۔ میں نے خون رو رو کر ایک سمندر بہا دیا ہے۔ کاش کہ میرے مصائب کا خاتمہ یہیں پر ہو جاتا مگر ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ دیکھیے آگے کیا کیا ہوتا ہے۔

۱۳۔ گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

تشریح :۔ بوقت موت میرے سامنے سے ساغر و صراحی مت ہٹاؤ کیونکہ اگر ہاتھوں میں جام بھر کر پینے کی ہمت نہیں تو کیا ہوا۔ آنکھوں میں تو جان ہے جن سے کہ میں ساغر و مینا کو جی بھر کر دیکھ سکتا ہوں۔

۱۴۔ ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

تشریح :۔ جب محبوب نے جو کہ غالب کو جانتا نہیں غالب کی برائی اس کے منہ پر ہی کرنی شروع کر دی تو غالب نے کہا غالب کو میرے سامنے تو برا نہ کہو وہ میرا ہم پیشہ، ہم مذہب اور ہم راز ہے۔

۸۰

۱۔ کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیئے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیئے

تشریح :۔ تم میرا مدعا بخوبی جانتے ہو۔ جب میں حال دل بیان کرنے لگتا ہوں تو جھٹ سے ٹوک کر مدعا کہنے کو کہہ دیتے ہو اب تم ہی بتاؤ کہ جان بوجھ کر اگر تم میرے مدعا سے انجان بن کر ایسا سوال کرو تو بتاؤ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

۲۔ نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے۔

تشریح:۔ تم مجھے پھر کبھی طعنہ کے طور پر بھی ظالم نہ کہنا۔ کیونکہ مجھے ہر بات پر "درست ہے" کہنے کی عادت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم یوں کہو اور میں اسی پر بجا ہے کہہ دوں اور تم ناراض ہو جاؤ۔

۳۔ وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جائے
نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے۔

تشریح:۔ نگاہ ناز نشتر ہی سہی۔ مگر جب دل میں اتر جائے تو اسے آشنا ہی کہنا چاہیئے کیونکہ جس کی جگہ دل میں ہے وہ آشنا نہیں تو اور کیا ہے!

۴۔ نہیں ہے ذریعۂ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے

تشریح:۔ تیر کا زخم راحت کا سامان پیدا نہیں کرتا کیونکہ یہ دل کو چھید کر نکل جاتا ہے مگر تلوار کا زخم دل کو کھولنے کی خوبی رکھتا ہے اس لئے اسے دل کشا کہنا چاہیئے۔

۵۔ جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنئے
جو نا سزا کہے اسکو نہ نا سزا کہیئے

تشریح:۔ جو دشمنی بنے اس کیساتھ دشمنی مت کرو۔ اور جو برا کہے اس کو برا نہیں کہنا چاہیئے۔ تم بھلا کرو خدا بھلا کرے گا۔

۶۔ کہیں حقیقت جاں کاہی مرض لکھیے
کہیں مصیبتِ ناسازی دوا کہیے

۷۔ کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجیے
کبھی حکایت صبر گریز پا کہیے

تشریح:۔ ہماری زندگی کیسے تمام ہوئی۔ اس کے بیان میں کہتے ہیں کہ کبھی تو جان لیوا۔ بیماری کی حقیقت کسی کو لکھتے رہے اور کہیں ناموافق دوا کی مصیبت کا رونا روتے رہے۔ کبھی نہ ہلنے والے رنج کی شکایت کرتے رہے اور کبھی نہ ملنے والے صبر کی کہانی کہتے رہے۔

۸۔ رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجیے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

تشریح:۔ عشق میں تو جان نہ رہنے پر قاتل کو خون کی قیمت ادا کرنی چاہیے اور جو خنجر زبان کو کاٹے اسے آفرین کہو۔

۹۔ نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے
روانی روش و مستی ادا کہیے

تشریح:۔ اگر محبوب کو ہم سے لگاؤ نہیں تو نہ سہی وہ خود تو ہے۔ اس کی چال کی روانی اور اداؤں کی مستیوں کو ہی بیان کرتے جاؤ۔ اس کی بے رخی سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔

۱۰۔ نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہیے

تشریح:۔ اگر بہار کو چمن میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی فرصت نہیں تو نہ سہی
آخر اسکا وجود ہے تو سہی۔ اسکی عدیم الفرصتی کی شکایت مت کرو تمہیں
چاہیئے کہ باغ کی سرسبزی اور ہوا کی خوشگواری کی تعریف کرو۔

۱۱۔ سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے۔

تشریح:۔ اے غالب جب کشتی کنارے سے لگ ہی گئی تو اب خدا سے ملاح
کے جور و ستم کی شکایت کیا کرنی۔ مطلب یہ کہ نتیجے کے طور پر جب تم کنارے پر
لگ ہی گئے ہو تو راستے میں کئے گئے ملاح کے جور و ستم کو بھول جاؤ۔ انتقامی جذبہ
اچھا نہیں۔

۸۱

۱۔ رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

تشریح:۔ جب تک آنکھ سے آنسو نہیں نکلے تھے تو اس بات کا پاس و
لحاظ تھا کہ عشق کا راز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مگر جب رونا ضبط نہ ہو سکا
اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو رازِ عشق کو چھپانے کا خیال جاتا رہا

اور ہم ایسے بے شرم ہو بے حجاب ہو گئے کہ آزاد و لا ابالی اور شہد کی طرح کھل کھیلے۔ (حالی)

۲۔ صرف بہائے مے ہوئے آلات مے کشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

تشریح:۔ مے کشی کا ساز و سامان شراب کی خرید میں صرف ہو گیا۔ ان آلات کو اٹھانے پھرنے کا ایک حساب تھا اور ایک شراب خریدنے کا۔ اس طرح ان دونوں کو بے باک کر دیا۔ کہ مے کشی کے آلات بھی نہ اٹھانے پڑے اور شراب بھی پی لی۔

۳۔ رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

تشریح:۔ ہم اپنی آوارگی کے باعث زمانے بھر میں بدنام ہوئے۔ اور اس بدنامی کی وجہ سے عزت کا پاس و لحاظ جاتا رہا۔

۴۔ کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

تشریح:۔ بلبل کی آہ و زاری کو بے اثر کون کہتا ہے۔ وہ بے اثر نہیں اسکے سوز آہ سے تو باغ میں لاکھوں پھولوں کے جگر چاک چاک ہو گئے۔
(پھولوں کی پتیوں کو جگر چاک ہونا کہا ہے)

۵۔ پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ سے خس و خاشاک ہو گئے

تشریح:۔ عاشقوں کی ہستی یا نیستی کے بارے میں کیا پوچھتا ہے ۔ یہ تو خود اپنی ہی آگ میں جل گئے ۔

۶۔ کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

تشریح:۔ ہم اپنے محبوب سے اسکی لاپرواہی کی شکایت کرنے گئے اس نے ہماری شکایت کے جواب میں ہماری طرف محبت سے مخمور جو ایک نگاہ کی تو ہم بس اسی کا شکار ہو کر رہ گئے ۔

۷۔ اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسدؔ کی لاش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

تشریح:۔ اسدؔ کا جنازہ اس نے اس شان و دھوم سے نکالا کہ دشمن بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔

۸۲

۱۔ نشہ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب
شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

تشریح:۔ مئے رنگ میں خوش ہو رہے ہیں اور ساز خوشی میں مست ہیں شراب کی صراحی نغموں کی ندی کے کنارے کا ہرا بھرا سرو بنی پڑی ہے۔

۲۔ ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست
واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

تشریح:۔ اے مرے دوست! مجھ سے یہ نہ کہہ کہیں اپنے نالے سے محبوب کی پر عیش محفل کو بدمزہ نہ کردوں۔ میں اس میں بدمزگی تصور سے بھی پیدا کر رہا ہوں وہاں تو میری آہ و فریاد کو نغمہ سمجھ کر اس کا لطف لیا جاتا ہے۔

۸۴

۱۔ عرض ناز شوخیٔ دنداں برائے خندہ ہے
دعویٔ جمعیت احباب جائے خندہ ہے

تشریح:۔ دانتوں کے ناز و شوخی کے اظہار کے لئے محبوب کو ہنسنا پڑتا ہے کہتے ہیں اسی طرح جو یار دوستوں کا مجمع لگا ہے یہ بھی ہنسی کے قابل ہے کیونکہ یہ سب جھوٹے ہیں۔

۲ ہے عدم میں غنچہ محو حیرت انجام گل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

تشریح:۔ پھول کھلنے کے بعد مرجھا جاتا ہے۔ پھول کے اس حشر کو دیکھ کر غنچہ حیرت میں ڈوبا پڑا ہے کیونکہ ایک دن اس کا بھی یہی انجام ہوگا۔

اسی لئے وہ منکر و تردد میں مُبتلا پڑا ہے۔

۳۔ کلفت افسردگی کو عیش بے تابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

تشریح:۔ افسردگی کی کلفت میں بے تابی کا عیش کا مزہ اٹھانا حرام ہے کیونکہ افسردگی کی غیر حاضری میں ہنسی اور عیش ہوگی۔

۴۔ سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

تشریح:۔ ہمارا دل تو آہ و گریہ کا دریا ہے مگر ہونٹوں پر ہنسی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ ہمارے دل کے سوزِ عشق کو نہیں مانتے۔

۸۳

۱۔ حسن بے پرواہ خریدار متاعِ جلوہ ہے
آئینہ زانوئے فکر اختراعِ جلوہ ہے

تشریح:۔ حسن اگرچہ لاپرواہ ہے پھر بھی جلوہ گری کا شوق رکھتا ہے اسی لئے نئے نئے جلوے بنانے کیلئے اُس کی سوچ بچار کا زانو اس کا آئینہ بن گیا جس میں وہ حسن آرائی کا شوق پورا کرتا ہے۔

۲۔ تاکجا اے آگہی رنگِ تماشہ باختن
چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

تشریح :- اے عقل! دنیا کے تماشوں کے رنگ کھیلنا کب تک رہیگا۔ تیری کھلی آنکھ ان جلووں کو رخصت کرنیوالی گود ہے۔

۸۴

۱۔ جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل ہے تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

دہان زخم ۔ زخم کو دہن سے تشابہ کیا ہے۔
تشریح :- جب تک عاشق زخم عشق نہ کھائے یعنی آزار محبت کا شکار نہ ہو محبوب سے ہم کلام نہیں ہو سکتا۔ صرف زخم کھانے سے ہی محبوب کے ساتھ گفتگو کی جا سکتی ہے یعنی اس کا التفات تبھی نصیب ہوتا ہے کہ مصائب عشق اٹھائے جائیں۔

وہاں زخم کی ترکیب اختر نے خوب باندھی ہے سہ
جنہ کہتے ہیں جن کو مرحبا بسمل۔ وہ خنجر از رہوتے ہیں وہ بجائے ادھر پوچھیں

۲ عالم غبار وحشت مجنوں ہے سر بہ سر
کب تک خیال طرۂ لیلا کرے کوئی

طرۂ ۔ زلف۔
تشریح :- دنیا کو لیلا کی مانند حسین سمجھ کر دل نہ لگاؤ۔ یہ درحقیقت مجنوں کے صحرائے جنوں کا گرد و غبار ہے جس نے لیلا کے حسن پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا ذات حقیقی کی طرف پر تو یا عکس ہے،

وحدت کثرت کا جامہ اوڑھے ہوئے ہے۔ باطل پر حق یا صفات پر ذات کا گمان نہ ہونا چاہیئے۔ یہ محض ایک طلسم ہے۔

۳۔ رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

ندیم۔ مراد ناصح دوست سے ہے۔ عقدۂ دل وا کرنا۔ دل کی گرہ کھولنا۔ جی ہلکا کرنا۔ دل کا غبار نکالنا۔ دل کشادہ کرنا۔

تشریح:۔ ناصح عاشق کو رونے سے منع کرتا ہے۔ مگر وہ بے خبر ہے کہ رونے سے ہی عاشق اپنا دل ہلکا کر سکتا ہے۔ گریہ زاری ہی سے وہ سکون خاطر حاصل کرتا ہے اور آزار و رنج میں اسے لطف آتا ہے ؎

میر اس دیوانگی میں ہے مزہ لوگ کہتے ہیں اسے آزار کیوں۔

۴۔ چاکِ جگر سے جب وہ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

چاک جگر۔ جگر کا پردہ چاک کرنا (پردہ چاک کرنا کے معنی ننگا یا بے عزت اور رسوا کرنا بھی ہے) خون جگر بہانا۔ پرسش۔ محبوب کا حالِ عاشق پوچھنا۔ جیب۔ گریبان۔ مراد پردۂ جگر۔

تشریح:۔ عاشق جنونِ عشق میں گریبان چاک کرتا ہے اور خون جگر بہاتا ہے تاکہ محبوب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے۔ اگر پھر بھی محبوب اسکا حال نہ پوچھے تو پھر گریبان یعنی پردۂ جگر کو چاک کرنے سے اور اسے خواہ مخواہ بدنام کرنے سے کیا فائدہ ؟

۵ لخت جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخ گل
تا چند باغبانیٔ صحرا کرے کوئی

تشریح:۔ عاشق نے اسقدر خون جگر بہایا ہے کہ ہر کانٹا پھول بن گیا ہے
کانٹے کی سرخ خون سے آبیاری کرنے کے سبب وہ سرخ پھول بن گیا ہے
اور صحرا جو خار دار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں رکھتا اب عاشق کے خون
جگر سے ایک گلزار بن گیا ہے۔ لہٰذا صحرا کی باغبانی کرنے کی ضرورت نہیں رہی
اسی خیال کا ایک اور شعر ہے ؎
ہے شگال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیے۔ کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن
عاشق کا دل کثرت داغ سے بہار کا سماں پیش کرتا ہے۔ داغ دل کو گل کہا
جاتا ہے ؎

دل نہیں تجھکو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کارِ فرما جل گیا

۶۔ ناکامیٔ نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ناکامیٔ نگاہ ۔ نظر کا ناکام ہونا یعنی دیدار نہ کر سکنا۔ جلوہ کی تاب نہ لانا۔
برق نظارہ سوز ۔ وہ بجلی جو نظر کو جلانے والی ہو۔ جلوہ یار سے عاشق کی
آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔
تماشا کرنا ۔ دیکھنا دیدار کرنا۔

تشریح :- محبوب کا جلوۂ حسن ایک بجلی ہے جو عاشق کی نظر کو جلا دیتی ہے۔ وہ اس بجلی کی تاب نہیں لا سکتے یہاں جلوۂ طور کی طرف بھی خفیف سا اشارہ ہے۔ حضرت موسیٰ کوہ طور پر جلوۂ ذات الٰہی کی تاب نہ لا کر غش کھا گئے تھے۔

۷۔ ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست
نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

خشت۔ اینٹ۔ شکست۔ شکستگی۔ چوٹ یا زخم جو اینٹ پتھر سے پیدا ہوتا ہے اسے گوہر سے تشبیہ دی گئی ہے اور اینٹ جو یہ گوہر زخم پیدا کرتی ہے گویا صدف (سیپی) ہے۔ صدف سے موتی پیدا ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ قطرہ آب صدف میں رہ کر موتی بن جاتا ہے، اسطرح قطرۂ خون زخم میں جم کر سرخ گوہر کی صورت اختیار کرتا ہے۔

تشریح :- دیوانے عاشق کے جسم و سر پر جو پتھر برس رہے ہیں، ان سے نقصان نہیں بلکہ اس سودا (جنون عشق) میں سراسر فائدہ ہی ہے کیونکہ یہ سنگ صدف ہے جو موتی کا زخم پیدا کرتا ہے۔

۸۔ سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

سر بر ہونا۔ عہدہ بر آنا۔ سرخرو ہونا۔ پورا اترنا۔

تشریح :- محبوب کا وعدہ صبر آزما ہوتا ہے۔ عاشق کے صبر کو ختم کر دیتا ہے اور کبھی پورا نہیں ہوتا۔

وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا

عاشق کی زندگی بھر اس وعدہ یار کے ایفا کے لئے کافی نہیں یعنی عاشق تمام عمر ترس ترس کر رہ جاتا ہے مگر محبوب کا وعدہ پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے محبوب کے عیش و عشرت کی تمنا کرنے کیلئے فرصت کہاں؟ کوئی بھی فرصت یا وقت رعایت نہیں کرتا۔

۹۔ بے کاری جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں پھر کیا کرے کوئی

تشریح:۔ عاشق کا جنون جب بے کار رہتا ہے یعنی کوئی شغل مثلاً نالہ زاری، گریباں چاک کرنا۔ وغیرہ نہیں رہتا تو پھر ناکامی کے عالم میں بار بار سر پیٹنے لگتا ہے۔ اور سر پیٹتے پیٹتے اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر وہ کیا کرے؟
دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے ہاتھ ٹوٹ جائیں یعنی بیکار ہو جائے اور کسی کام کے قابل نہ رہے تو سر پیٹنے کے سوا (افسوس کرنے) اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

۱۰۔ حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

فروغ۔ نور، روشنی۔ دل گداختہ۔ سوز درد سے پگھلا ہوا دل
تشریح:۔ جس طرح شمع جل جل کر پگھلتی ہے تب کہیں اسے روشنی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ایثار نفس سے ہی قدر و قیمت پیدا ہوتی ہے۔ شمع سخن یعنی شاعری کی شمع کا نور بھی دل گداختہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی شاعر کے کلام میں روشن بیانی پیدا کرنے کے لئے اس کے دل میں سوز عشق کا ہونا

ضروری ہے۔ خون جگر بہا کر ہی کلام میں حسن اور زور پیدا کیا جاسکتا ہے ؎

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
جب کہیں بنتی ہے اک مصرعۂ تر کی صورت

۸۵

۱۔ ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ابن مریم:۔ حضرت عیسیٰ جو اپنے دم سے مردوں میں جان ڈالتے اور مریضوں کو شفا عطا کرتے تھے۔

تشریح:۔ یہ ٹھیک ہے کہ مریم کا بیٹا حضرت عیسیٰ مریضوں کو شفا بخشتا تھا مگر ہمیں تو کوئی عیسیٰ ملتا ہی نہیں جو ہمارے دردِ عشق کی دوا کرے۔

۲۔ شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

تشریح:۔ دنیا قوانین مذہب کی پابند ہے اور قانون حکومت بھی موجود ہے مگر محبوب تو تیر نگاہ سے عاشق کو قتل کرتا ہے اور مار زلف سے دلوں کو ڈستا ہے اسکے خلاف کیا چارہ جوئی کی جاتے وہ تو شرع اور قانون ہر دو کی زد سے باہر ہے ؎

سامنے بیٹھ کے دل کو جو چرائے کوئی۔ ایسی چوری کا پتہ خاک لگائے کوئی

محبوب کو کسی تیر و شمشیر کی ضرورت نہیں۔ اس کی نگاہ ہی چپکے سے وہ کام کر جاتی ہے کہ توبہ بھلی سے

دل خون گشتہ سے پوچھ نگاہ یار کیسی ہے
کرے جو میان ہی میں کام وہ تلوار کیسی ہے

۳۔ چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

کڑی کمان۔ سخت کمان۔ کمان جتنی سخت ہو تیر اتنا ہی دور جاتا ہے۔ اور اتنا ہی اسمیں زیادہ زور اور اثر ہوتا ہے۔ دل میں جا کرنا دل میں جگہ پانا۔

تشریح۔ محبوب کی چال قیامت برپا کر دیتی ہے۔ اور عاشق کے دل میں تیر کی طرح اتر جاتی ہے۔ ایسے ظالم محبوب کے دل میں بھلا کون جگہ پا سکتا ہے۔

۴۔ بات پر واں زبان کٹتی ہے۔
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔

زبان کٹنا ورگت بنا۔ برا حال ہونا۔

تشریح۔ محبوب جلی کٹی سنانے کا عادی ہے اور بات بات پر بگڑ جاتا ہے جو کچھ بھی وہ سخت سست کہے خاموشی کیساتھ سن لینا چاہیے۔ لب شکایت وا کرنا عاشق کو زیب نہیں دیتا۔ ضبط غم سے کام لینا ہی مصلحت ہے۔

۷۔ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

تشریح:۔ جنون یا پاگل پن میں انسان واہی تباہی بکتا ہے۔ اسے اپنی سدھ بدھ نہیں رہتی۔ جنون عشق میں عاشق بے اختیار ہو کر بہت کچھ بک رہا ہے اور اسے ڈر ہے کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو جائے اور بدنامی کا موجب نہ ہو۔ اس لئے خدا سے دعا کرتا ہے کہ اس کی بکواس کو کوئی نہ سمجھے۔ فارسی کا ایک شعر ہے:

دل مے رود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد آشکارا

۸۶

۱۔ نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

تشریح:۔ کوئی برا کہے یا برا کرے تو اسے درگزر کرو۔ اچھا کام کئے جاؤ۔

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

تشریح:۔ اگر کوئی غلطی کرے تو اسے روک دے مگر ساتھ ہی اس کی خطا بخش دو یہ شعر معنی کے لحاظ پہلے شعر کے عین متضاد ہے

۳۔ کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

تشریح:۔ ہر شخص محتاج و مجبور ہے۔ کس کس امداد کیجائے۔

۴۔ کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

خضر۔ حضرت خضر سکندر کو آب حیات کے چشمہ پر لے گئے۔ خود تو پانی پی لیا، مگر سکندر کو اس سے محروم رکھا۔ گویا اس سے دھوکا کیا۔
تشریح:۔ جب خضر جیسے راہنما نے سکندر اعظم سے دھوکا کیا تو اب رہنمائی کے لئے کس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

تشریح:۔ جب امید بالکل نہیں رہتی تو انسان گلہ کرنا چھوڑ دیتا ہے کیونکہ شکایت شکوہ بے سود ہے۔

۱۔ باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایہ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

تشریح:۔ مجھے عشق میں دیوانہ جانکر باغ بھی مجھے ڈراتا ہے تاکہ میں اس میں سے نکل جاؤں۔ اسی وجہ سے پھولوں کی ٹہنی کا سایہ مجھے سانپ نظر آتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر شخص مجھے قابل نفرت سمجھتا ہے میری دیوانگی عشق کی وجہ سے۔

۲۔ جوہر تیغ بر سر چشمۂ دیگر معلوم
میں وہ سبزہ ہوں کہ زہر آب اگاتا ہے مجھے

تشریح:۔ جس طرح جوہر تیغ کا چشمہ زہر آب کے علاوہ کوئی اور نہیں اسی طرح مجھے بھی، جو کہ ایک سبزہ ہوں اسی زہر آب نے سینچ کر اگا دیا ہے۔

۳۔ مدعا محو تماشائے شکست دل ہے
آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

تشریح:۔ میرا مدعا میرے دل میں تھا۔ دل ایک آئینہ تھا جو کہ ٹوٹ گیا ہے۔ مدعا اس میں رہنے والا مدعا اب اس ٹوٹے دل کے ٹکڑوں کی سیر کرنے میں لگا ہے۔ اس طرح کوئی میرے مدعا کو آئینہ خانہ کی سیر کرا رہا ہے اور اپنے مدعا کے ساتھ میں بھی اس سیر میں ہوں چونکہ یہ سیر کرانے کا موجب محبوب ہے اس لئے کوئی سے محبوب مراد ہے۔

۴۔ نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

تشریح:۔ اس دنیا کا سرمایہ آہ وزاری ہے اور یہ دنیا کف خاکستر ہے۔ کہتے ہیں کہ آسمان مجھے قمری کا انڈا نظر آتا ہے یعنی قمری کا پیدا کرنے والا

قمری سے مطلب اس کی نالہ کشی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کل عالم نالہ کشی کے لئے بنا ہے۔

۵۔ زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھیں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

تشریح:۔ جب تک زندہ رہے محبوب نے مجھے اپنی بزم میں سے اٹھا دیا۔ اب دیکھتے ہیں مرنے کے بعد بھی وہ اپنی عادت کے مطابق مجھے یعنی میرے جنازے کو اٹھاتا ہے یا نہیں۔

۸۸

۱۔ روندی ہوئی کو کبہ شہریار کی
اترائے کیوں نہ خاک سر رہگزار کی

تشریح:۔ یہ شعر شاہ کی مدح میں سمجھنا چاہیئے فرماتے ہیں کہ جس راستے کی خاک بادشاہ کے اردلی کے پاؤں تلے روندی گئی ہے اس راہ کی خاک کیوں نہ اس بلند قسمتی پر خوش ہو۔

۲۔ جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

تشریح:۔ جس باغ کی سیر کرنے کے لئے بادشاہ خود تشریف لائیں اس گلزار کی ناموری عوام میں کیوں نہ ہو۔

۳۔ چھوڑا نہ کہ نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے
کیوں کر نہ کھایئے کہ ہوا ہے بہار کی

تشریح:۔ باغ کی سیر کرنے کے ہم بھوکے نہیں ہیں۔ مگر جب فصل بہار ہو تو کیوں نہ باغ کی سیر کی جائے۔

۸۹

۱۔ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تشریح:۔ ایسی خواہشات کا کوئی حساب ہی نہیں جن میں سے کہ ایک ایک پہ جان دوں اور میرے دل کے ارمان بھی بے حساب پورے ہوئے ہیں مگر ابھی ارمانوں کی اتنی تعداد دل میں ہے کہ بہت کم ارمان پورے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۲۔ ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اسکی گردن پر
وہ خون جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بہ دم نکلے

تشریح:۔ میرا قاتل میرا قتل کرنے سے مت ڈرے کیوں کہ اس کا ڈر بے سود ہے کہ میرا خون اس کی گردن پر ہوگا۔ جب کہ میں خود ہی ہر دم اپنی آنکھوں سے خون بہاتا رہتا ہوں۔ اگر اس نے بھی میرا خون بہا دیا تو کیا ہو جائے گا۔

۳۔ نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

تشریح:۔ اب تک تو یہ سنتے آئے تھے کہ آدم کو خلد سے نکالا گیا۔ مگر ہم اس سے بھی زیادہ بے عزت ہو کر تیرے کوچے سے نکالے گئے یعنی ہمارا تیرے کوچے سے نکالا جانا آدم کے خلد سے نکالے جانے سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

۴۔ بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا

اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

تشریح:۔ اگر تیری مڑی ہوئی زلف کے گھونگھر کھول کر اسے سیدھا کر دیا جائے تو تیرے سرو جیسے لمبے قد کا پول کھل جائے۔ مطلب یہ کہ تیری زلف تیرے قد سے بھی دراز ہے۔

۵۔ مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے

ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

تشریح:۔ ہم صبح ہوتے ہی کان پر قلم رکھ کر نکل پڑتے ہیں اس مقصد سے کہ ہمارے محبوب کو جس جس نے بھی خط لکھوانا ہو وہ ہم سے لکھوائے تاکہ ہم بھی جان لیں کہ کون کون اس کا شیدا ہے۔

۶۔ ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی

پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جام جم نکلے

تشریح:۔ جس طرح شاہِ جمشید کے دور میں شراب نوشی اس کا ہی حصہ تھی۔ تو بن جاتی تھی یعنی وہ نا ہموار نوش تھا۔ اسی طرح موجودہ دور میں شراب نوشی میرے نزدیک ہے آج وہی جمشید کا زمانہ آگیا ہے اور اس لیے بزم جم کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔

۷۔ ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

تشریح:۔ جن لوگوں سے ہمیں امید تھی کہ بوقتِ ضرورت امداد یا حوصلہ ملیگا وقت آنے پر وہ ہم سے بھی زیادہ ستم زدہ اور بد حال نکلے۔

۸۔ محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

تشریح:۔ جب کسی سے محبت ہو جائے تو جینے اور مرنے کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اس پر مرنے میں زندگی ہے اور جب تک زندگی ہے اسی پر مرتے ہیں، اسی کے دم سے زندگی ہے۔

۹۔ خدا کے واسطے پردہ نہ کعبے کا اٹھا واعظ
کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

تشریح:۔ اے واعظ! تو جو کعبہ کی اتنی مدح و تعریف کر رہا ہے رہنے دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پردے کے اندر سے پھر وہی بت نکل آئے جو کہ پہلے تھا۔ حرم بننے سے قبل کعبہ ایک بت خانہ تھا۔

۱۰۔ کہاں مے خانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

تشریح:۔ مانا کہ زاہد اور میخانے کا کیا تعلق؟ مگر اتنی بات تو ضرور ہے کہ کل جب ہم پی کر نکلے تو وہ وہاں پینے جا رہا تھا۔ یعنی اس میں ضرور کچھ کالا ہے ورنہ کہاں زاہد و شیخ اور کہاں میخانہ۔

۹۰

۱۔ کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

تشریح:۔ اگر ہم آواز بن جائیں تو بھی پہاڑ کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں اور وہ ہمیں واپس کر دیتا ہے۔ اب تو ہی بتا اے بے تکلف شرارے ہم تیری طرح بے تکان کیسے ہو جائیں۔ اگر اس ضعیفی کی حالت میں پتھر ہمیں برداشت نہیں کرتا تو نکل جانے پر ہمیں کون برداشت کرے گا۔

۲۔ بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

تشریح:۔ انڈے کی طرح یہ قفس کا گوشہ بھی ہماری زندگی کے لیے باعثِ شرم ہے۔ جس طرح پرندہ انڈے سے رہائی پا کر ایک نئی زندگی شروع کرتا ہے اسی طرح چاہیے کہ ہم بھی اس دنیا کی زندگی سے رہائی پا کر نئی عارفانہ زندگی شروع کریں۔

۱۔ مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے
موجِ شراب یک مژہ خواب ناک ہے

تشریح:۔ ساقی کی غفلت کے ذوق کی وجہ سے ہماری مستی ہلاک ہو رہی ہے اور ساقی کے ساتھ ہی شراب کی لہر بھی سو رہی ہے جب ساقی اور شراب دونوں ہی نہ ہوں تو مستی کا ہلاک ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔

۲۔ جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو
جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

تشریح:۔ جیبِ خیال کا مطلب دل ہے۔ فرماتے ہیں کہ تیرے ہاتھوں میرا دل پھٹا پڑا ہے جس میں کہ کوئی آرزو نہیں ٹک سکتی سوائے تیری شمشیر کے زخم کے۔

۳۔ جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ
صحرا ہماری آنکھوں میں یک مشتِ خاک ہے

تشریح:۔ عشق کے جنون سے میں مجنوں بنا تو صحرا کی طرف بھاگا مگر میرے اس جوش کو صحرا بھی نہ سنبھال سکا اور مٹھی بھر ریت بن کر میری آنکھوں میں آ پڑا۔ اب کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں پر میں جا سکوں اور اپنے شوق آوارگی کی تسکین کر سکوں۔

۱- آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے
نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

تشریح:- نقشِ پا نے جیسے جادہ کی انگلی کان میں ڈال رکھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سیلاب آنے والا ہے اور پانی کی خوفناک آواز آرہی ہے جس کی وجہ ہی ڈر کر نقشِ پا نے راستے کی انگلی اپنے کان میں ڈال لی ہے۔

۲- بزم مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا
شیشہ میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

تشریح:- اے محبوب! تیری نشہ سے مخمور آنکھ نے محفلِ مے نوشی کو وحشت کدہ بنا دیا ہے اور اس وحشت سے ڈر کر شیشے کی پری (شراب) کی نبض شراب کی لہر میں جا چھپی ہے۔

۹۴

۱- ہوں میں بھی تماشائی نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

تشریح:- میں اپنی تمناؤں کی بے قراری و بے تابی کا تماشا دیکھتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا کوئی مطلب بر آوے۔ اپنی تمناؤں کی طرف دھیان دینے کی وجہ اس کا تماشا دیکھنا ہے۔

۱۔ سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر
میری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ہائے ہجراں

تشریح:۔ میری قسمت میں شب ہائے ہجراں اس طرح ہیں جس طرح کہ لکھتے وقت کاغذ پر سیاہی گر جائے اور سارے کاغذ پر سیاہی ہی سیاہی نظر آئے۔

۹۵

۱۔ ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے
خموشی ریشۂ صد نیستاں خس بدنداں ہے

تشریح:۔ اے ہجومِ نالہ! ہماری حیرت نہایت عاجزی کیساتھ ایک عرض کرنیکو بے تاب ہے اور اس حیرت کی خاموشی نہایت مجبوری و عاجزی کی حالت میں اپنے دانتوں میں سینکڑوں تنکے دبائے ہے۔

۲۔ تکلف بر طرف ہے جاں ستاں تر لطفِ بدخویاں
نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے

تشریح:۔ تکلف ایک طرف چھوڑ کر صاف بات یہ ہے کہ بدخو محبوب کی مہربانی بھی جان لینے والی ہے۔ کیونکہ مہر کی لہر میں آکر جب وہ بے حجاب تیز عریاں نگاہ سے دیکھے گی تو اس ننگی تیز تلوار کے وار سے کون بچے گا۔

۳۔ ہوئی ہے کثرتِ غم سے تلف کیفیت شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

تشریح:۔ کثرت غم کی وجہ سے خوشی کی حالت بالکل جاتی رہی ہے اور اب تو عید کی صبح بھی پھٹے ہوئے گریباں سے بری لگتی ہے

۴۔ دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستگرداں ہے

تشریح:۔ اگر ساقی سے شراب کا سودا کرنے کا خیال ہے تو دل اور دین نقد لا کر اس کی تلی پر رکھ دے کیونکہ اس بازار میں تو شراب کے کام کا سودا ہاتھوں ہاتھ نقد بہ نقدی ہوتا ہے۔ اس ہاتھ سے دل و دین دو اور اس ہاتھ سے شراب کا جام لو۔

۵۔ غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

تشریح:۔ غم عشق عاشق کی ہر بلا و آفت میں پرورش اور حفاظت کرتا ہے اور اسپر آنچ نہیں آنے دیتا۔ ٹھیک اسیطرح جسطرح کہ سمندر میں مرجاں کے چراغ کو کوئی طوفان نہیں بجھا سکتا (مرجاں کو روشن ہونے کیوجہ سے چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے)۔

۹۶

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
نگاہ دل سے تیرے سرمہ سا نکلتی ہے

تشریح :- تیری اداؤں میں خاموش رہنے کی ادا بھی عجیب ادا ہے۔ اس ادا نے تیری نگاہ کو اور بھی تیز کر دیا کیونکہ اس پر خاموشی کی وجہ سے سرمہ لگ گیا ہے۔

۲۔ فشارِ تنگیٔ خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

تشریح :- جب ہوا غنچے کے پردے میں چلی گئی تو غنچے نے اسے اپنی تنگ خلوت میں جگہ دی۔ تنگی کی وجہ سے اسے صبا کو بھینچنا پڑا۔ اس کو اس نے محبت خیال کیا اور شرم کے مارے اسے پسینہ آ گیا جو کہ شبنم بنا۔

۳۔ نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

تشریح :- محبوب کی نگاہ کی تلوار کی تیزی اس کے عاشق کے سینہ سے مت پوچھ یہ دیکھ لے کہ۔ جب اس نگاہ نے عاشق کے دل میں جھانکا تو اس سے دروازے میں سوراخ پڑ گئے یعنی دل زخمی ہو گیا جس میں سے کہ اب ہوا نکلتی ہے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ محض جھانکنے سے یہ حالت ہوئی اگر کہیں دل میں گھس جاتی تو خدا جانے کیا ہوتا۔

۹۷

۱۔ جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے
نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے

تشریح:۔ جس جگہ نسیم یار کی زلف کو شانہ بن کر بناتی سنوارتی ہے وہاں اس میں اسقدر خوشبو آ جاتی ہے کہ زلف کے کھولنے پر مشک پیار و منیہ نے آہو کا دماغ بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔

۲- کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
آئینہ فرشِ شش جہت انتظار ہے

تشریح:۔ اے خدا! میری حیرت کس کے جلوہ کا سراغ لگانے میں لگی ہے کہ اس نے انتظار کی دنیا کی تمام اطراف کو حیرت سے بھر کر آئینہ کا فرش بنا دیا ہے۔

۳- ہے ذرہ ذرہ تنگیٔ جا سے غبار شوق
گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے

تشریح:۔ میرے شوق کا غبار یعنی بے تابی و بے قراری کے لئے اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں، اسی لئے یہ ذرہ ذرہ بن کر کل عالم میں چھایا ہے۔ اور اگر یہ ذرہ جال ہے تو صحرا اسکا شکار جس کی کہ اسکو ضرورت ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں کا ہر ذرہ بے تابی سے بھرا پڑا ہے اور یہ بے تابی میرے شوقِ عشق کی بے تابی ہے۔

۴- دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

تشریح:۔ آنکھ نے محبوب کا نظارہ کیا اور دل اس جرم میں پکڑا گیا۔ اب دل نے آنکھ کے خلاف عدالتِ عشق میں مقدمہ دائر کر دیا ہے جس کی آج پیشی ہے۔

۵۔ چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پہ آب
اے عندلیب وقت وداع بہار ہے

تشریح:۔ اے بلبل! شبنم جو پھول کے آئینہ پر چھڑکاؤ کر رہی ہے اسکا مطلب یہ ہے موسم بہار کی رخصت کا وقت ہے۔ پہلے یہ رواج تھا کہ کسی کو وداع کرتے وقت آئینہ پر پانی چھڑکا جاتا تھا۔

۶۔ بچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پریاں انتظار ہے

تشریح:۔ مجھے بھی محبوب کے وعدہ سے ضد ہو گئی ہے۔ اس نے آنے کا وعدہ کیا ہے وہ یہاں آئے یا نہ آئے میں تو ضد پر اڑا اس کا انتظار کرتا رہوں گا۔

۷۔ بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گزر نہ کر
ہر ذرہ کے نقاب میں دل بے قرار ہے

تشریح:۔ اے محبوب! تو بے پردہ ہو کر مجنوں کے صحرا کی طرف مت جائیو کہ وہاں پر مجنوں ہی نہیں بلکہ ہر ذرے کا دل عشق سے بے قرار ہے۔

۸۔ اے عندلیب یک کف خس بہر آشیاں
طوفان آمد آمد فصل بہار ہے

تشریح:۔ بہار کا موسم طوفان کی طرح آرہا ہے۔ ہر چیز پر چھا جائے گا جس سے کہ تنکا تنکا سرسبز ہو جائے گا۔ اس لئے اے بلبل! تو اپنے آشیانے

لے لیے ایک مٹھی صبر تنکے رکھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر تجھے آشیانہ بنانے کو تنکے ہی نہ ملیں۔

۹۔ دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی

اے بے مثال آئینہ تمثال دار ہے

تشریح:- دل کو مت گنوا کیونکہ یہ تیری حسرتوں اور تمناؤں کی تصویروں سے معمور ہے۔ اگر تجھے ذات حق کی تحصیل نہیں ہوتی تو نہ سہی، اس کی سیر تو کر سکتا ہے اگر دل ہی نہ رہا تو وہ تصویریں بھی نہ رہیں گی اور تو سیر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

۱۰۔ غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط

اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

تشریح:- غفلت نے تو عمر کا ذمہ اٹھا رکھا ہے اور اسد عیش و نشاط وغیرہ [illegible] مانتا ہے۔ اے موت! تو کس انتظار میں ہے۔ آ اور اس جھوٹے طلسم کو توڑ کر حقیقت کو آشکار کر دے۔

۹۸

۱۔ آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

تشریح:- اے محبوب! تو جو مجھے تیرا مقابل لانے کو کہتا ہے میں وہ کہاں سے لاؤں۔ میں کیوں نہ تیرے ہاتھ میں آئینہ دیدوں جس میں کہ تو اپنی شکل و صورت

دیکھ کر خود ہی حیران ہو رہے اور لوگ اس کو ایک تماشا کہیں۔

۲۔ حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

تشریح:- تیری حسرت نے میرے خیالوں کی بزم میں جو کہ تیری ہی ہے۔ حسرت نگاہ کا ایک گلدستہ لا کر دکھا دیا ہے اور اس گلدستے کو ہی دل کا سیاہ نقطہ (یعنی سویدا) کہتے ہیں۔

۳۔ پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسونِ انتظارِ تمنا کہیں جسے

تشریح:- اے خدا! محبت کے کان میں تمنا کے پورا ہونے کی انتظار کا جادو کس نے پھونکا ہے کہ اس کا اثر اترنے میں ہی نہیں آتا۔ نہ تمنا بر آئے گی اور نہ محبت کا یہ انتظار ختم ہوگا۔ خدا کو مخاطب کر کے اس کو طعنہ دیا ہے کہ اس کا ذمہ دار تو ہے۔

۴۔ سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

تشریح:- غریب الوطنی کے باعث اس قدر مصیبتیں اکھٹی ہو گئی ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ریگستان کو خاک کی ایک مٹھی سمجھ کر سر پہ ڈال لیں یعنی بیابان کی طرف نکل جائیں اور آوارہ گردی کرتے پھریں۔

۵. ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

تشریح:- میری آہ وگریہ کی حقیقت کیا ہے؟ آنکھوں سے جو اشکوں کا دریا رواں ہے اصل میں یہ وہ حسرتِ دیدار کی انتہا میں آنکھوں میں چھپا شوق محبت تھا جو کہ بے قرار ہوکر اور باگیں توڑ کر دریا بن کر آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔

۶. درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

تشریح:- عیش وعشرت کے پھول کھلانے کیلئے جس صبحِ بہار کی ہمیں ضرورت ہے اسے پنبۂ مینا کہتے ہیں۔

۷. غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

تشریح:- دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں جسے سب اچھا ہی کہیں۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی برا بھی کہنے والا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر واعظ تمہیں برا کہتا ہے تو کیا ہوا!

۹۹

۱. شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغ دل بے داد نظرگاہ حیا ہے

تشریح:۔ گل لالہ پر جو شبنم کی بوندیں ہیں انکا وجود وہاں بے مطلب نہیں۔ کیونکہ دل پر داغ رکھتے ہوئے بھی یہ درد دل سے عاری ہے اور یہ اس کیلئے باعث شرم ہے۔ اسی وجہ سے اسے پسینہ آرہا ہے جو کہ شبنم کے قطرے ہیں۔

۲۔ دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار
آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے

تشریح:۔ دیدار یار کی حسرت کی کشمکش میں دل کا خون ہو چکا ہے اور اس خون شدہ دل کو آئینہ سمجھ کر اپنے ہاتھ میں لیکر محبوب مستی سے مہندی لگانے میں بدمست ہو گیا ہے۔ یعنی عاشق کے خوں شدہ دل کے آئینہ میں اپنی آرائش و نگارش دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہے۔

۳۔ شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے۔

تشریح:۔ عشق کا شعلہ تو دل کو نہ جلا پایا مگر محبوب کی غفلت سے شعلہ عشق کی ہوس جو پیدا ہوئی تو اس کی آگ نے دل کو جلا دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کام شعلہ عشق خود نہ کرسکا وہ اس کی ہوس نے کر دیا۔

۴۔ تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بہ انداز گل آغوش کشا ہے۔

تشریح:۔ تیرے عکس کی شوخی کا کیا کہیں۔ اسکا یہ اثر ہے کہ آئینہ تجھے اپنی گود میں لینے کیلئے بڑے شوق کے ساتھ اسے گود کو کھول رہا ہے

۵۔ قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

تشریح:۔ عاشق اور سوختہ جگر کی نشانی ایک نالے کے سوا اور کیا ہے؟ اگر نالہ نہ ہو تو قمری ایک مٹھی بھر خاک ہے اور بلبل مختلف رنگوں کا ایک قفس اور بس

۶۔ خو نے تیری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

تشریح:۔ اے محبوب! تیری بد مزاجی نے میرے دل کے شوقِ عشق کو افسردہ کر دیا ہے تجھے نہ تو عشق سے واسطہ ہے نہ معشوق کے ناز و انداز کا حوصلہ۔ اور معشوق کا بے حوصلہ ہونا ایک بلا سے کم نہیں۔

۷۔ مجبوری و دعوائے گرفتاریٔ الفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

تشریح:۔ عشق کرنے میں کسی کو دخل حاصل نہیں۔ یہ زبردستی نہیں کیا جا سکتا عشق کرنے سے ایک طرف تو مجبوری ہے مگر پھر بھی محبت کا دم بھرتے جانا اس طرح جیسے کہ ہاتھ تو پتھر کے نیچے ہو اور وفا کا پیمان باندھا جائے حالانکہ ایسا ہو نہیں سکتا کیوں کہ پیمان باندھنے کیلئے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۸۔ معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

تشریح:۔ تیری ستم کرنے والی تیغ آئینہ کی طرح تصویر دکھانے والی ہے جس میں کہ میں نے عشق میں شہید ہونے والے گزشتہ لوگوں کے حال دیکھ لیے ہیں یعنی تیری تیغ ستم کی تیزی اور آب سے ظاہر ہے کہ راہ عشق میں شہید ہونے والوں پر کیا گذری۔

۹۔ اے پرتو خورشید جہاں تاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

تشریح:۔ جہاں کو چمکانے والے خورشید! ذرا ہماری طرف اپنی تجلی کا ایک پرتو پھینک کیونکہ ہم پر سائے کی طرح برا وقت آپڑا ہے۔ تیرے نور سے ہی یہ تاریک سایہ دور ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

تشریح:۔ اگر کیے گئے گناہوں کی سزا ہے تو اے خدا! ان گناہوں کے نہ کرسکنے کے باعث جو حسرت دل میں رہ جاتی اس کی داد ملنی چاہیئے۔

۱۱۔ بیگانگیٔ خلق سے بے دل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو میری جان خدا ہے۔

تشریح:۔ اے غالب اگر اہل جہاں تجھ سے دور رہتے ہیں اور تیرا کوئی نہیں تو نہ سہی خدا تو تیرا ہے۔ تب ڈر کس بات کا۔

۱۔ منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

تشریح:۔ نور حق کو اپنے ظہور کی خاطر کسی شکل کی تلاش تھی اور اس کے لئے وہ تیری جیسی شکل چاہتا تھا۔ جب اس نے تیرے چہرے اور قد کو دیکھا تو اس کی قسمت جاگ گئی یعنی مطلوب شکل اسے مل گئی

۲۔ اک خوں چکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر حور کی

تشریح:۔ تیرے عشق میں قتل ہو جانے پر جب تیرے شہید عاشق کفن میں پڑے ہوتے ہیں تب ان کے خون سے رنگین ان کے کفن کو دیکھ کر حوریں بھی عاشق ہو جاتی ہیں۔

۳۔ واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی

تشریح:۔ اے واعظ! تو جو ہماری شراب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور بہشت کے آب کوثر کو شراب طہور کہہ کر اس کا لالچ دیتا ہے، اس شراب طہور کا کیا کہنا۔ نہ تو تم خود ہی پی سکتے ہو اور نہ کسی کو پلا سکتے ہو بس ایک فریب دے کر زاہدوں سے دھوکہ کرتے ہو۔

۴۔ لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

تشریح:۔ قاتل محبوب مجھے قتل کرتا رہا اور ادھر حشر کا دن آگیا مگر وہ مجھے قتل کرنے میں اتنا مشغول رہا ہے کہ اس نے صور کی آواز کو سنا ہی نہیں۔ آخر قیامت کے روز تو مجھے اٹھنا ہی تھا۔ اب جو اٹھا ہوں تو وہ ناراض ہو گیا ہے کہ ابھی روز قیامت تو آیا نہیں اور تم اٹھ کھڑے ہوئے ہو محبوب کی زبردستی کا عالم ہو

۵۔ آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی کچھ خبر ہے زبانی طیور کی

تشریح:۔ بلبل جو گا رہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ موسم بہار آنے والا ہے۔ دوسرے مصرع کا بھی مطلب یہی ہے کہ پرندے کی زبان سے یہ اڑتی سی خبر ملی ہے کہ بہار آنے والی ہے۔ مگر آمد بہار یقینی نہیں۔

۶۔ گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

تشریح:۔ میں بتوں کی پرستش کرتا ہوں، اس سے ناراض نہ ہو کیونکہ یہ بت خانہ کعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج یہ بت کعبہ میں نہیں مگر وہاں کے تو ہیں۔

۷۔ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

تشریح:۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو سوال کرنے پر ایک ہی جواب (انکار) ملے۔ ہم بھی کوہ طور کی سیر کریں۔ ہو سکتا ہے ہمیں خدا اپنا جلوہ دکھانے پر راضی

ہو جائے (کوہ طور پر حضرت موسیٰ کو جلوہ حق دیکھنے کی خواہش میں نفی میں جواب ملا تھا)

۸۔ گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

تشریح :۔ کلام میں سختی یا شوخی ہونا محبوب کی صفت ہے مگر اپنی حد سے نہیں بڑھنا چاہیے۔ اتنی بھی گرمی نہ ہو کہ جس سے بھی ہم کلام ہوئے اسکو گرم کلامی کی شکایت ہوئی۔

۹۔ غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

تشریح :۔ جب بہادر شاہ مرحوم حج کا ارادہ کر رہے تھے تب غالب نے بھی جانیکا اشتیاق ظاہر کیا۔ شعر صاف ہے خاص بات یہی ہے کہ غالب کی نظر میں سفر حج کی قیمت ثواب حج سے زیادہ ہے۔

۱۰۱

۱۔ غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

تشریح :۔ ناکامیوں کی وجہ سے میرا دل اب غم کھانے میں بھی کمزور ہو گیا ہے۔ شراب کی کمی کا رنج اب پہلے سے بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

۲۔ کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

تشریح:۔ ویسے تو میں جام میں بچی شراب کی تلچھٹ تک پر قانع ہوں مگر یہ بات ساقی سے کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ کہیں وہ مجھے کم ہمت نہ سمجھ لے۔

۳۔ نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

تشریح:۔ اس شعر کی تفسیر مولینا حالی نے یوں کی ہے۔
جو شخص گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اسکا کوئی دشمن اور بد خواہ نہیں ہوتا۔ ساری خرابیاں شہرت واقتدار اور نام ونمود کیساتھ وابستہ ہیں۔

۴۔ کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

تشریح:۔ پرہیزگاری میں بے شک فریب یا دھوکہ نہ ہو تو بھی میں اسکا قائل نہیں کیونکہ ان نیک اعمال میں بھی ان کے صلے کی ہوس رہتی ہے۔

۵۔ ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگیِ رسم و رہِ عام بہت ہے

تشریح:۔ زیادہ عقلمند لوگ عام بندشوں اور پابندیوں کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہیں اور اسی کو خاص روش مان کر اس پر فخر کرتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔

۶۔ زمزم پہ ہی چھوڑ دو مجھے کیا طوف حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

تشریح:۔ حج اور کعبہ کے طواف کے واسطے جو لباس میں نے پہنا تھا وہ تو شراب سے لت پت ہو گیا ہے۔ اب مجھے حرم کے طواف سے کیا؟ مجھے تو زمزم پہ ہی چھوڑ دو تاکہ یہاں میں اس لباس کو صاف کر لوں گا۔

۷۔ ہے قہر کہ اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

تشریح:۔ اب محبوب کو دیدار سے انکار نہیں اور مجھے بھی دیدار کرنے کی تمنا ہے مگر اب بھی بات نہ بنے تو کتنے ظلم کی بات ہے۔ گویا کہ اب بھی یقین نہیں کہ وصال یار ہوگا

۸۔ خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

تشریح:۔ اے موت! ابھی تو میں نے کوچۂ عشق میں پاؤں رکھا ہی ہے اور تو مجھے لینے کو آگئی ہے۔ لہٰذا اور مجھے ابھی یہیں چھوڑ دے کیونکہ میں نے ابھی کئی کام کرنے ہیں۔ ابھی تو آنکھوں کے راستے جگر خون ہو کر نہیں ٹپکا جب جگر بھی خون بن کر آنکھوں سے ٹپک جائے گا تب مجھے لے چلنا۔ ابھی نہیں۔

۹۔ ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پر بدنام بہت ہے

تشریح:۔ غالب کو کون نہیں جانتا۔ اس کی تو دوہری شہرت ہے۔ کیونکہ لوگ اسے اچھا شاعر ہونے کے ناطے جانتے ہیں اور جو شاعری کی صورت میں اس سے واقف نہیں وہ اسے بدنام ہونے کی وجہ سے جانتے ہیں۔

۱۰۲

۱۔ مدت ہوئی یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

تشریح:۔ محبوب کو گھر میں بلائے ہوئے اور شراب کے پیالوں سے محفل کو چراغاں کئے کافی مدت ہو چکی ہے۔ اب تو دعوت شروع ہونی چاہیئے۔

۲۔ کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
مدت ہوئی ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

تشریح:۔ مژگانِ یار کو وار کرنے کی دعوت دیئے ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہے، اب اسے دوبارہ مدعو کرنے کی خاطر جگر کے ٹکڑوں کو اکٹھا کر رہا ہوں تاکہ اسکی مژگان کے وار کے لئے کچھ تو ہو۔

۳۔ پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

تشریح :۔ بڑی دیر سے دیوانگی عشق پر ضبط کر رکھا ہے ۔ اب تو اس ضبط سے دم گھٹنے لگا ہے ۔ اور پھر جنون عشق میں گریباں کو پھاڑے بھی تو برسوں بیت گئے ہیں ۔ اب جی پھر اسے چاک کرنے کی تمنا رکھتا ہے ۔

۴۔ پھر گرم نالہ ہائے شرر بار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے

تشریح :۔ آہوں کے چراغوں کا نظارہ کئے بہت عرصہ ہو چکا ہے ۔ اب پھر سے آہ نالوں کے شرارے گرانے میں لگی ہے ۔

۵۔ پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمک داں کئے ہوئے

تشریح :۔ دل کے زخموں کا حال چال پوچھنے کے لئے عشق پھر اس کے پاس چلا ہے مگر اپنے ساتھ ہزاروں نمک داں لے چلا ہے تاکہ بوقت ضرورت ان پر چھڑک سکے ۔

۶۔ پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل
سازِ چمن طرازیِ داماں کئے ہوئے

تشریح :۔ پلکوں کے قلم میں دل کا خون بھر رہا ہوں تاکہ اسے رو کر پھر اپنے دامن کو چمن کی طرح سجا دوں ۔

۷۔ باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

تشریح :- دل نے تیرے خیال کی طرف دھیان لگایا ہے اور آنکھ نے تجھے دیکھنے کی سوچی ہے اور اب پھر یہ دونوں تیرے چاہنے والے ہو کر آپس میں رقیب بن گئے ہیں۔

۸- دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

تشریح :- خودی و غرور کے بت خانے کو ویران کر کے اب دل پھر ملامت کے کوچہ کا طواف کرنا چاہتا ہے۔ مطلب یہ کہ خودی و غرور کی نسبت عشق میں ملامت زیادہ قابل قدر ہے۔

۹- پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کئے ہوئے۔

تشریح :- میرا شوق عشق پھر اپنی عقل، دل اور جان کے خریدار کی تلاش میں ہے اور اسی غرض سے اپنے دل، جان اور عقل کے سودے کی نمائش کر رہا ہے۔

۱۰- دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کئے ہوئے

تشریح :- گل و لالہ سے مراد حسینان جہاں سے ہے۔ کہتے ہیں کہ میرا خیال پھر ہر حسن والے کی طرف دوڑ رہا ہے اور میری آنکھوں نے سینکڑوں گلزاروں کی رنگینی و دلکشی کو جمع کر لیا ہے۔

۱۱۔ پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذر دل فریبی عنواں کیے ہوئے

تشریح:۔ محبوب کا جو خط عاشق کو ملا تو وہ کہتا ہے کہ خط دلفریب ہے اپنی جان قربان کرتا ہوں اور اس خط کو کھول کر پڑھا کروں میں کیا کروں

۱۲۔ مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

تشریح:۔ میری ہوس اب پھر کسی (محبوب) کو لب بام پر اپنے چہرے پر کالی زلفیں بکھرائے ہوئے کھڑا دیکھنا چاہتی ہے۔

۱۳۔ چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے۔

تشریح:۔ میری آرزو پھر کسی کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتی ہے، اسے جس نے سرمہ لگا کر پلکوں کے خنجر تیز کئے ہوں۔

۱۴۔ اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے

تشریح:۔ جسے تازہ ناز کی نو بہار کہہ سکوں، اس حسین کی تلاش میری نگاہ کر رہی ہے اور وہ حسین شراب کے نشے سے اپنے چہرے کو باغ کی طرح کھلائے ہوئے ہو۔